إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

کلیات نظم حالی

یعنی

شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم پانی پتی

کے

تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ

جلد اول

مشتمل بر قطعات - غزلیات - رباعیات

مرتبہ

شیخ محمد اسمٰعیل سکرٹری ونٹل پبلک لائبریری پانی پت

شائع کردہ

حالی بک ڈپو پانی پت

فہرستِ مضامین کلیاتِ نظمِ حالی جلدِ اوّل

۱ - تعداد قطعات ۸۲

۲ - تعداد غزلیات ۱۲۲

۳ - تعداد رباعیات ۱۴۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُردو شاعری کے مجدد اور حکیمانہ نظم کے موجد "سعدیِ ہند" شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسینؒ حالی پانی پتی کا نام نامی ہندوستانی پبلک میں اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ ہر کہ ومہ آپ سے واقف اور ہر چھوٹا بڑا آپ کی پُر سوز نظموں کا دل دادہ ہے۔ مولانا نے جو کیف انگیز روح ہماری شاعری کے مردہ اور بیجان جسم میں ڈالی ہے اور اُردو نظم کو جسمیں فحش شعروں۔ ناپاک و اسوختوں۔ خرافاتِ مثنویوں۔ گندگی سے بھری ہوئی غزلوں۔ ہجر و وصال کے جھگڑوں۔ آسمان کی شکایتوں۔ رقیب کی برائیوں۔ گُل و بلبل کے تذکروں۔ کنگھی چوٹی کی داستانوں۔ عاشق کی وفاؤں۔ معشوق کی کج ادائیوں انتظار کی راتوں۔ فراق کی بے قراریوں۔ واعظوں اور ناصحوں پر صلواتوں اور پھبتیوں کے سوا بالعموم کچھ نہ تھا اور وہ نجس اور پلید شاعری جس کا دفتر بے پایاں مولانا کے اس مصرع کا مصداق ہو رہا تھا کہ "عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر" اُسے اس ادنیٰ اور ذلیل حالت سے مولانا نے جس معراجِ ترقی پر پہنچایا اور جیسے خوشنما نقش و نگار اور دلفریب پھول بوٹے اس میں بنائے ہیں اور اُسے جسقدر اخلاقی۔ ناصحانہ۔ ادبی اور فلسفیانہ سانچہ میں ڈھالا ہے وہ باخبر اصحاب سے مخفی نہیں۔ آپ ہی کی اَن تھک کوششوں اور زبردست مساعیِ جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اردو نظم کو اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کہ بفضلِ خدا اس میں ہر قسم کا پاکیزہ لٹریچر مہیا ہے جس میں

روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ الہیات کے مسایل اس میں طے کئے جاتے ہیں۔ کتب مقدسہ الہامیہ کے تراجم اس میں کئے جاتے ہیں۔ حدیثوں کا مطلب اس میں بیان کیا جاتا ہے۔ بزرگانِ دین کے ملفوظات اس میں لکھے جاتے ہیں۔ اخلاقی مضامین اس میں پائے جاتے ہیں۔ اصلاحی امور اس میں بتائے جاتے ہیں۔ تاریخی واقعات اس میں تحریر کئے جاتے ہیں۔ ادبی جواہر ریزے اس میں چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سائنٹفک اور علمی مسئلے اس میں قلم بند کئے جاتے ہیں۔ غرض ہر قسم کی مفید دلچسپ اور کار آمد معلومات کو نظم کا لباس پہنایا جا رہا ہے یہ سب کچھ تو ہے مگر تحت الثریٰ میں گری ہوئی اور بلا مبالغہ نجاست کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہماری شاعری کو پاک و مطہر بنا کر اعلیٰ درجہ کی بلندی تک پہنچانے کا سہرا کس کے سر ہے؟ اگر آپ ادیبوں کی ایک محفل میں یہ سوال کریں تو در و دیوار تک سے یہی صدا آئے گی کہ "حالی کے"۔ "حالی کے"۔

اخلاقی اور ناصحانہ نظم کا جس قدر بیش بہا ذخیرہ حالی نے یادگار چھوڑا ہے (اور جس سے قبل ازیں ہماری نظم گویا بالکل تہی دست تھی) وہ ہمارے اس دعوی کی ایک زبردست اور روشن دلیل ہے۔ نصیحت کی باتیں عموماً کڑوی۔ کسیلی اور ناگوار طبع ہوا کرتی ہیں۔ دیکھ لو اس قسم کی کتابوں کو کتب فروشوں کی الماریوں میں کیڑے کھا رہے ہیں اور کوئی انہیں دھیلے کو نہیں پوچھتا۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ مگر حالی نے انہیں کڑوی باتوں کو ایسے مفرح اور لذیذ شہد میں تبدیل کر دیا کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ گئے اور یہی وجہ تھی کہ حالی کی نظم شہرت کے پر لگا کر اڑی اور دیکھتے دیکھتے سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ کوئی بچہ نہ رہا جس کی زبان پر حالی کے اشعار نہ ہوں کوئی جوان نہ رہا جس نے مزے لے لے کر حالی کی نظمیں نہ پڑھی ہوں۔ کوئی بوڑھا نہ رہا جس نے حالی کا کلام نہ سنا ہو۔ طبلے سارنگی پر وہ گایا گیا۔ حال و قال کی محفلوں میں وہ پڑھا گیا۔ مسجد کے ممبروں پر وہ سنایا گیا۔ قومی جلسوں کی وہ زینت رہا۔ سیاسی اجتماعوں میں اس کا ذکر آتا رہا۔ مذہبی تصانیف میں وہ نقل کیا گیا۔ طلبا کے کورس میں وہ داخل کیا گیا۔ غرض ملک کے طول اور عرض میں جس ذوق و شوق اور دلچسپی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا اور جتنی بے انتہا شہرت اسے حاصل ہوئی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اخلاق۔ اصلاح معاشرت اور پند و موعظت کے جو مہکتے ہوئے پھول اس ہمدرد قوم ناصح کے منہ سے جھڑے وہ دنیائے

شاعری میں اپنی مست و بیخود کر دینے والی مہک سے فضائے عالم کو ہمیشہ معطر کرتے رہیں گے ایک دنیا ان سے فیضیاب اور ایک عالم ان سے مستفید ہوگا۔

حالی کے کلام کی شہرت صرف وطن ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ نہایت جلد مولانا کی زندگی ہی میں ہندوستان سے نکل کر سمندروں کو طے کرتی ہوئی فرانس اور انگلستان تک پہنچ چکی تھی اور ادھر پہاڑوں کو عبور کر کے افغانستان اور اس سے گذر کر ایران تک کے پڑھے لکھے اشخاص حالی کے نام سے روشناس ہو چکے تھے۔ خود ان کے اپنے وطن میں متعدد زبانوں میں ان کی لاثانی اور اثر انگیز نظموں کے تراجم نہایت اہتمام اور نفاست کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ اُنکے تمام مطبوعہ کلام پر تفصیلی ریویو اور تبصرہ کرنے کی توخود اس زبان میں جس میں وہ کلام موجود ہے ابتک کسی کو توفیق نہیں ملی لیکن ہندی میں یہ کام اب سے بہت پہلے ہو چکا ہے۔ ان کی مشہور و معروف نظم "بیوہ کی مناجات" نہ معلوم کس درد دل کے ساتھ اور کیسی نیک ساعت میں لکھی گئی تھی کہ اب تک دس سے زیادہ زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں اور ان کا سلسلہ ابھی تک بند نہیں ہوا۔ خود اردو میں ان کے کلام کی مقبولیت اس درجہ بڑھی کہ غالباً کوئی کتب فروش نہیں جس نے حالی کی نظمیں فروخت نہ کی ہوں اور کوئی مطبع نہیں جس نے حالی کا کچھ نہ کچھ کلام نہ چھاپا ہو ایک ایک نظم اور ایک ایک کتاب کے بیسیوں اڈیشن شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔

ان کی مسدس جتنی مرتبہ ملک کے مختلف مطابع سے چھپ کر شائع ہوئی وہ اس اثر اور جوش میں ڈوبی ہوئی عدیم النظیر نظم کی حد سے بڑھی ہوئی مقبولیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ ایک سے ایک اعلیٰ اور نئی نئی وضع و طرح کے بہت سے نفیس اور خوبصورت اڈیشن مسدس کے شائع ہو چکے ہیں اور ایک ایک وضع کا اڈیشن دس دس اور پندرہ پندرہ مرتبہ شائع ہو کر دیکھتے دیکھتے ختم ہو چکا ہے۔ مطابع والوں نے اس کی بدولت سیکڑوں روپئے حاصل کئے اور کتب فروشوں نے اس سے ہزاروں کمائے۔ وہ حالانکہ ۱۸۷۹ء میں تصنیف کی گئی تھی اور اس کے بعد کی سیکڑوں تصانیف آج دنیا کو بالکل فراموش ہو چکی ہیں۔ لیکن مسدس کی اشاعت ہر دلعزیزی اور مقبولیت میں ہرگز کوئی کمی نہیں آئی۔ آج بھی وہ ہر کتب فروش کی دوکان کی اُسی طرح زینت ہے جیسے آج سے قبل گذشتہ چالیس برس کے زمانہ میں رہی ہے۔ بلکہ جوں جوں زمانہ گذرتا جائیگا یقین ہے کہ اس کی اشاعت اور قبولیت بڑھتی جائیگی۔

وَقِسْ علیٰ ہٰذا۔ تمام کلیات کی چار جلدیں ہیں۔ ہر ایک جلد متعدد حصص پر منقسم ہے اور ایک حصہ میں تمام ایک ہی قسم کی نظمیں ہیں۔ تدوینِ کتاب کے وقت یہی ترتیب کچھ بھلی معلوم ہوئی ورنہ ترتیب کی بعض اور صورتیں بھی ذہن میں تھیں۔

کلیات کا مسودہ میں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ ایک ایک شعر کا متعدد نسخوں سے مقابلہ کر لیا ہے تب لکھا ہے۔ کتاب کی کاپیاں مطبع سے آئیں تو ایک چھوڑ تین تین مرتبہ اُن کا بغور مطالعہ کر کے غلطیوں کو درست کیا۔ غرض حتی الامکان غلطی کا امکان نہیں رہنے دیا۔ اتنے "کثیر وہم" کے بعد بھی اگر پیشِ نظر صفحات میں کوئی ایک آدھ غلطی رہ گئی ہو تو ناظرین سمجھ لیں کہ مزید احتیاط میرے اختیار سے باہر تھی۔

دیباچہ ختم ہو گیا۔ اب اصل کتاب شروع کرتا ہوں۔ خُدا حسنِ قبول روزی کرے اور اس کو مسدس کی سی بلکہ اس سے بھی دہ چند قبولیت نصیب ہو۔ از جملہ جہاں آمین باد۔

خاکسار

محمد اسمٰعیل از پانی پت

جنوری ۱۹۲۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حصہ اوّل

قطعات

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اک دانا نے | کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
"دیکھو ان میں جتنے ہیں خط | کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی ؟ جو بے ہاتھ لگائے | دے یونہیں چھوٹے خط کو بڑھا"

ایک نے جتنے خط تھے بڑے | اُٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
جب نہ رہا وہاں پیشِ نظر | خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اُٹھا کر آنکھ جدھر | تھا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا

کل کی ہے یارو بات کہ تھی | قوم میں باقی جان ذرا
قوم میں جیسا حال ہے اب | آدمیوں کا کال نہ تھا
تھے موجود ادیبوں میں | اخطل و اعشیٰ کے ہمتا

منشیوں میں ایسے تھے بہت — جن پہ کہ نازاں تھی انشا

شعر میں تھے استاد اکثر — سحر بیاں اور نکتہ سرا

لے گئی ان کو آخر کار — بحر فنا کی موج بہا

اہل ہنر کا نام و نشاں — قوم میں جب باقی نہ رہا

حالی و زید و عمر نے — صاحب دیوان نام خدا

اب چاہو - استاد گنو — یا ہمیں سمجھو تم یکتا

ہم ہیں وہی ناچیز مگر — کبّرنا موت الکبرا [۱]

شعر سے خطاب

اے شعر دلفریب نہ ہو تو - تو غم نہیں — پر تجھ پہ حیف ہے - جو نہ ہو دل گداز تو

صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام — ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو

جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں — تحسین روزگار سے ہے بے نیاز تو

حسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہان کو — آپ کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو

تو نے کیا ہے بحر حقیقت کو موج خیز — دھوکے کا غرق کرکے رہیگا جہاز تو

وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری — قبلہ ہوا اب ادھر تو نہ کیجو نماز تو

اہل نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز — جو بے بصر ہیں ان سے نہ رکھ ساز باز تو

تاک اوپری ہوا سے تری گر چڑھائیں لوگ — معذور جان ان کو جو ہے چارہ ساز تو

چپ چاپ اپنے پیچ سے کئے جا دلوں میں گھر — اونچا ابھی نہ کر علم امتیاز تو

جو نابلد ہیں ان کو بتا چور بن کے راہ [۲] — گر چاہتا ہے خضر کی عمر دراز تو

---

[۱] یعنی بڑے آدمیوں کی موت نے ہمیں بڑا کر دیا ۱۲

[۲] بلد واقف راہ اور نابلد ناواقف راہ ۱۲

عزت کا بھید ملک کی خدمت میں ہے چھپا — محمود جان آپ کو گر ہے ایاز تو
اے شعر راہِ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا — اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
کرنی ہے فتح گر نئی دنیا تو لے نکل — بڑوں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
ہوتی ہے سچ کی قدر۔ پہ بیقدریوں کے بعد — اسکے خلاف ہو تو سمجھ اسکو شاذ تو
جو قدرداں ہو اپنا اُسے مغتنم سمجھ — حالی کو تجھ پہ ناز ہے گر اس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریعانِ جوانی کی بہار آخر۔ حیف — طبع رنگیں تھی مے عشق کی جب متوالی
اپنی رُوداد تھی۔ جو عشق کا کرتے تھے بیاں — جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
اب۔ کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی نہ امنگ — سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھئے تو کیا لکھئے غزل میں آخر — نہ رہی چیز وہ مضمون سوجھانے والی

آپ بیتی نہ ہو جو ہے وہ کہانی بے لطف — گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زباں ٹکسالی
ہاں مگر کیجئے کچھ عشق کا غیروں سے بیاں — لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچئے وصلِ صنم کی کبھی فرضی تصویر — کیجئے دردِ جدائی کی کبھی نقالی
تا کہ بھڑکائے جوانوں کے دل آتش کی طرح — وہ ہوا جس سے دماغ اپنا ہوا ہے خالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل — "قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی"

نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں — جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجئے
کیجئے تصنیف اور تالیف میں سعی بلیغ — اسمیں ایک اپنا پسینا اور لہو کر دیجئے
دیجئے معنی کے نظم و نثر میں دریا بہا — اور سخن کی داد ہر پیر و جواں سے لیجئے

اور نہ ہو گر شعر دانشا کی لیاقت آپ میں　　شاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجیے"

بے تمیزی ابنائے زمان

از رہِ فخر آبگینہ سے یہ ہیرے نے کہا　　"ہو وجود اے مبتذل تیرا برابر اور عدم
جنس تیری کس میرس اور قدر و قیمت تیری ہیچ　　تیرے پانے کی خوشی کچھ اور نہ گم ہونیکا غم
دے سکے دہوکا تو اگر الماس بنجائے تو کیا　　امتحاں کے وقت کھلجاتا ہے سب تیرا بھرم"

مسکرا کر آبگینہ نے یہ ہیرے سے کہا　　"گو کہ ہے رتبہ ترا مجھ سے بڑا اے محترم
مجھ میں اور تجھ میں مگر کرسکتے ہیں جو امتیاز　　ہیں مبصر ایسے اس بازار نا پرساں میں کم
تیرے جوہر کو نہیں موجود اپنی ذات میں　　تجھ سے اے الماس لیکن اچھے پڑ رہتے ہیں ہم"

ایک خود پسند امیر زادہ کی تضحیک

کہتے ہیں اک امیر زادہ کو　　تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیرزادوں میں　　لازمی ہیں۔ وہ اسمیں بھی سب تھیں
گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی　　اس پہ تھا خود پسند اور خود بیں
کچھ نہ تھا۔ پر سمجھتا تھا سب کچھ　　علم تیر و کماں میں اپنے تئیں
واہ واہ سنتے سنتے یاروں کی　　ہوگیا تھا ہنر کا اپنے یقیں

الغرض ایک روز صحرا میں　　جب کہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف　　کر رہے تھے خوشامدی تحسیں
آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال　　وجہ تحسین ہوئی نہ ذہن نشیں
تیر جتنے کمان سے چھوٹے　　پائے سب بے اصول و بے آئین
جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا　　تیر۔ آماجگہ کے کوئی قریں

ایک جاتا تھا چھٹ کے سوئے شمال ایک جاتا تھا بھٹ کے سوئے یمین
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی رکھ کے بالائے طاق سب تمکین
خاک تودے پہ جا کے ہو بیٹھا لوگ کرتے رہے چنان وچنین
ناوک انداز بولا چلا کر "کوئی تجھ کو جنوں ہوا ہے مسکین
یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جان حزین"
عرض کی "چارہ کیا ہے اسکے سوا جب کہ جائے گریز ہو نہ کہین
زد سے ان بے پناہ تیروں کی کہیں جاں دار کو اماں ہنین
مجھ کو ہر پھر کے شش جہت میں حضور امن کی اک جگہ ملی ہے یہین

موجودہ پولیٹکل اسپیچ

اے بزم سفیران دول کے سخن آرا ہر خورد و کلاں تیری فصاحت پہ فدا ہی
یہ سچ ہی کہ جادو ہی بیاں میں ترے لیکن کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہی
ظاہر ہو نہ غصہ میں بیاں سے تری رنجش نہ لطف میں کچھ طرز بیاں اس سی جدا ہی
ہے دلمیں نہاں ایک شکایات کا طومار اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہی
جو صلح کی باتیں ہیں وہ ہیں شہد سے شیریں اور جنگ میں کچھ لطف سخن اُس سی سوا ہی
گر سوچئے تو سیکڑوں پہلو ہیں معرض کے اور سنئے تو زنجیروں سے ہر قول بندھا ہی
دل کی تری ہوتی نہیں معلوم کوئی بات گونگا ہنیں۔ گویا ہنیں۔ کیا جانئے کیا ہی
کھلتا ہنیں کچھ اسکے سوا تیرے بیاں سے اک مرغ ہی خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہی

تھے لب پئے اظہار پہ اب آ کے کھلا یہ
"انسان کو اخفا کے لئے نطق ملا ہے"

....

بدی کرکے نیک نامی کی توقع رکھنی

نامنصف و بے رحم تھا ایک ضلع کا حاکم
برتاؤ سے نالاں تھی بہت جس کے رعیت
جب دورہ کو اُٹھتا تھا تو دیہات میں جاکر
تھا پوچھتا ایک ایک سے ازراہِ شرارت
"ہیں پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہمیں کیسا؟
کرتے ہیں ہماری وہ ستایش کہ مذمت"؟
تھی اُس کی مثال ایسی کہ اک شخصِ بدآواز
جس کو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت
گاتا تھا کھڑا ہوکے اور آواز کے پیچھے
ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
ہو تا کہ یہ معلوم کہ ہے دُور سے میری
آواز خوش آیند و یا قابلِ نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا "زینت و اسباب پہ جو لوگ — اتراتے ہیں۔ اک آنکھ سبھی وہ نہیں بھاتے"
حالی نے کہا "جن کو ہے اترانے سے نفرت — اِتراکے وہ اسطرح نہیں ناک چڑھاتے"

سیّد احمد خاں کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں — بعض کے نزدیک توحید اسکی حدِ تام ہے

ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ مردود قول
جو ہیں قائل اسکے اُن پر کفر کا الزام ہے

کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہے اُس رحمت کو عام
جس سے غیر از اہل قبلہ جو ہے وہ ناکام ہے

بعض کہتے ہیں کہ "شر سے تیرے سب ایمن رہیں
بس مسلمانی و دینداری اسی کا نام ہے"

پر یہ حد بھی جامع و مانع نہیں عند العقول
کہتے ہیں "اسلام جو سمجھے اُسے وہ خام ہے"

ایمنی کا مستحق ہے خاص کر اپنا گروہ
اور سب کا لفظ یار و اغیار سب کو عام ہے

بعض کہتے ہیں "شعار اسلامیوں کا ہے لباس
جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے"

بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ
حصر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے

مذہب[۱] منصور ہے لیکن بیاں کرنا ضرور
جو مُسلّم آج کل نزدیکِ خاص و عام ہے

اہلِ حلّ و عقد ہیں اب متفق اس رائے پر
"سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے"

قرض لے کر حج کو جانے کی ضرورت

قریب موسم حج - قرض لے کے اک دیندار
چلا بہ نیتِ حج - گھر سے سوئے بیت اللہ

کہا یہ اُس سے اک آزاد نے کہ "اے حضرت
کیا ہے آپ پہ شارع نے جبر یا اکراہ؟

کہ قرض لے کے چلے ہیں حضور سوئے حجاز
وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحالِ تباہ

نہ نان و نفقۂ فرزند و زن سے خاطر جمع
نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ"

سُنا یہ - اور بہت ترش ہو کے فرمایا
کہ "روکتا ہے مسلمان کو حج سے اے گمراہ

وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے
نگین و خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ

خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے مہمانوں کی؟
پہونچتے جو کہ ہیں طے کر کے بر و بحر کی راہ

جنھیں فراغت و تنگی میں ہے اسی سے اُمید
جنھیں سلامت و آفت میں ہے اسی کی پناہ"

---

[۱] اقوالِ مختلفہ میں سے جو قول راجح ہو اُسکو "مذہب منصور" کہتے ہیں ۱۲ حالی

وہ سن کے بولا کہ "ناخواندہ میہمانوں کو
امید لطف کی رکھنی ہے بیزباں سے گناہ

ذلیل ہوتے ہیں جو بن بلائے جاتے ہیں
طفیلیوں کی نہیں دعوتوں میں عزت و جاہ"

یہ سن کے شیخ نے دیکھا ادھر ادھر کہ کہیں
ہو مدعی نہ تجسس میں یاں کوئی ہمراہ

بلا کے پاس پھر آہستہ اس سے فرمایا
"ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ

قدم پہونچتے جہانتک ہیں پختہ کاروں کے
جوانِ خام کی وانتک نہیں پہونچتی نگاہ

خدا کے حکم ہیں مبنی تمام حکمت پر
فتوح جنمیں ہے دنیا و دیں کی خاطر خواہ

نماز و روزہ ہو۔ یا ہو طواف و عمرہ و حج
حصول جیسے کہ ہوتا ہے ان سے قرب الٰہ

اسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں تمام
نہ جنمیں چاہیئے محنت نہ کوشش جانکاہ

مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے۔ ورنہ
ہزاروں پھرتے ہیں محتاج سادہ لوح تباہ

یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردا
وگرنہ علمِ معیشت وسیع ہے واللہ"

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا۔ "حاصل ہے آزادی جنھیں
قدرداں ان سے بہت بڑھکر ہیں آزادی کے ہم

ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں
قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہو اتنی ہے کم

عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں سوا
بینوا کو ہے زیادہ قدرِ دینار و درم

تعرف الاشیاء بالاضداد[ف] ہے قولِ حکیم
دے گا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم"

ف یعنی ہر ایک چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے ۱۲

سُن کے اک آزاد نے یہ لاف چپکے سے کہا
"ہے لے سقر۔ موری کے کیڑے کے لئے باغِ ارم"

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہیں ہو آزاد ہو جاتا ہے جب لیتا ہے سانس
یاں غلام آکر۔ کرامت ہے یہ انگلستان کی
اس کی سرحد میں غلاموں نے جونہیں رکھا قدم
اور کٹ کر پاؤں سے ایک اک کے بیڑی گر پڑی"

قلب ماہیت میں انگلستان ہو گر کیمیا
کم نہیں کچھ قلب ماہیت میں ہندوستان بھی
آکر آزاد۔ یاں۔ آزاد رہ سکتا نہیں
وہ رہے ہو کر غلام۔ اسکی ہوا جن کو لگی

سیّد احمد خاں کی مخالفت کی وجہ

سیّد احمد خاں کے اک مُنکر سے یہ پوچھا کہ "آپ
کس لئے سیّد سے صاف اے حضرتِ والا نہیں ؟
کافر و ملحد ہمیشہ اس کو ٹھیراتے ہیں آپ
ثابت اسلام اُسکا۔ نزدیک آپکے گویا نہیں
آپ بھی (نامِ خدا) ہیں تارکِ صوم و صلوٰۃ
اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
خود نبوت پرستے ہیں ہم نے ارادآپ کے

لے یعنی جسطرح موری کے کیڑے کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا اسی طرح جو قومیں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آئی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں ۱۲

اور الوہیت سے بھی دل جیح حضرت کا نہیں
چشم بد دور آپ کا بھی جب کہ ہے مشرب وسیع
پھر یہ سیّد پر تبرّا آپ کو زیبا نہیں"
سن کے فرمایا "اگر ہو پوچھتے انصاف سے
بات یہ ہے۔ سن لو صاحب تمّتی کچھ پرہ نہیں
رنج کچھ اسکا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا ہے کیوں؟
بلکہ ساری کوفت ہے اسکی کہ میں ویسا نہیں"

قحط اہل اللہ

کل خانقاہ میں تھی حالت عجیب طاری
جو تھا سو چشم پرنم۔ اپنا تھا یا پرایا
"دنیا سے اٹھ گئے سب جو تھے مرید صادق"
یہ کہہ کے شیخ کا دل بیساختہ بھر آیا
ہمنے کہا "مریدی باقی رہی نہ پیری"
یہ کہکے ہم بھی رُوئے اور اسکو بھی رُلایا

نوکروں پر سخت گیری کرنیکا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکروں پر سخت گیر
درگذر تھی اور نہ ساتھ انکے رعایت تھی کہیں
بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کی معاف
کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئیں
حسنِ خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار
ذکر کیا نکلے جو چھوٹے منھ سے اُسکے آفریں
پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اس سے دوچار
نتھنے پھولے۔ منھ چڑھا۔ ماتھے پہ بل ابرو پہ چین
تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لئے کوئی فتوح

آگے ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امین
رہتا تھا اک شرائط نامہ ہر نوکر کے پاس
فرض جسمیں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعین
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار
زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبین
حکم ہوتا تھا "شرائط نامہ دکھلاؤ ہمیں
تاکہ یہ درخواست دیکھیں واجبی ہے یا نہیں"
واں سوا تنخواہ کے۔ تھا جس کا آقا ذمہ دار
تھیں کریں جتنی وہ ساری نوکروں کے ذمہ تھیں
دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لاجواب
تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مارِ آستیں
ایک دن آقا تھا اک منہ زور گھوڑے پر سوار
تھک گئے جب ور کرتے کرتے دستِ نازنیں
دفعتہً قابو سے باہر ہو کے بھاگا راہوار
اور گرا اسوار صدرِ زیں سے بالائے زمین
کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤں سے لیکن رکاب
کی نظر سائیں کی جانب۔ کہ ہو اگر معین
تھا مگر سائیں ایسا سنگ دل اور بیوفا
دیکھتا تھا اور رس سے مس ہوتا تھا لعین
دور ہی سے تھا اُسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا
"دیکھ لو سرکار اسمیں شرط یہ لکھی نہیں"

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی رائے — اسی پر ہے جہاں کا اتفاق اب
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم، — زبان جسکی ہو ایک اور نسل و مذہب
مگر وسعت اسے بعضوں نے دی ہے — نہیں جو رائے میں اپنی مذبذب
وہ نیشن کہتے ہیں اُس بھیڑ کو بھی — کہ جس میں وحدتیں مفقود ہوں سب
زباں اِس کی نہ ہو مفہوم اُس کو — ہوں آدم تک جُدا سب کے جدّ و آب
جو واحد لاشریک اُس کا خدا ہو — تو لاکھوں اُس کے ہوں معبود اور رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گذرا کہیں میلا کچیلا اک غلام — اُسکے میلے پن پہ لوگوں نے ملامت اُسکو کی
عرض کی "ایک ایک رواں ہو جس بدن کا مِلکِ غیر — اختیار اسکی صفائی کا نہیں (غلام) رکھتے رہی"
جو ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال — عذر میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں یہی
کیونکہ جسم آدمی میں پیشِ اہلِ معرفت — کوئی چیز اُسکی نہیں سب ہے امانت گور کی

دِلّی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی کے کہا از رہِ الطاف — "کرتے ہیں پسند اہلِ زباں اُس کے سخن کو"
چند اہلِ زباں جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا — بولے کہ "نہیں جانتے تم شعر کے فن کو
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہو اہلِ زباں سے — ہو چھو نہ گئی غیر زباں اُس کے دہن کو
معلوم ہے حالی کا جو ہے مولد و منشا — اردو سے بھلا واسطہ حضرت کے وطن کو
اردو کے دھنی وہ ہیں جو دلّی کے ہیں روڑے — پنجاب کو مَس اِس سے، نہ پورب دکن کو"

بُلبُل ہی کو معلوم ہیں اسرار چمن کے ، کیا علمِ گُلشن کی خبر زاغ و زغن کو

حالی کی زباں گر بمثلِ شہد لبن ہو خالص نہ ہو تو کیجیے کیا لے کے لبن کو

ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نافہ پہونچے گا نہ وہ نافۂ آہوئے ختن کو

مانا کہ ہے بیساختہ پن اُس کے بیاں میں کیا پھونکئے اِس ساختہ بیساختہ پن کو

یہ دوست نے حالی کے سُنی جبکہ تعلّی حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو

کچھ شعر تھے یاد اُنکے پڑھے اور یہ پُوچھا "کیوں صاحبو! عزت اسی اُردو ہی کے فن کو

سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو

حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو"

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیّت کے زمانہ میں یہ تھی رسمِ عرب کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیدا دُختر

سنگدل باپ اُسے گود سے لیکر ماں کی گاڑ دیتا تھا زمیں میں کہیں زندہ جا کر

رسم اب بھی یہی دنیا میں ہے جاری۔ لیکن جو کہ اندھے ہیں ہے کہ نہیں کچھ انکو خبر

لوگ بیٹی کے لئے ڈھونڈتے ہیں جب ہوتا سب سے اوّل اُنھیں ہوتا ہے یہ منظورِ نظر

ایسے گھر بیاہیے بیٹی کو جو ہو آسُودہ اور مہ و مہر سے جو ذات میں ہو افضل تر[1]

جانے پہچانے ہوں سمدھیانہ کی سارے زن و مرد اُن کے معلوم ہوں عادات و خصائل یکسر

ایک ہی شہر میں ہوں دونوں گھر انکے آباد دونوں نزدیک قرابت میں ہوں باہمدگر

جیتے جی مر گئی بس اُن کی طرف سے گویا جا کے پردیس میں بیٹی کو دیا بیاہ اگر

چھان بین اسکی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہو پر نہیں دیکھتا ہے کوئی کہ کیسا ہو بر

بدمزاجی ہو۔ جہالت ہو۔ کہ ہو بدچلنی کچھ بُرائی نہیں۔ ڈھونڈتا ہو داماد اگر

لہ [1] یعنی ذات کا اصل اور شریف ۔۱۲

وہی ناشدنی رِیت ہی جس کے کارن بکریاں بھیڑوں کے پاتی ہیں پیوند اکثر
جاہلیت میں تو تھی اک یہی آفت کہ وہاں گاڑ دیجاتی تھی بس خاک میں تنہا دختر
ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی زندہ در گور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر
اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام جاہلیت سے کہیں ہے وہ زمانہ بدتر

سیّد احمد خاں کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی
وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا
لیکن نہ اس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
اخبار بھی نکال کے قسمت آزمائی کی
تدبیر یہ بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی
روزی کی خاطر اس نے کئے سیکڑوں جتن
پر کی کہیں نصیب نے اس کے نہ یاوری
راہِ طلب میں جب ہوئی سرگشتگی بہت
اک خضرِ پے خجستہ نے کی آکے رہبری
جھک کر کہا یہ کان میں اسکے کہ دو آج کل
سنتا ہوں چھپ رہی ہے تصانیفِ احمدی
جا۔ اور لفظ لفظ کو اس کے چھیڑ کر
تردید اس کی چھاپ دے جو ہو بُری بھلی
پھر دیکھنا کہ راس وچپ دگر دو پیش سے

لگتی ہے کیسی آ کے زر و سیم کی جھڑی"
دُنیا طلب کو چاہیئے ابلہ فریب ہو
دُنیا پہ جب تلک کہ مسلط ہے الہی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے اے خداپرست — دلمیں کہیں نشان نہیں تیرے یقین کا
جی میں ترے ہزاروں گذرتے ہیں وسوسے — ہوتی نہیں قبول تری ایک اگر دعا
تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بُت پرست — جسکا یقین ہے تیرے یقین سے کہیں سوا
وہ مانگتا بتوں سے مرادیں ہے عمر بھر — گو حاجت اُسکی اُن سے ہوئی ہے نہ ہو روا
آتا نہیں یقین میں اسکے کبھی قصور — اُمید اُس کی روز فزوں ہے اور التجا
تو بندہ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہ ہے — وہ ہے کہ یہ ہے بندگی؟ اے بندہ خدا

استفادہ

لیجئے بھیک دوڑ کر۔ گر ہے گداگری کا یہ؛ — جس سے ملے جہاں ملے جو ملے اور جب ملے
ہے یہی اصل اکتساب۔ "ہو جیے سب سے مستفید" — رزق ملے۔ یا سزا ملے۔ درس ملے۔ ادب ملے

لایق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں

قول ایک حکیم کا ہے کہ وہ گر غور کیجئے — ہے حق میں سب کے دوست سے دشمن مفید تر
اوّل تو سوجھتا ہی نہیں عیب دوست کو — اور سوجھتا ہے تو نہیں لاتا زبان پر

پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب — سو سو طرح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
دشمن سے بڑھ کے کوئی نہیں آدمی کا دوست — منظور اپنے حال کی اصلاح ہو اگر
اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بدسگال — رکھتا ہے جو کہ دوست کے عیب اُس سے مستتر

گو قول ہے متین پہ جو تھی سخن کی تہ — افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ واں نظر
دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید — عیب انکے دوست کیوں نہ جتا ئینگے بے خطر
اور جو کہ دوست سے نہیں سُن سکتے اپنے عیب — وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہونگے بہرہ ور
جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یاں — موقوف عبرت انکی نہ دشمن نہ دوست پر

سخن سازی

ہے مردِ سخن ساز بھی دُنیا میں عجب چیز — پاؤگے کسی فن میں کہیں بند نہ اُس کو
موجود سخنگو ہوں جہاں واں ہیں طبیب آپ — اور جاتے ہیں بن آپ طبیبوں میں سخنگو
دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو آپ ہیں سب کچھ — پر ہیچ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دونو

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت سے کہا — "گھیر لی عقل صواب اندیش کی سب تو نے جائے"
ہنس کے عادت نے کہا "گیا عقل ہے مجھ سے الگ — میں ہی بنجاتی ہوں تا داں رفتہ رفتہ عقل ور آئے"

شعرا کو سلطنت میں دخل دینا

سُنتے ہیں یہ اک مدبر کی ہے رائے — "چاہیے گر رونق علم زباں

۵۱ عبرت و اعتبار نصیحت حاصل کرنا ۱۲۰

شاعروں کو سلطنت کا کیجے رکن — جیسا اُسکی سب کتابوں میں ہے عیاں"

رائے صائب ہی نہ ٹھہرا اور متین — گر گیا اس کا نہیں کچھ امتحان

شعروانشا کو تو ہو شاید فروغ — ہے بہت کم پر خلاف اسکے گمان

سلطنت کا پر خدا حافظ ہے جب — شاعروں کے ہاتھ ہو اسکی عنان

اور جو وہ شاعر ہیں ہندوستان کے — شعروانشا کو بھی ہے خوف زیان

ایک پر انہیں سے چل سکتا نہیں — دوسرے کا جادوئے حسن بیان

ایک جب چلنے نہ دیگا ایک کی — پھر ترقی شعروانشا کی کہاں؟

لوگ کسی کی خوبیاں سُن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے کہ اُس کے عیب سُنکر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ ممنون حالی
اس قدر خوبیوں کے اپنے نہیں شکر گذار
لوگ جب عیب ہمارا کوئی سُن پاتے ہیں
گو کہ کرتے ہیں تاسف کا بہ ظاہر اظہار
پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو جیسے اُن کو کمال
گر نصیبوں سے وہ افواہ غلط پائے قرار
اور جو ہو گوش زد اُن کے کوئی خوبی اپنی
خوش تو پڑتی ہے بنانی انھیں صورت ناچار
دل میں ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم اُنکے
کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زنہار
للہ الحمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا

نفس میں اپنے ہے سامان بہت کچھ تیار

شائستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال
انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا

مدت تک اسکی جب یہی دیکھی گئی روش
پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب ہے کیا

بولا کہ "عادت اسلئے کی ہے یہ اختیار
چھٹ جائے تا کہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا

پہلے جو بھاگوانوں سے ملتی تھی روز بھیک
آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا

پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پر مدار
منت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا

امید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت
گر چند روز اور رہا۔ ان سے سابقہ"

آیا جواب سن کے یہ اس کا بہت پسند،
کی آفرین اور اس سے مخاطب نے یوں کہا

"منٹو ہیں جو کہ ملک میں تعلیم یافتہ
حق میں ترے مفید ہیں یہ انسے بھی سوا

انگریز اگرچہ ہندیوں کے حق میں ہیں بخیل
اہل وطن پہ ان کی مگر جان ہے فدا

پر۔ جو کہ دیسیوں میں ہیں تعلیم یافتہ
دل بھائیوں پہ بھی نہیں انکا پسیجتا

انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور
جلتے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا

اہل غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ
شائستگی کا زہر ہے جب سے انھیں چڑھا"

اسراف

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا
"کب تک اے نادان یہ حب مال و زر

تو۔ جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ
ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر"؟

ہنس کے ممسک نے کہا "اے سادہ لوح
زر لٹانا رائگاں اور اس قدر

آج ہی گویا (بنصیب دشمناں)
آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر"

پاسِ نیک نامی

اے نیک نام شکر کرا للہ کا ادا
جس نے بنایا نیک تجھے کر کے نیک نام

ہوتا اگر نہ پاس تجھے نام نیک کا
پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام

حاشا کہ تجھ کو خوف خدا کا ہو اسقدر
جتنا کہ خوفِ طعنہ و تشنیعِ خاص و عام

غرورِ نیک نامی

گئی ہے حد سے گذر شیخ کی نکو نامی
گمانِ بد کبھی اُس کی طرف نہیں جاتا

جو اُس کے عیب قسم سے بیاں کرے کوئی
خود اُس کو عیب کا اپنے یقیں نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا مڈیکل امتحان

دو ملازم - ایک کالا اور گورا دوسرا
دوسرا پیدل - مگر پہلا سوار راہوار

تھے سول سرجن کی کوٹھی کیطرف دونو رواں
کیونکہ بیماری کی رخصت کی تھے دونوں خواستگار

راہ میں دونوں کی باہم ہوگئی کچھ ہشت مشت
کوکھ میں کالے کی اک مُکا دیا گورے نے مار

صدمہ پہنچا جس سے تلی کو بہت مسکین کی
آکے گھوڑے سے لیا سائیس نے اُسکو اُتار

ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی
چوٹ کے صدمے سے غش کالے کو آیا چندبار

آخرش کوٹھی پہ پہنچے جاکے دونو پیش و پس
ضارب اپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوار

ڈاکٹر نے آکے دونوں کی سُنی جب سرگذشت
تہ کو جا پہونچا سخن کی سُن کے قصہ ایک بار

دی سند گورے کو لکھ - تھی جسمیں تصدیقِ مرض
اور یہ لکھا تھا کہ "سائل ہے بہت زار و نزار

یعنی اک کالا نہ جس گورے کے مُکے سے مرے
کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار"

اور کہا کالے سے "تمکو مل نہیں سکتی سند
کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو نطا ہر جا نذار"

ایک کالا پیٹ کے جو گورے سے تو قزا اگر بنجائے — آئے بابا اس کی بیماری کا کیونکر اعتبار"

خودستائی

اے دل! بشر وہ کون ہے جو خودستا نہیں — پر خودستائیوں کے ہیں عنواں جُدا جُدا

جو زیور ہنر سے معرّا ہیں سادہ لوح — کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی برملا

جو ان سے تیز ہوش ہیں سو سو طرح سے وہ — پردوں میں کرتے ہیں اسی مضمون کو ادا

کہتا ہے ایک کیسی حماقت ہوئی ہے آج — کمبل تھا ایک گھر میں سو سائل کو دیدیا

کہتا ہے دوسرا کہ گیا ہو کے منفعل — سائل کی ڈب میں میں نے دیا مال جب دکھا

پردہ میں زیرکی کے چھپاتا ہے بخل یہ — اور بن کے بیوقوف جتاتا ہے وہ سخا

کچھ - اسلئے کہ ہم بھی انھیں میں سے ہوں شمار — اہل وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں ثنا

کچھ - اسلئے کہ اپنا ہو انصاف آشکار — کرتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص جا بجا

کہتا ہے ایک - لاکھ نہ مانے بُرا کوئی — ہے عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا

کہتا ہے ایک - گر ہے خوشامد کا اور ہی — پر چاہتے آدمی کو ہیں کہہ کے کہ ہم بُرا

دھوکا ہنر کا دے کے چھپاتا ہے عیب یہ — اور منہ سے دُرد کہہ کے دکھاتا ہے وہ صفا

چپ چاپ سُن رہا ہے کوئی اپنی خوبیاں — یعنی کہ یہ بیان ہے سب راست اور بجا

کہتا ہے اس پہ کوئی کہ سب حسن ظن ہے یہ — اک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا

قانع ہے وہ انھیں پہ ہوئے وصف جو بیاں — اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا

کہتا ہے زید - عمرو ہے شدت سے سادہ لوح — گنتا ہے سب کو نیک وہ - اچھا ہو یا بُرا

کہتا ہے عمرو - زید بھی کتنا ہے عیب بیں — بد جو کہ نیک - اُسکی زباں سے نہیں بچا

یہ اُس کا اور وہ اسکا بیاں کر کے کوئی عیب — ہر اک ہے اپنی بڑائی نکالتا

غنیمت - اُمید ہے کہ نہ ہوتی جہان میں — ہوتا اگر یہ خاک کا پُتلا نہ خودستا

حالی جو تیرے کھول رہے ہیں جہان کے
شاید کہ اس سے آپ کا ہوگا یہ مدعا
یعنی کہ لاکھ پردوں میں کوئی چھپائے عیب
اپنی نظر سے وہ نہیں سکتا کبھی چھپا
القصہ جسکو دیکھیے جاہل ہو یا حکیم
آزار میں خودی کے ہے بیچارہ مبتلا

حملۂ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس دوں ہمارے بس میں ہے
گر کبھی حملہ پہ اس کے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی
جن کو نادانی سے حملے اسکے ٹھہراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دئیے سب عقل نے ہتیار ڈال
زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم میں افلاس ہو اس میں بخل اتنا بدنما نہیں جتنا اسراف

حالی سے کہا ہنس کے کہ ہے اس کا سبب کیا
جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور
جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
اسراف بھی مذموم ہے پر بخل سے کمتر
ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت

حالی نے کہا رو کے نہ پوچھو سبب اسکا
یاروں کے لئے ہے یہ بیاں موجب رقت
کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اسوقت
جب قوم میں افراط تھی دولت و ثروت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تونگر
پھر اسمیں نہیں بخل سے بدتر کوئی خصلت
اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ اقبال
گھر گھر پہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت

ترغیب سخاوت کی ہو اب قوم کو ایسی پرواز کی ہو چیونٹوں کو جیسے ہدایت

رؤسائے عہد کی فیاضی

کی رئیسِ شہر کی تعریف یاروں نے بہت
بر سبیلِ تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا،
بولے آج اس کا نہیں مہماں نوازی میں نظیر
عاملانِ شہر مدعو اس کے رہتے ہیں سدا
ضلع کے حکام کا ادنےٰ اشارہ چاہیئے
پھر کوئی دیکھے سخاوت اُسکی اور بذل و عطا
یادگاریں جتنی ہیں اعیانِ دولت کی بنیں
اُنمیں صرف اسکی رقم ہو سب کے چندی سے سوا
پالکی یا دگینٹ ہے جو سواری اُسکے پاس
اہلکاروں کے لیئے ہر وقت بے چون و چرا
کیا کلکٹر کیا کمشنر کیا سپاہی کیا عسس
اُس کی ہمّت کے ہیں سب مدّاح بے رُو و ریا"

جب یہ دیکھا مدح کا دفتر نہیں ہوتا تمام
جوڑ کر ہاتھ۔ اُن سے حالی نے بصد منّت کہا
عیب بھی اُس کا کوئی آخر کرو یارو بیاں
سُنتے سُنتے خوبیاں جی اپنا متلانے لگا"

ایمان کی تعریف

فقیہہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف
تو دی چراغ سے اسکو بہ آب و تاب مثال
کہا "فتیلہ اقرار باللساں ہے ضرور
یہاں ہو آتش تصدیق و روغن اعمال"
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل[۱]
نہیں ضرور فتیلہ کا جس میں استعمال"

برکت اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہے جنمیں ملاپ
دولت و بخت ہے ہر حال میں اُنکے ہمراہ
نہ انھیں حاجت اعوان۔ نہ تلاش انصار
نہ انھیں خوف بداندیش۔ نہ بیم بدخواہ
پھر۔ نہیں رابطہ جس قوم میں اور یکجہتی
اسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ اُن کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل
نہ مفید اُن کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ"

ایک مُلّا نے سنا جب یہ سخن۔ فرمایا
تکیہ اور اس قدر۔ اسباب یہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں
دست قدرت کے ہیں سب بانتہ سفید اور سیاہ
واں نہ ملت کی ضرورت ہے۔ نہ کچھ پھوٹ کا ڈر
پڑ گئی فضل کی مولا کے جدھر ایک نگاہ"

کہا آزاد نے سچ ہے کہ "وہ دی ساتھ اگر
کر دیں افراد پراگندہ۔ جماعت کو تباہ
پر یہ بھی خوب ہے اللہ کی عادت معلوم
اسکو جب دیکھا ہے۔ دیکھا ہے جتھوں کے ہمراہ

بُعد صوری مانع قرب معنوی نہیں ہے

حالی نے جو رہنے کے لئے شہر میں اک گھر

---

[۱] یعنی کروسین آئل جو بغیر بتی کے بھی جل سکتا ہے۔ گویا مجیب کے نزدیک اقرار باللسان ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہے ۱۲۔

چا اپنے محلہ سے کہیں دور بنایا
جب اہل محلہ سے چلا ہو کے وہ رخصت
دل درد جدائی سے عزیزوں کا بھر آیا
ہمسایہ و احباب لگے کرنے سب افسوس
اک دوست شکایت سے سخن لب پہ یہ لایا
"بلی - کہ جسے عقل ہی دم دیتی ہے گھر پہ
اتنی بھی محبت تمہیں گھر سے نہیں آیا؟"
حالی نے کہا "انس ہے چیز اور - وفا اور
بلی نے مزا پھل کا وفا کے نہیں پایا
اس مہر و وفا کی نہیں بلی پہ بڑی چھینٹ
کتے نے ہے جس کا کہ سبق ہم کو پڑھایا
ہم عشق ہیں مکینوں پہ وہ عاشق ہے مکاں کی
گھر بھول گئے ہم تو نہیں تم کو بھلایا
گھر دل میں ہو یاروں کا تو پھر گھر ہے برابر
مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں لبایا"

ناصح مخلص اور اہل غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفر صادق رض سے عرض کی
کرتے رہیں گر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ
فرمایا "ہوتے ہیں تری صحبت میں جو شریک
اور جن سے ہے امید نصیحت وہ بالیقین

"محتاج ہے ہمیشہ سے ناصح کا ہر بشر
ہوتا رہوں گا پند سے حضرت کی بہرہ ور"
لائیں گے وہ نہ حرف نصیحت زبان پر
صحبت میں بیٹھنے سے کرینگے تری حذر

خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خدّام مامون کے بہت گستاخ تھے
ایک دن خادم کی گستاخی پہ مامون نے کہا
"کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت
پیش خدمت اُسکے بد اخلاق ہوتے ہیں سدا"

پر جو سچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوخ چشم
ہے دلیل اسکی کہ ہے خود خُلق آقا کا بُرا
کھو دیا ہیبت کو اپنی جس نے اور تمکین کو
اُس نے گویا ڈھا دیا رُکن رکیں اخلاق کا

خوشامد کرنیکی ضرورت

مُتوکّل کا تیر چڑیا پر
ہو گیا اتفاق سے جو خطا
ابن حمدون ندیم تھا حاضر
کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا
"جن کو خلق خدا پہ شفقت ہو
خوں بہانا نہیں وہ رکھتے روا
جا نہ سکتی تھی بچ کے تیر سے وہ
تو نے دی قصداً اسکی جان بچا"

ابن حمدون نے کی یہ دانائی
کہ خوشامد سے یوں اُسے تھپکا
دُور تھا ورنہ کیا خلیفہ سے
ہو کے اپنی خطا سے کھسیانا
جائے کنجشک ابن حمدون پر
تیر کا اپنے امتحان کرتا
ابن حمدون کی جان گو جاتی
دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا

رعیّت پر نا اہل کو مسلط کرنا

ہارون نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اسکے
"فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
وہ خطّہ ملعون تھا یہی جس کی بدولت
تھا دل میں خدائی کا خیال اُس کے سمایا
میں بھی اُسے اُس باغی طاغی کے علی الرغم
اک بندۂ بیقدر کو بخشوں گا خدایا"

کہتے ہیں خصیب ایک غلامِ حبشی تھا
جس پر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا

کی سلطنتِ مصر کی باگ اُسکے حوالے
نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا

باڑی گئی بہ ایک برس نیل کی رو میں
یہ حادثہ آ۔ اُس کو کسانوں نے سنایا

فرمایا کہ دو روئی کی جگہ بوتے اگر اُون
ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اُٹھایا"

ہارون نہ سمجھا کہ ودیعت ہے خدا کی
محکوم ہے جو میری رعایا و برایا

فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا
اپنے کو خدا۔ جس نے ہر عالم کو بنایا

جو کھوں میں نہ یوں ڈالتا مخلوق کو اپنی
اک سفلۂ ناکس کی بنا اُس کو دعایا،

رشک

ظاہرا مردوں کی طینت میں نہیں رشک اسقدر
ہے طبیعت میں وہ جتنا عورتوں کی جاگزین

ایک شہزادی۔ کہ اکلوتی تھی جو ماں باپ کی
تختِ شاہی پر ہوئی بعد از پدر مسند نشین

سلطنت میں اُسکی۔ تھا مردوں کو کُلّی اختیار
عورتیں اصلا دخیل اُس کی حکومت میں نہیں

مرد ہی تھے اُسکے محرم۔ مرد ہی اُس کے مشیر
تھا نہ عورت کا پتہ دربار میں اُسکے کہیں

تخلیہ میں ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم
ہنس کے فرمایا کہ "اے دولت کے ارکانِ رکین

مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس میں
بلکہ ہے اُنس اسلئے تم سے کہ تم عورت نہیں"

بات کی حسنِ بیاں سے اس نے دی صورت بدل
"تاکہ کوئی سوءِ ظن اس پر نہ کر بیٹھے کہیں
ورنہ یوں کہتی کہ ہے عورت کی سیرت سے مجھے
اس لئے نفرت کہ ہے مردوں کی صورت دلنشیں"

قانون

کہتے ہیں ہر فردِ انساں پر ہے فرض
ماننا قانون کا بعد از خدا
پر جو سچ پوچھو۔ نہیں قانون میں
جان کچھ مکڑی کے جالے سے سوا
اس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں
اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا
پر اسے دیتے ہیں توڑ اک آن میں
جو سکت رکھتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ
اور نظر میں زورمندوں کی ہے لا
LAW

شادی قبل از وقتِ بلوغ

"جب تک نہ شاہزادہ اٹھارہ سال کا ہو
تختِ پدر پہ اس کو ممنوع ہے بٹھانا"
قانون ہے بنایا یہ ان مقننوں نے
عالم میں آجکل جو مانے ہوئے ہیں دانا
لیکن کریں نہ اسکی قبل از بلوغ شادی
کہتے ہیں وہ "عبث ہے قانون یہ بنانا"
نزدیک ان کے گویا برغم عقل و دانش
ہے کنگڈم سے آساں میڈم کو بس میں لانا

حرص

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ
"قدرِ قلیل ہے سب مال و منالِ دنیا"
گویا کہ حرص اسکی اس سے بجھی نہیں ہے
ہے جسقدر فراہم پاس اسکے مالِ دنیا

امرا اور عقلا

جاتے ہیں اگر پاس امیروں کے خردمند
وہ جانتے ہیں جو کہ ہے جانے کی ضرورت

پر اپنی ضرورت سے خبردار نہیں ہیں
ملتے عقلا سے نہیں صاحب ثروت

بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطبا
بیمار کو کچھ اس سے سوا انکی ہے حاجت

عصمت بی بی از بے چادری

اے بینوا اِترانتے ہو کیا منعموں پہ تم
اخلاق میں کچھ ان کے اگر آگیا بگاڑ

تم زد سے نفس کی ہو جبھی تک بچے ہوئے
ہو جب تلک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ

اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش
گر تم کو ہوں نصیب تو دنیا کو دو اُجاڑ

سچ کہاں ہے؟

دیکھنے ہوں تمہیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے

سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں
سچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہے انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر تھوپنا

کھوٹ کاریگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہے کام
اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا

افسروں کا بھی یہی شیوہ ہے وقت باز پرس

اپنے ماتحتوں کے سر دیتے ہیں تھوپ اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آ آکے جو لوگ — تمہاری ہر دم اے اربابِ دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم — وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک — نہیں اُنمیں سے تم میں ایک خصلت

تدبیر قیامِ سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح — وہاں پاؤں جمانے کے لئے تفرقہ ڈالو
اور عقل خلاف اُس کے تھی یہ مشورہ دیتی — یہ حرفِ سبک بھول کے مُنہ سے نہ نکالو
پر۔ رائے نے فرمایا کہ "جو کہتی ہے تدبیر — مانو اُسے۔ اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن — جو بات سبک ہو اُسے مُنہ سے نہ نکالو"

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پُوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر — مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی بُری گت
لیکن بخلاف اس کے ہے عورت کا جہاں راج — واں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت؟
فرمایا کہ "ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار — قبضہ میں ہے واں عورتوں کے دولت و ثروت
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسرِ شاہی — سمجھو کہ ہے اس ملک میں مردونکی حکومت"

مغرور کی پہچان

غرور زید کی کرتا ہے گر شکایت عمرو — تو سمجھو۔ کرتا ہے اپنے غرور کا اظہار

جنھوں نے آپ کو سب سے سمجھ لیا ہے بڑا
بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زنہار

کام اچھا کرنا چاہیئے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے
اُس میں کی تاخیر اس نے جبقدر اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا - یہ پُوچھتا کوئی نہیں
بلکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا؟

گدائے مبرم

ایک برہمن مورتی کے سامنے باصد نیاز
مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دُعا بیٹھا کہیں
آن نکلا بانوا اک مانگتا کھاتا ادہر
دیکھ محویت برہمن کی گیا بس جم وہیں
جی میں آیا چھیڑ کر قائل برہمن کو کرے
تا کہ پُوچھے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شرمگیں
مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا
بانوا بولا کہ ہے "تو بھی عجب کوتاہ بیں،
مورتی کچھ تجکو دے گی اور نہ دسکتی ہے وہ
ناحق اتنی التجائیں اس کے آگے تو نے کیں"
ہنس کے برہم نے کہا "ہے مانگنا بندہ کا کام
دے نہ دے وہ - اس سے کچھ مطلب نہیں اپنے تئیں
ہم نہیں دیتے ڈھئی تم جیسے ڈھیٹوں کی طرح
ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پاؤں پھیلاتے نہیں"

بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو ۔۔۔ ذرا دھت اپنے سنو کان دھر کے
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز ۔۔۔ جدھر ڈھل گئے۔ ہو رہے بس ادھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت ۔۔۔ تو چیخ اٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے
جو مجرے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک ۔۔۔ کہ اٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے
اگر پل پڑے چوسر اور گنجفہ پر ۔۔۔ تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جانو ۔۔۔ کہ بس ٹھن گئے عزم جنگ تتر کے
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پہ ۔۔۔ تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے
جو ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو ۔۔۔ کہ چھوڑیں گے اب آپ دوزخ کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی ۔۔۔ رہیں یاد لوگوں کے ہوش جسمیں خبر کے
جو کھانا تو بیجا جو پینا تو اَت گت ۔۔۔ غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے[۵١]

طبیب اپنے بیماروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے؟

بشر کے صدمہ سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال ۔۔۔ کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار
یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے ۔۔۔ تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول ۔۔۔ جو چل بسے کوئی اُنکے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ چھپ جائیگی خطا ہم پر ۔۔۔ کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

---

۵١ یعنی پیٹ بھر کے احمق۔ احمق کا لفظ اکثر اس مقام پر حذف کر دیتے ہیں گویا مخاطب کے سوا کسی پر اس کی حماقت ظاہر کرنا نہیں چاہتے ١٢

اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی — پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا
ہوتا ہے اس سے کار نمایاں کوئی اگر — کرتا ہے بار بار بیاں اسکو برملا
یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیے — ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اک جدا
پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اُس کو یاد — یاروں سے میں بیان ابھی کرچکا ہوں کیا
بھولے نہ اپنی یاد یہ انساں کو چاہیے — آخر بشر کا خاصہ ہے سہو اور خطا

فضول خرچی کا انجام

سرِ پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گدا ظریف — جہاں سے ہو کے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر
ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش — سخی ہو یا ہو کہ ممسک، غریب ہو کہ امیر
فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولتمند — کہ جسکا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ و نظیر
ہوا جو ایک دن اس راہ سے گذر اُسکا — درم اک اُس نے بھی چاہا کہ کیجیے نذر فقیر
کہا فقیر نے "گو اپنی یہ نہیں عادت — کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شعیر
پہ لوں گا آپ سے میں پانچ کم سے کم دینار — کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال پذیر
یہی اللّے تللّے رہے تو آپ کو بھی — ہماری طرح سے ہونا ہے ایک روز فقیر
سو وقت ہے یہی لینے کا خود بدولت سے — دکھائے دیکھیے پھر اسکے بعد کیا تقدیر"

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اُٹھ جائے دلیل و بحث سے
جو چلا آتا ہے باہم اہلِ مذہب میں خلاف

ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت
رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف

انسان جو اشرف المخلوقات ہی سب سے زیادہ مورد آفات ہی

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار — دو ہیں اُنمیں سے نہایت جانگزا
ایک فکر اُس آنے والے وقت کی — شک نہیں ہی جس کے آنے میں ذرا
دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی — زخم جن کا زخم ہے تلوار کا،
اور بھی حیوان ناطق کے لئے — ہیں بہت سی زحمتیں انکے سوا
پر گدھے اور اور حیوانات سب — رہتے ہیں دور۔ ان گزندوں سے سوا
کیسا ان آلام سے رہتا نچنت — اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا؟

چنڈو بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈو کے وہ تھا ہوش میں جب
پوچھا ناصح نے کہ "اس کام کا آخر انجام؟
بولا "انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام
آنکھ میں اپنے پرائے کی ٹھہرنا بیقدر
شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام
جس سے عقبیٰ ہو درست ایسا نہ بونا کوئی بیج
جس سے دُنیا میں ہو نام ایسا نہ کرنا کوئی کام
ہم پہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا

نفسِ سرکش کے اگر ہاتھ میں ہے اپنی زمام"

کہا ناصح نے کہ "انجام ہو معلوم اگر
لے نہ اس زہرِ ہلاہل کا کوئی بھول کے نام
یہ تو کہتے ہو کہ انجام بُرا ہے۔ لیکن
یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجام؟
بُرے انجام کی تب ہو گی حقیقت روشن
بُرے انجام سے جب آ کے پڑیگا خود کام
مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم
گو کہ رکھتے ہیں یقیں موت کا سب پختہ و خام

قوم کی پاسداری

اک مسلماں خاص انگریزوں پہ تھا یوں نکتہ چیں
"یاں ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر
چاہتے ہیں۔ نفع پہونچے اپنے اہلِ ملک کو
گو کہ ان کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر
کارخانہ کا یہ راجس کے کبھی چاکو نہ لیں
اُس کا ہو بے چارہ ہندی بیچنے والا اگر
خوردنی چیزیں جو یاں سے لینی پڑتی ہیں انھیں
اُن کو لندن سے منگائیں بس چلے انکا اگر
الغرض اہلِ وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
جانتے ہیں دین و ایماں اپنا۔ قصہ مختصر"

سُن کے حالی نے کہا۔ ہے حصر انگریزوں پہ کیا
ایک سے ہر ایک قوم اِس عیب میں آلودہ تر
ہیں محبت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
یہ وہ خصلت ہے کہ مجبُول اس پہ ہے طبعِ بشر
مکھیاں جیتی نگل جاتے ہیں پاسِ قوم میں
اچھّے اچھّے راستباز اور حق پسند اور دادگر
ہاں بری اس عیب سے دیکھے اِس دُنیا میں ہیں گر
چشمِ بد دُور اُمّتِ مرحوم اے جانِ پدر
اور قوموں سے انہیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز
حملہ جب کرتے ہیں یہ کرتے ہیں اپنی فوج پر
ہوگا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یاں
جس قدر ہے۔ ان سے اپنوں اور بیگانوں کو خطر"

قطعہ بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکارِ عالی۔ مرتبہ ۱۳۰۵ہجری

آسمان جاہ کی خدمت میں یہ حالی کی ہے عرض
کہ اگر میرا ہر اک رونگٹا ہو جائے زبان
شکر ممکن نہیں اسکا کہ مجھے گھر بیٹھے
اُس نے ممتاز کیا بھیج کے شاہی فرمان
نہ ہوئی مجھ سے کوئی خدمتِ سرکارِ نظام
نہ گیا میں نے کبھی طوفِ درِ صدرِ زمان"
نہ کوئی مجھ میں ہنر ایسا کہ ہو لایقِ قدر
اور نہ ایسا کوئی جوہر جو ہو قیمت میں گران
حق نہ تھا دولتِ عالی پہ کوئی حالی کا
جسکے صلہ میں وہ اِس لطف کا ہوتا شایان

ہاں مگر ذات میں ہی فیض رسانی جن کی — ڈھونڈھ لیتے ہیں کوئی حیلہ برائے احسان

ہیں مربی سبز دبے سبزی کے۔ جس طرح — خار و گل دونوں کو کرتا ہی نہال آب روان

آسمان جاہ کا اک میں ہی نہیں شکر گذار — ملک میں اسکا ثنا خواں ہی ہر اک پیر و جوان

یاں وہ اُن کھیتیوں کو دیکھے گیا ہی پانی — آنکھ اسلام کی خود جنکی طرف ہے نگران

قوم اسوقت ہے تعلیم کی جتنی محتاج — ہے وہ عالم پہ ہویدا۔ نہیں محتاج بیان

عزت۔ آسودگی اور ملت و مذہب اُن کا — ہو نہ تعلیم۔ تو ہیں سب کوئی دن کے مہمان

پھر نہ قدر اُن کی کچھ آنکھوں میں خلایق کی بلند — اور نہ وزن انکا ترازو میں حکومت کی گران

آسماں جاہ پہ برکت ہو خدا کی جس نے — درد کا جان لیا اُن کے کہ یہ ہے درمان

مدرسے قوم کے اس ملک میں جو ہیں ممتاز — جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشان

اُن کی امداد سے نواب نے کی ہے قائم — چشم عالم میں مسیحائی پہ اپنی برہان

کرتے ہیں زندۂ جاوید ہی نوع کو۔ جو — بذل کرتے ہیں پئے تربیت اہل زمان

ہے مدارس کی اعانت وہ نکوئی جس کا — ملک پر۔ قوم پہ تا دیر رہے گا احسان

یہی بخشش ہی یہی جود ہے راس الحسنات — جس پہ موقوف ہی بہبودئی نسل انسان

یہی امداد ہی جس سے ہوئیں قومیں سرسبز — یہی تدبیر ہی جس سے ہوئے ملک آبادان

یہی قوت ہی کہ ہوتے ہیں قوی جس سے ضعیف — یہی حکمت ہی کہ ہوتے ہیں سبک جس سے گران

دی لگا ایک نے پانی کی سر راہ سبیل — کی ہمیشہ کیلیے ایک نے واں نہر روان

اسکی خواہش تھی کہ ہوتے رہیں پیاسے سیراب — اُس نے چاہا کہ رہے پیاس کا باقی نہ نشان

برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں — نہر جاری سے ہے ذات انکی سوا فیض رسان

بخت اُس ملک کے جس ملک میں ایسا ہو وزیر — حامی علم و خریدار کمال انسان

اب خدا سے یہ دعا ہی کہ جہاں ہیں جب تک — شکر احسان کا کرتے رہیں بعد از احسان

آسمان جاہ سے ہو تقویت ملک دکن — اور رہے ملک دکن ملجا و ماوائے جہان

دولتِ قیصری و دولتِ آصفجاہی ایک کی ایک زمانہ میں رہے پشتیباں

تھنیتِ ولادتِ فرزندِ ارجمند درشبستانِ اقبال جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکارِ عالی

مرتبہ ۱۳۰۸ھ

فیضِ ربِّ ذوالمنن سے مژدہ اے اہلِ دکن
نائبِ دولت کا نخلِ آرزو لایا ثمر

دی بشیرِ دولت و دیں کو وہ خیر اللہ نے
جس سے پایا دیدۂ یعقوبؑ نے نورِ بصر

جسکو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہؑ نے
حق نے دی جسکے عطا ہونکی سارا کو خبر

جسکے ملنے سے ہوا داودؑ ممنونِ قضا
جسکے پانے سے ہوا ایوبؑ مرہونِ قدر

جسکے بدلے میں علی الرغم شماتت پیشگان
حق سے ختم الانبیاؐ نے پائی شبیرؑ و شبرؑ

جو بضاعت ہے گدا کی اور دولت شاہ کی
جو ہے حاصل عمر کا اور زندگانی کا ثمر

جس سے مستغنی ولی ہیں اور نہ عارف بے نیاز
جس سے ہیں اجداد زندہ اور امجد نامور

صدرِ اعظم کو دیا صد شکر خالق نے خلف
خلق کی آخر دعاؤں کا ہوا ظاہر اثر

یہ پسر یارب بحقِ عترتِ خیر الوریٰ
پائے عمرِ خضر زیرِ سایۂ مہرِ پدر

صدرِ اعظم کی طرح دربارِ آصف جاہ میں
جائیگاہِ قربِ سلطانی ہو اُس کا مستقر

دولت و ثروت کو اسکی ذات سے لگجائے شان
زیورِ علم و ادب سے ہو مجلیٰ اسقدر

سیرت و عادت میں اسکی نکلے آن اجداد کی
جوہرِ اخلاقِ فاروقی[۱] ہوں اُس میں جلوہ گر

---

[۱] اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں۔ ۱۲

ملکِ آصف جاہ میں سر آسماں جاہ اور وہ — رات دن رکھیں اُجالا صورتِ شمس و قمر

قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ھ ہجری بمقام حیدرآباد

۱۳۰۹ھ ہجری میں جو راقم اور مولینا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگان قوم آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے ہمراہ علی گڑھ محمڈن کالج کی طرف سے بطور ڈیپوٹیشن حیدرآباد دکن میں بحضور سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے اس موقع پر ایک عام جلسہ بصدارت نواب وقار الامرا بہادر بشیر باغ میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں راقم نے اور مولانا محمد شبلی اور بعض صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار عالی کے شکریہ میں پڑھی تھیں جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھ کو اور مولانا محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سننے کے لئے دولت خانہ پر طلب فرمایا تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اس وقت موزوں کیا گیا تھا راقم نے پڑھا تھا۔

(حالی)

یاں بلا کر دی ہے جو عزت ہمیں سرکار نے — اوّل اسکا شکر کرتے ہیں ادا اور بعد ازیں

خدمتِ والا میں ہے اک عرض کرنی چاہتے — عرض کرنے کی اجازت ہو اگر اپنے تئیں

شاعری جسکو سمجھتے ہیں کمال ابنائے دہر — جو لیاقت اسمیں ہے درکار وہ ہم میں نہیں

شکر کرنا تھا ہمیں سرکار عالی کا ضرور — چند نظمیں انجمن میں اس لئے ہم نے پڑھیں

گرچہ کی ہے کوشش ان نظموں کے لکھنے میں بہت — اور جگہ انگشت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں

رہ گیا پر ہے اس کوشش میں باقی اک قصور — درگذر فرمائینگے سرکار اس سے ہے یقیں

اور تو کچھ خوبیاں شاید ملیں ان میں۔ اگر
جھوٹ جو اشعار کا زیور ہے وہ انمیں نہیں

قطعہ در شکر اضافہ وظیفہ بہ پیش گاہ جناب آسمان جاہ بہادر

مرتبہ ۱۳۰۹ھ بمقام حیدرآباد

اے بشیر دولت و دین نائب شاہ دکن
اے مہمات دکن کا ذات پر تیری مدار

مجھ پہ فرمایا ہے جو لطف و کرم سرکار نے
شکر اس کا کر نہیں سکتا ادا میں زینہار

جو کہ ہوتے ہیں جہاں میں بہرہ ور مقصود سے
پہلے ہو لیتے ہیں صد یا مشکلوں سے وہ دوچار

کوئی دنیا میں نہیں ہوتی بغیر اسکے فتوح
ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار

پر ملا مقصود جب حالی کو اس در سے ملا
بے تردد - بے تذلل - بے طلب - بے انتظار

قدردانی گر زمانہ میں یونہیں ہو جائے عام
پائیں بے مانگے مرادیں اپنی سب امیدوار

یارب اس سرکار کو - ہے جس سے عالم فیضیاب
جب تلک دنیا رہے دنیا میں رکھیو برقرار

صدائے گدایانِ قوم

پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت اصحاب نے جنہوں نے اپنی جماعت کا نام گدایانِ قوم رکھا ہے ریاست بہاولپور میں چندہ وصول کرنے کے لئے جانیکا ارادہ کیا تھا۔ انکا مقصد رئیس کے حضور میں یہ اشعار پڑھنے کا تھا۔ لیکن غالباً ان کا جانا نہیں ہوا۔

(حالی)

ڈھونڈھنے خضر مبارک پے کو یاں آئے ہیں ہم
چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم

ڈر ہے جو خوشدل ہیں وہ سنکر ہوں پژمردہ دل
سخت عبرت خیز لیکر داستاں آئے ہیں ہم

ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن
لے کے اس کا مژدۂ فصلِ خزاں آئے ہیں ہم

علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد نے
آج اس در پر اسی کے نوحہ خواں آئے ہیں ہم

قوم کھو بیٹھی ہے جو عباسیوں کی یادگار
جستجو میں اس کی مشعل لے کے یاں آئے ہیں ہم

تا کہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
اسلئے ڈالے گلے میں جھولیاں آئے ہیں ہم

خود غرض ٹھہرائیں یا مکار ہمکو یا گدا
ذلتیں یہ کرکے سب خاطر نشاں آئے ہیں ہم

فخر سب بیجا ہیں اُن کے قوم ہے جنکی ذلیل
فخر و عزت کے مٹا کر سب نشاں آئے ہیں ہم

ہے بنی ہاشم کی مہماں پروری ضرب المثل
اس لئے یاں بن بلائے میہماں آئے ہیں ہم

تشنگی اپنی بجھانی ہو گی اے آبِ حیات
لے کے منہ میں قوم کی سوکھی زباں آئے ہیں ہم

لہ چونکہ رئیس بھاولپور بنی عباس میں سے ہیں اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی ہوئی تھی اس لئے یہ مضمون اس طرح ادا کیا گیا ۔۱۲

مژدہ قدوم حضور شاہزادۂ ویلز در ہندوستان

مژدہ ہو اہل مشرق اب دن پھری تمہارے
مغرب سے سوئے مشرق آیا ہی مہرِ تاباں

گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے
ہے ایسے گلہ بان پر گلہ کی جان قربان

ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہیں کم
اے معدنِ بزرگی اے خاکِ انگلستان

تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے لیکن
ہند بھی ان دونوں ہیں قسمت پہ اپنی نازان

مہماں ہی آج انکا اس شاہ کا ولی عہد
روئے زمیں کے سلطان جسکے ہوئے ہیں مہمان

آخری سہارا

(یہ اشعار ایک انگریزی نظم کا ترجمہ ہیں)

وہ دلربا امیدیں جن پر کہ تو ہے شیدا
جب دور تیرے دل سی ہو جائینگی سراپا

وہ عالم جوانی جس پر کہ تو ہے مفتون
جائیگا ٹوٹ جسدم اس کا طلسم سارا

جن دوستونکی خاطر چھوڑا ہی تو نے اسکو
تھا جو کہ تجھ کو اپنا آرام دل سمجھتا

چل دینگے جب وہ ساری ان بلبلوں کی مانند
بعد از بہار جو رخ کرتے نہیں چمن کا

جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ
کون آکے دیگا تجھ کو اسکے سوا سہارا

بے مہریوں سے تو نے جسکو کیا ہی غمگین
تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آکے لے گا

جس طرح وہ پرندہ جو فصلِ گل میں جا کر
پھر موسمِ خزاں میں آکر ہے ہم سے ملتا

....

ترغیب امداد یتیمان

(منقول از رسالہ علیگڈھ منتھلی)

یہ قطعہ مولانا نے "انجمن موید الاسلام" دہلی کے ایک جلسہ میں پڑھا تھا

(اسماعیل)

اسلام بہت دن سے یہ کرتا تھا منادی | "اے غافلو۔ اے بیخبرو۔ ہوش میں آؤ
فارغ غم اُمت سے اور اسلام کا دعویٰ | دنیا کو بس اب دین پہ اپنے نہ ہنساؤ
گو دین کی صورت ہے۔ پہ سیرت نہیں اُسکی | یہ دین ہے یا دین کا ہے سانگ۔ بتاؤ؟
مقبول نہ حج ہیں۔ نہ نمازیں ہیں نہ روزے | جبتک غم اُمت میں نہ جان اپنی گھلاؤ
دعویٰ نہیں مسموع شہادت نہ ہو جبتک | ہے دین کا دعویٰ۔ تو شہادت کوئی لاؤ
گر اپنے یتیموں کی خبر لے نہیں سکتے | تو دین سے تم قطع تعلق کرو۔ جاؤ
اعضا تو نمازوں میں بہت تم نے دُکھائے | دل کو بھی کبھی ہاتھ سے کچھ دیکے دُکھاؤ
دُنیا میں جراحت۔ یہی عقبیٰ میں ہے راحت | کل پھل کوئی کھانا ہے تو زخم آج اُٹھاؤ
یہ قوم کے بچے جو پڑے پھرتے ہیں بیکس | یہ پود ہے میری اسے دیکھو نہ گنواؤ
شیریں ہے پھل ان پودوں کا اور سایہ ہے گھن کا | سیوا کرو ان کی۔ انہیں پروان چڑھاؤ
دیکھو نہ حقارت سے پھٹے کپڑوں کو انکے | ان گدڑوں میں جو لعل کہ گم ہیں انہیں پاؤ
سنولائے ہوئے چہرو نہیں نور انکے ہے تاباں | ان کونپلوں کو مرے جلا دے کے بناؤ؟
ہیں انمیں فقیہہ۔ انہیں حکیم۔ انمیں محدث | ان کی بُری حالت پہ بُری گت پہ نہ جاؤ
جو انمیں ہیں جوہر۔ کہیں زنگ انکو نہ کھا جائے | گُن دیکھنے ہیں انکے تو زنگ انکا چھٹاؤ
افواج مخالف ہیں تاک و دو میں جسٹ اس | رند جائیں نہ یہ۔ خاک سے جلد۔ انکو اُٹھاؤ
پھرتے ہیں بہت گھات میں یہاں انکے شکاری | ان پنچھیوں کو موت کے چنگل سے بچاؤ

اے یارو یہ بے غیرتی اور دین کا دعویٰ — دیں داری کا اور دین کا بس منھ نہ چڑاؤ
امت کے یتیموں کو ہو انجیل کی تعلیم — اور اپنی تم اولاد کو قرآن پڑھاؤ
تثلیث کی رٹتے ہوئے دیکھو انہیں تلقین — اور اپنے جگر گوشوں کو توحید سکھاؤ
گرجا میں حریف انکو سکھائیں مری توہین — اور کان نہ توہین پہ تم میری ہلاؤ
جن بچوں کو بیٹوں کی طرح چاہیے رکھنا — ہاتھ آئیں تمہارے تو غلام انکو بناؤ
کھانے کی بھی۔ کپڑے کی بھی۔ لیں انکی خبر غیر — اور تم نہ کبھی بھول کے آنکھ ان سے ملاؤ
اپنا نہیں وہ جان کے گر راہ میں ٹھٹکیں — تم غیروں کی مانند گذر پاس سے جاؤ
اسلامیو! بے مہریاں آخر یہ کہاں تک — جو منھ کو تمہارے تکیں آنکھ ان سے چراؤ
بے کس نہ گنواں کو۔ یہ کنبا ہے خدا کا — تم پھیر کے منھ ان سے خدا کو نہ رٹھاؤ
عبرت کی جگہ ہو۔ ڈرو گردش سے فلک کی — اولاد کو اپنی نظر بد سے بچاؤ
بن باپ کا بنتے ہوئے لگتی نہیں کچھ دیر — غیرت کو بس اللہ کی حرکت میں نہ لاؤ
امت میں ہو تم اس کی جو امت پہ فدا تھا — لو تم بھی عزیزو! اسی امت سے لگاؤ
وہ جیسا غریبوں کا یتیموں کا تھا عاشق — تم بھی انہیں آنکھوں پہ اسی طرح بٹھاؤ
جو خلق تھا ہر بے کس و ناچار سے اس کا — اخلاق میں کچھ اس کی جھلک تم بھی دکھاؤ
کڑھتا تھا وہ جس طرح مصیبت پہ ہر اک کی — جی تم بھی مصیبت پہ یونہیں سب کی کڑھاؤ
لوٹے ہوئے دل میں یہ گذرگاہ خدا کی — ملنا ہے خدا سے تو اسی راہ سے جاؤ"

مدت سے یہ تھا دے رہا اسلام دہائی — اور کہتی تھی غفلت "نہ ادھر کان لگاؤ"
بارے سنی احباب نے اسلام کی آواز — اور مل کے کیا عہد۔ کہ "کچھ کر کے دکھاؤ"
جو نشۂ غفلت میں ہیں چور ان کو جھنجھوڑو — اور نیند کے متوالے ہیں جو۔ ان کو جگاؤ
بھولے ہوئے جو روزے نمازوں پہ ہیں اپنے — اسلام کی فریاد انہیں چل کے سناؤ

قبل اسکے کہ حج کا کریں کعبہ کے ارادہ
حج ہند میں جو اُن پہ ہے فرض۔ اُنکو جتاؤ

بن باپ کے بچوں کی ہیں ٹوٹے ہوئے جو دل
کعبہ کی طرح گرد طواف اُنکے کراؤ

امداد پہ اُن کی۔ کرد کُل قوم کو مجبور
دل دُکھتے اگر اسمیں کسی کا۔ تو دُکھاؤ

قایم کرو ایک انجمن اخوانِ صفا کی
اور بیڑا یتیموں کی حمایت کا اُٹھاؤ"

صد شکر۔ ہوئیں کوششیں احباب کی مشکور
پھل دیکھنے نیت کی ہوں گر اُنکی تو آؤ

فیاضیاں جو قوم کے غمخواروں نے کی ہیں
دیکھو انھیں۔ اور بھائیوں کو جاکے سناؤ

باقی ہیں ابھی قوم میں کچھ قوم کے غمخوار
اس شکر میں تم حمد خداوند کی گاؤ

اسوقت۔ کہ نازک ہی بہت قوم پہ یہ وقت
جو قوم کا غمخوار ہو خیر اُس کی مناؤ

ہی چار طرف قوم میں اب نفسی ہی نفسی
لو اُس کے قدم۔ خود غرضی جس میں نہ پاؤ

رحمت ہی خدا کی۔ یہ عزیزوں کی جماعت
پر۔ اس کی خوشی میں ابھی بغلیں نہ بجاؤ

دے قوم سہارا تو یہ ہے نوح کی کشتی"
پر قوم نہ کھیوے تو یہ کاغذ کی ہے ناؤ

سرچشمہ سی ہوتی نہیں پانی کی جب آمد
دم بھر میں اتر جاتا ہے دریا کا چڑھاؤ

جوتی ہے یہ۔ یاروں نے بھروسہ پہ تمہارے
کیونکر چلے؟ جب تم ہی یہ گاڑی نہ چلاؤ

ہیں قوم کی غفلت نے بہت کھیل بگاڑے
تم اُسکے جہاں چاہو نشاں دیکھ لو جاؤ

یاروں کو ابھی کام بہت کرنے ہیں باقی
دو اُن کو مدد کام میں اور ہاتھ بٹاؤ

مجلس کہیں جی چھوڑ نہ دے۔ ہو گئی ہراساں
اس ناؤ کو جس طرح بنے پار لنگھاؤ

دو چار کے۔ دس پانچ کے بس کا نہیں یہ کام
سر جوڑ کے اس کام میں سب زور لگاؤ

گو کام ہے دشوار۔ پہ مردوں کو ہے آسان
کرنا ہے اگر اس کام کو پورا۔ کئے جاؤ

شہر حیدر آباد

پانی دیتا ہے کوئی - پود لگاتا ہے کوئی
پھول چنتا ہے کوئی آکے - کوئی برگ و ثمر

آکے کرتا ہے چمن میں - کوئی آئین بندی
تاکہ ہو سیر چمن سے نہ کبھی سیر نظر

کرتے ہیں "علم نباتات" کی بعضے تحقیق
تاکہ تحقیق سے ہو انکی - فزوں علم بشر

الغرض باغ میں ہیں وارد و صادر جتنے
ایک سے ایک کی ہیں مختلف اغراض - مگر

صحن گلشن میں کسی کام کو آئے کوئی
جائے گا بوئے ریاحیں سے معطر ہو کر

حیدر آباد بھی اک باغ ہے ماشاء اللہ
ہے جہاں فیض کا دروازہ کشادہ سب پر

تہنیتِ مسند نشینی حضور نظام

(منقول از روزنامہ "زمیندار" جلد ۲ نمبر ۳۵ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۱۱ء)

سنہ ۱۹۱۱ء میں جب اعلیٰحضرت نظام الملک آصفجاہ ہفتم میر عثمان علیخاں بہادر خلد اللہ ملکہٗ تخت نشین ہوئے تو روزنامہ "زمیندار" لاہور نے اس موقع پر اپنا ایک خاص نمبر شایع کیا تھا اور اس کے لئے مولٰنا سے بھی ایک نظم حضور نظام کی مسند نشینی کے متعلق لکھنے کی فرمایش کی تھی جواباً مولانا نے یہ قطعہ لکھ بھیجا تھا۔ (اسماعیل)

فلک مرتبت میر عثمان علیخاں ۔۔۔ مبارک تمھیں مسندِ شہریاری
مبارک اب وجہ کی تم کو خلافت ۔۔۔ مبارک دکن کی تمھیں تاجداری
مبارک تمھیں ملک کی گلہ بانی ۔۔۔ مبارک رعیت کی خدمت گزاری
مبارک ہو تم کو وہ دشوار منزل ۔۔۔ جہاں چپہ چپہ پہ ہے ذمہ داری
مبارک وہ منصب کہ جن کو ملا وہ ۔۔۔ ہوا چین رخصت فراغت سدھاری
مبارک بزرگوں کی میراث تم کو ۔۔۔ جنھوں نے کہ جھیلیں ہیں گڑیاں ساری
ارادوں سے جرأت سے ہمت سے جنکی ۔۔۔ زمانے نے ہے بارہا شرط ہاری
ہوئے ہیں جن کی تاریخ رنگیں ۔۔۔ زبانوں پہ ہے ذکرِ خیر انکا جاری
ادا کر گئے وہ تو اپنے فرایض ۔۔۔ ہے اب آپ کے عہدِ دولت کی باری
اب انکی جگہ آپ کو ہے اٹھانا ۔۔۔ خدا کی امانت کا یہ بوجھ بھاری
جو بے بس ہیں دینا ہے انکو سہارا ۔۔۔ جو بے یار ہیں انکی کرنی ہے یاری
نکمے ہیں جو ۔ ان کو کامی بنانا ۔۔۔ بڑھانا دل انکا جو ہیں کار یاری
جگانا انہیں نیند کے جو ہیں ماتے ۔۔۔ بڑھانا انہیں علم سے جو ہیں عاری
جو زردار ہیں انکی ہے پاسبانی ۔۔۔ جو نادار ہیں ان کی حاجت براری

جو سرزدہ ہیں اُن کی ہو گوشمالی — جو مظلوم ہیں اُنکی ہے غمگساری
بڑوں نے تھا عہد وفا جسے باندھا — سدا کرتی اس عہد کی پاسداری
سمجھنا ہر اک قوم و ملت کو یکساں — کہ خصلت ہے یہ زیبِ شہریاری
مبارک یہ بارِ گراں تم کو شاہا — اُٹھانے سے ہیں جسکے افلاک عاری
بہت مشکلوں کا ہے گو سامنا یہاں — کہ بہتوں نے یہاں آکے ہمت ہے ہاری
مگر مشکلیں ہیں یہ سب انکو آساں — پڑی جنکی گھٹی میں ہے ملکداری
پلے جو ہیں آغوش میں سلطنت کی — سیاست ہے جنکی رگ و پے میں ساری
یہ اُمید ہے آصفِ ہفتمیں سے — ریاست کی حل مشکلیں ہونگی ساری
رہے گا اسی طرح جیسے رہا ہے — دکن پر سدا سایۂ فضلِ باری
دُعا گوئے دیرینہ ناچیز حالی — کہ مدحت گری کے ہنر سے ہے عاری
دُعا کے سوا کچھ نہیں پاس اُسکے — ادا جس سے ہو فرضِ مدحت نگاری
الٰہی طفیل اُسکا۔ پھیلائی جس نے — خلائق میں توحید و پرہیز گاری
منادی نے تعلیم سے جسکی آکر — زمانے کی بگڑی ہوئی کل سنواری
طفیل اُسکا فرمانروائے دکن کی — حکومت کو ہے غیب سے استواری

رہے رہتی دُنیا تلک وہ سلامت
بہ اقبال و فیروزی و کامگاری

حاضرین کانفرنس سے خطاب

اے خاصگانِ ملت و اے یارانِ قوم | اے زمرۂ معارف و اے طبقۂ کرام
بندہ ہی بہتری کی ہمیں دیکھ کر اُمید | ورنہ دلوں پہ چھائی ہیں مایوسیاں تمام
تم آکے مردہ قوم میں دیتے ہو جان ڈال | ورنہ تمام اس کا بس اب ہوچکا ہی کام
قومی خوشی کے ہیں یہی گویا کہ چار دن | پھر سال بھر وہی غم و اندوہ صبح و شام
جس جوش میں کہ آتے ہو یاں دور دور سے | گر سال بھر رہے یونہیں اس جوش کو قیام
پھر جائیں دن یقین ہے بہت جلد قوم کے | پا جائیں جلد قوم کے سب زخم التیام
دعوے یہ حبِ قوم کے سب بے دلیل ہیں | جبتک نہ کرکے ہاتھ سے دکھلاؤ کوئی کام
میلا نہ سمجھو۔ قومی جلسہ ہے دوستو! | آنا ہے دل لگی کی غرض سے یہاں حرام
سیّد کو دو سہارا کہ غفلت سے قوم کی | ابتک پڑے ہیں کام بہت اُسکے ناتمام
سر اپنے دھر لیا ہے اُسے ایک فرد نے | ہے بار دو چھ کروڑ کے کرنے کا جو کہ کام
انصاف سے بعید ہے ساتھ اُسکا چھوڑنا | گھلتا تمہاری فکر میں ہے جو کہ صبح و شام
خواہش ہے جسکی یہ کہ ہو دُنیا میں تم عزیز | جو چاہتا ہے یہ کہ رہو تم بہ احترام
عزت تمہاری دیکھ کے بڑھتا ہے جسکا خون | جو تم کو شاد دیکھ کے ہوتا ہے شادکام
خدمت میں قوم کی جسے کافر لقب ملا | پشتی میں پایا دین کی بے دین جس نے نام
پر سر سے اُسکے قوم کا سودا نہ کم ہوا | سب کچھ سُنا۔ پہ کام کا چھوڑا نہ التزام
بڑھتا گیا دم اُسکا۔ ہوئی جسقدر لتاڑ | کوڑے تھے حق میں اُسکے وہ سب طعنہ و ملام
ہے ایک چراغ آخرِ شب ٹمٹما رہا | یہ بجھ گیا تو بزم ہے تاریک پھر تمام
ایسا نہو نہ جبکہ ہو آنکھوں کے سامنے | پھر حیف ہے کہ ہو نہ سکے تم سے کوئی کام
کرنا ہے کچھ تو کرلو۔ کہ باقی ہے وقت ابھی | پھر آگے دانت پیسنے کے دن ہیں و السلام

قوم کی طرف سے حضور نظام کا شکریہ

یہ اک میدان[۱] تھا سنسان وحشت جس پہ تھی چھائی
نہ سایہ تھا درختوں کا نہ پانی کی رسائی

کہیں ہوتا اگر کوئی - تو یاں کوئی مکاں یا تو
پڑے تھے کچھ کھنڈر جن پر جمی تھی جا بجا کائی

خبر کس کو تھی برپا ہوگا اک دار العلوم اس جا
زمیں پر جس کو حیرت سے تکے گا چرخِ مینائی

جسے دیکھیں گے اعیانِ ملوک آ کر تمنا سے
جہاں آفاق سے سیکھیں گے آ کر - علم و دانائی

یہ تھی امید کس کو؟ پر خدا نے اپنی قدرت کا
دیا جلوہ دکھا - ہے جس کا اک عالم تماشائی

نہ تھی خود قوم راضی اور مخالف اک زمانہ تھا
گھٹا مایوسیوں کی بانیوں کے دل پہ تھی چھائی

مگر سید کے استقلال نے منوا دیا سب کو
کہ پربت ہو تو استقلال سے ہو جاتا ہے رائی

رعیت نے مدد کی سلطنت نے سرپرستی کی
بہت جلد اپنی نادانی سے آخر قوم پچھتائی

مگر سچ پوچھئے تو قالبِ بے روح تھا کالج
نہ کی ہوتی اگر سرکارِ عالی نے مسیحائی

جب آئی پیش مشکل جب پڑا کالج پہ وقت آ کر
مدد پر کی مدد - امداد پر امداد فرمائی

رہے گا قوم میں تعلیم کا باقی نشاں جب تک
رہیں گے شکرِ آصف جاہ میں رطب اللساں تب تک

۱؎ یعنی وہ قطعہ زمین جس پر اب علی گڑھ کالج کی شاندار عمارتیں بنی ہوئی ہیں ۔۲۔ اسماعیل

علی گڑھ کالج کیا سکھاتا ہے؟

یہ کالج قوم کو آپ اپنے بل چلنا سکھاتا ہے ۔۔۔ سہارا غیر کا چھوڑیں یہ ایک ایک کو سمجھاتا ہے
نہ چھوڑیں دین کا دامن رہیں دنیا میں عزت سے ۔۔۔ سبق سب قوم کے بچوں کو یہ دونو پڑھاتا ہے
نہیں پاتا کبھی عزت کی خواہش سے کوئی عزت ۔۔۔ معزز کس طرح بنتے ہیں؟ گر اُسکے بتاتا ہے
خدا نے دیا ہے حکمراں جس قوم کو ہم پر ۔۔۔ خلوص اور دوستی اُس قوم کی دل میں بٹھاتا ہے
رعیت کو برابر حق دئیے ہیں جو حکومت نے ۔۔۔ طلب سے پہلے اُن کا مستحق بننا بتاتا ہے
زمانہ قوم نے غفلت میں جو پہلے گزارا ہے ۔۔۔ ڈراونی صورتیں بار بار اُسکو دکھاتا ہے
یہ باہم مذہبی فرقوں کو ہے شیر و شکر کرتا ۔۔۔ یہ رُوٹھوں کو مناتا ہے یہ بچھڑوں کو ملاتا ہے
کھلاتا ہے یہ کھانا ایک دسترخوان پر سب کو ۔۔۔ نمازیں پنجگانہ ایک مسجد میں پڑھاتا ہے
دفا کا بیج بوتا ہے تعصب دل سے کھوتا ہے ۔۔۔ مسلمانوں کو گڈ سبجکٹ[1] بننا یہ سکھاتا ہے

نہ چھوڑے گا یہ باقی قوم میں بیکھ گا جو خامی
خدا کی برکتیں اُن پر جو اس کالج کے ہیں حامی

شکریہ مسٹر برڈور

مسٹر برڈور کرنال میں سپرنٹنڈنٹ پولس تھے۔ نیک بھی تھے اور خوش اخلاق بھی۔ کرنال سے تبدیلی کے وقت منشی عبدالمجید صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولس نے مولانا سے یہ نظم لکھوا کر مسٹر موصوف کے حضور میں پڑھی تھی۔ (اسماعیل)

سچ ہے کیا نہ شکرِ بشر جس نے آشکار ۔۔۔ اُس نے کیا نہ شکرِ خداوندِ کردگار
ہم شکر کس زبان سے کریں آپکا ادا ۔۔۔ احسان ہم پہ آپ کے ہیں خارج از شمار

[1] گڈ سبجکٹ (GOOD SUBJECT.) یعنی اچھی رعایا ۱۱ (اسماعیل)

یہاں حکومت آپ نے دس سال جس طرح — بھولیں گے وہ کبھی نہ سپاہی نہ عہدہ دار

بیسویں صدی کے یہ دس آخری برس — اس ضلع میں رہیں گے ہمیشہ کو یادگار

ہے اسے قلق بہت جدائی کا آپ کی — ذکر ہیں مضطرب۔ تو رعیت ہے بیقرار

تھی آرزو کہ لگے رہیں قدموں سے آپ کے — پورا ہو جب تلک کہ یہ انفاس کا شمار

لیکن خوشی کے ساتھ۔ یہ غم بھی لگا ہوا — دُکھ جیسے سُکھ کے ساتھ ہے اور گُل کے ساتھ خار

پہنچی وہ گھڑی کہ ہم آئے حضور میں — آج آخری سلام کو باچشمِ اشکبار

اس وقت کہ جو دل پہ ہے حالت گذر رہی — لفظوں میں عرض ہو نہیں سکتی وہ زینہار

ہے حق سے یہ دُعا کہ بھلائی کا تخم یہاں — جو بو چلے ہیں آپ۔ وہ ہو نخلِ باردار

حضور نے جس طرح کہ خلائق کو خوش رکھا

خالق اسے بھی رکھے سدا شاد و کامگار

مسٹر ماریسن کی روانگی ولایت

مسٹر تھیوڈور ماریسن ۱۸۸۹ء میں علی گڑھ کالج کے سٹاف میں شامل ہوئے تھے۔ دس سال کے بعد ۱۸۹۹ء میں مسٹر بیک کے انتقال پر پرنسپل ہو گئے۔ بہ حیثیت پروفیسر اور بحالت پرنسپل انہوں نے مسلمانوں کی جو تعلیمی خدمات انجام دی ہیں وہ علیگڑھ کالج کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ ۱۹۰۵ء میں جب موصوف اپنی بعض خانگی ضروریات کیلئے مستعفی ہو کر ولایت تشریف لے جانے لگے تو ایک الوداعی پارٹی میں مولانا نے یہ نظم پڑھی تھی۔ (اسماعیل)

ہم سے چھٹتے ہیں جدا اب آنریبل ماریسن — چھینتا ہے ان کو ہم سے جذبۂ حُبِّ وطن

سایہ اپنا سر سے کالج کے اُٹھاتے ہیں وہ — جن کے سر پر تھے ہُما کی طرح وہ سایہ فگن

تھی نہ کالج کے ہوا خواہوں کو یہ ہرگز امید — چھوڑ جائیں گے وہ یوں پھولا پھلا اپنا چمن

کیا خبر تھی ہمکو یہ پاؤ گے آپ اپنا جدا [illegible] یہیں — بھول جائیں گے انہیں پرنسپل کے سارے چمن

چھوڑ کر بیٹر اسکول الہ آباد [illegible] — راہ لی تم نے سمندر پار کی سنکے مارسن

کٹے پوری کر کے آٹھوں [illegible] محنت وکوشش — وہ جو ہیں مشہور [illegible] نیکی [illegible]"

چاہیے تھا دیکھتے اپنے چمن کی اب بہار — جس کی تم نے سینچی ہے تاک شیرازی سے تا کہن

پرورش میں تمنے جس بیچے کی کاٹے بیس سال — دیکھنی تھی اب تمہیں اسکی جوانی کی پھبن

تمنے باندھی تھی کمر جس قوم کی تعلیم پر — شاد ہوتے دیکھکر ان میں کمال علم وفن

پر لگاتے اور ہیں یہاں پود پھل کھاتے ہیں اور — نوع انساں میں چلی آتی ہے یہ رسم کہن

ہے تمہاری جانشینوں کے لئے اب راہ صاف — کٹ گئیں اس راہ میں تھیں منزلیں جتنی کٹھن

تمنے کی کالج کی خدمت جس خلوص وصدق سے — بس یہی خدمت تمہارا ہے صلہ اے مارسن

ہے صلہ نیکی کا خود نیکی - کہ دلسوزی کا اجر — شمع نے بھر پایا روشن ہوگئی جب انجمن

گو کہ یہاں تعلیم کا بویا تھا سر سید نے بیج — پر پھلا پھولا تمہاری سعی سے اسکا چمن

جیسے پھیلایا مقدس پال نے دین مسیح — تمنے اور بک نے یونہیں پھیلایا سید کا مشن

تمنے سر سید کی جو اصلاح میں حصہ لیا — قوم کی سنت ادا کی ہے یہ تم نے بے سخن

تم زمیں کے ہو نمک مصلح ہو تم اقوام کے — ہے تمہاری قوم کی خصلت یہ مشہور زمن

نوع انساں کی مدد کرنا تمہارا ہے شعار — تقویت دینا ضعیفوں کو تمہارا ہے چلن

مارسن اور مارسن بیگم نے ثابت کر دیا — "خیر کے پتلے ہیں انگلش قوم کے سب مرد وزن"

نیک دل بانو بھی کالج کی مربی تھی یونہیں — جسطرح شوہر کے دل کو تھی لگی اسکی لگن

اب دعا یہ ہے کہ آپ اور آپ کے اہل وعیال — سایۂ افضال ربانی میں پہنچیں تا وطن

رہے ہر منزل میں توفیق الٰہی ساتھ ساتھ
حافظ وناصر تمہارا ہو خدائے ذو المنن

خطاب بہ "حاذق الملک"

(منقول از علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ، مورخہ [illegible] جنوری ۱۹۰۸ء)

۱۹۰۸ء کے شروع میں جب حکیم محمد اجمل خان صاحب کو گورنمنٹ نے "حاذق الملک" کا خطاب مرحمت فرمایا تو حکیم صاحب موصوف کو مبارکباد دینے اور گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ۷ جنوری ۱۹۰۸ء کو دہلی کا ایک عظیم الشان جلسہ شہر کے ٹاؤن ہال میں نواب امیر الدین احمد خان صاحب والی ریاست لوہارو کے زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ مولانا بھی اتفاقاً دہلی تشریف رکھنے کے باعث جلسہ میں شریک ہوئے ایک تقریر فرمائی اور آخر میں یہ قطعہ پڑھا۔

(اسمٰعیل)

حاذق الملک! اس خطابِ فرخ و مسعود پر
ایک عالم آپ کو دیتا مبارکباد ہے

پر یہ ہے کیسی مبارکباد ہم حیران ہیں؟
گو کہ دل ہر اپنے بیگانے کا اس سے شاد ہے

سعی و کوشش آپ نے کی تھی کبھی بہرِ خطاب؟
یا کوئی درخواست دی تھی آپ کو کچھ یاد ہے؟

یہ تو یاروں کی دعاؤں کا ہے بس سارا ظہور
غیب سے یہ ان دعاؤں کی ہوئی امداد ہے

بس مبارکباد یہ جو دے رہے ہیں خاص و عام
مستحق ہیں اس کے ہم - یا آپ کیا ارشاد ہے؟

شکریہ مساعیٔ جمیلہ ظفر علی خان

از طرف جملہ مسلمانان

(منقول از روزنامہ "زمیندار" جلد ۳ نمبر ۱۷۹ - مورخہ ۱۰ اگست سنہ ۱۹۱۳ء)

سنہ ۱۹۱۳ء میں جب مسٹر ظفر علی خاں بی اے اڈیٹر و مالک اخبار زمیندار جنگ بلقان کے سلسلہ میں قسطنطنیہ گئے اس وقت ان کی اسلامی خدمت اور قومی ہمدردی کا بڑا شور تھا۔ عام رائے سے متاثر ہو کر مولانا نے بھی اس وقت ان کی شان میں کچھ ابیات لکھی تھی لیکن نظم ناتمام رہی جب وہ واپس ہندوستان آئے اور دہلی میں پہنچے (جہاں ان کا نہایت پرجوش استقبال کیا گیا) اس وقت مولانا نے اس نظم کو پورا کیا۔ مولانا کی خواہش تھی کہ خود یہ نظم ان کے سامنے پڑھیں۔ پانی پت سے انہیں دہلی تار دیا گیا کہ لاہور جاتے ہوئے تھوڑی دیر یہاں بھی ٹھہریں مگر نہ تار کا جواب آیا اور نہ مسٹر ظفر علی خاں ادھر سے گزرے موقع گذر جانے کے بعد مولانا نے یہ نظم دفتر زمیندار میں اشاعت کے لئے بھیجدی تھی۔

(اسماعیل)

اے مالکِ دفترِ زمیندار	اے نازشِ قوم و فخرِ اقراں
اے روحِ روانِ جمعِ احباب	اے چشم و چراغِ بزمِ اخواں
اے دین کے امتحاں میں جانباز	اے نصرتِ حق میں تیغِ عُریاں
اے صدق و صفا کی زندہ تصویر	ای شیر دل۔ اے "ظفر علیخاں"
قدرت نے بھرے تھے تجھ میں جو گُن	جبتک وہ رہے نظر سے پنہاں
فوقیت و برتری پہ تیری	قائم کوئی ہو سکی نہ برہاں
پر وقت کی تاک میں برابر	ہمت تری گِن رہی تھی گھڑیاں

بلقانؔ و طرابلس میں ناگاہ — اُٹھا ستم و جفا کا طوفاں
ہمدردی اہلِ دیں نے آخر — جوہر ترے کر دیے نمایاں
جمعیت و صبر کا سراسر — دامن ہوا چاک تا گریباں
پھیلے وہ بشکلِ سیلِ آتش — دل میں ترے جو تیر تھے نہاں
ڈالا یہ تری پکار نے غل — جی اُٹھے وہ مُردے جو تھے بیجاں
جو دل غمِ قوم سے تھے بے حس — چلنے لگیں اُن دلوں پہ چھریاں
وہ بن گئے آپ اپنے رہزن — جو مال کے اپنے تھے نگہباں
اسلام کی سمجھے اب حقیقت — جو نام کے تھے فقط مسلماں
ہاں اس میں نہیں مبالغہ کچھ — سُنتا بھی ہو اسے **ظفر علیخاں**
نازاں ہے وہ درسگاہ تجھ پر — تعلیم پہ جس کی تو ہے نازاں
کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند — جو قوم کے درد کے ہوں درماں
سوزِ غمِ دینِ حق سے جن کے — سینے ہوں کباب دل ہوں بریاں
جو ملک و وطن کے ہوں فدائی — جو قوم کے نام پر ہوں قرباں
مشرق میں ہوں دردِ دل سے بیچین — مغرب میں سُنیں جو رنجِ اخواں
پنجاب کو تجھ پہ ہو اگر فخر — ہے اس کو یہ فخر و ناز شایاں

زندہ ہے وہ ملک اور وہ ملت
ہوں زندہ دل ایسے جس میں انساں

حصہ اوّل تمام شد

حصّہ دوم

غزلیات

مولانا کی تمام غزلیات تین حصوں پر تقسیم کی جا سکتی ہیں :-

اوّل وہ **قدیم غزلیات** ہیں جو ایام جوانی یا اس زمانہ کی تصنیف ہیں جب حالی پر تغیرات زمانہ کا اثر نہ پڑا تھا اور جس وقت شاعری صرف کنگھی چوٹی حسن وعشق - ہجر و وصال اور عاشقانہ شکوہ و شکایت وغیرہ مضامین میں ہی منحصر سمجھی جاتی تھی - حالی کی یہ غزلیات بھی زمانہ کی ہوا کے موافق اسی رنگ میں رنگین نظر آتی ہیں -

دوسری قسم کی غزلیات اس وقت کی ہیں جب زمانہ پلٹنے لگا اور نئی طرز کی شاعری کی داغ بیل پڑنی شروع ہوئی - پرانی شاعری سے طبیعت متنفر ہونے لگی اور رفتار زمانہ کو دیکھ کر اس بزرگ حکیم کے دل میں بھی قومی درد اٹھا جو آخر کار ان ناصحانہ اور حکیمانہ کلام کا باعث بنا جس سے حالی کی تمام منظوم تصانیف لبریز ہیں - اس زمانہ کی غزلیات سے نصیحت عبرت اور درد ٹپکا پڑتا ہے اور دراصل یہی وہ میدان ہے جس میں حالی نے فاتحانہ انداز سے قدم رکھا ہے - اور جس میں وہ اپنے تمام معاصرین سے نہایت ممتاز نظر آتے ہیں -

اوّل اور دوم دونوں قسم کی غزلیات **دیوان حالی** میں صاف طور پر علیحدہ علیحدہ نظر آتی ہیں - اور ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسی غزلیات **قدیم** ہیں اور کونسی **جدید**؟

تیسری قسم کی غزلیات وہ ہیں جو حالی کی بالکل آخری عمر کی تصنیف اور دیوان کے شائع ہونے سے بعد کی ہیں اور جن میں بڑھاپے کی پختہ کاری اعلیٰ درجہ کی قوتِ فیصلہ۔ ہر معاملہ میں جچی تلی رائے۔ کلام کی خوبی و لطافت۔ اور حسنِ بیان غرض ہر خوبی نہایت نمایاں نظر آتی ہے۔ اور جن سے اس مشہور مقولہ کی سچائی پورے طور پر ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ "شاعر جسقدر ضعیف اور بوڑھا ہوتا جاتا ہے اُسی قدر اس کی شاعری منجھتی اور جوان ہوتی جاتی ہے"

ہم نے تینوں قسم کی غزلیات میں تمیز کے لئے کچھ اشارات مقرر کر دئیے ہیں جن سے ناظرین سمجھ لیں گے کہ کونسی غزل کس وقت کی تصنیف ہے۔

(۱) قدیم غزلیات کے شروع میں حاشیہ پر ق بنا دیا گیا ہے۔

(۲) جدید قسم کی غزلیات چونکہ بہت زیادہ تھیں لہذا آسانی کے لحاظ سے اُن پر کوئی نشان نہیں لگایا۔ اُن کا نشانات سے خالی ہونا ہی اُن کے جدید ہونے کی علامت ہے۔

(۳) آخری عمر کی غزلیات پر ا کا نشان بنا دیا گیا ہے۔

ہم تینوں قسم کی غزلیں جُدا جُدا درج کرتے مگر ردیفوں کے سلسلہ کا بھی خیال تھا اور اس صورت میں یہ سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ علیحدہ علیحدہ ہر قسم میں اسقدر غزلیں نہیں تھیں کہ وہ تمام ردیفوں پر تقسیم ہو سکتیں لہذا مجبوراً تینوں اقسام کی غزلیں ملا جُلا کر لکھدی گئیں۔ اسطرح ردیفوں کا سلسلہ بھی پورا ہو گیا اور ہر غزل پر خاص نشانات لگا دینے سے تمیز میں بھی آسانی ہو گئی۔ (اسماعیل)

الف

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اِس سوا تیرا   اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا — بندے سے مگر ہوگا حق کیونکہ ادا تیرا؟

محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم — کچھ کہہ نہ سکا جس پہ یاں بھید کھلا تیرا

قطعہ

چھپتا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی — کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں — ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا

تو ہی نظر آتا ہے ہر شئے میں محیط ان کو — جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا

نشہ میں وہ احساں کے سرشار ہیں اور بیخود — جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا

سمجھا ہے پرے تجھ کو ادراک کی سرحد سے — جس قوم نے رکھا ہے انکار روا تیرا

طاعت میں ادب تیرا عصیاں سے ہے گو بڑھ کر — عصیاں میں ہے طاعت سے اقرار سوا تیرا

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری — گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا[۱] تیرا

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گذرتا ہے
کچھ رنگ بیاں حالی ہے سب سے جدا تیرا

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا — باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ — ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب جمال تیرا

کاوش میں ہے الٰہی گو کد میں ہے طبیعی — جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا

چھوٹے ہوئے ہیں گو جی پر دل بندھے ہوئے ہیں — ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا

گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں — لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا

پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی؟ — پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا

انکی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی — آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا

---

۱ یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف "اَلَا اِنَّ لِلّٰہِ نَفَحَاتٍ فِی الدَّھرِ اَلَا فَتَعَرَّضُوا لَھَا" یعنی خدا کی خوشبوئیں زمانہ میں پھیلی ہوئی ہیں سو انکا آگا لو اور اُن کو اوپرا اوپر نہ جانے دو ۱۲ حالی

دل ہو کہ جان۔ تجھ سے کیونکر عزیز رکھیے — دل ہے سو چیز تیری۔ جاں ہے سو مال تیرا

ہے پورِ زال سے دل اُسکا قوی زیادہ — رکھتی ہے آسرا یاں جو پیرِ زال تیرا

ہے پاس دوستوں کے تیری یہی نشانی — یارب کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالی۔ یہ رنگ آشنائی
سن سن کے سر دُھنیں گے قال اہلِ حال تیرا

رہ میں دشتِ جنوں کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
نہ اس سفر میں تکان دیکھی نہ اس نشے میں خمار دیکھا

نہ جی رُکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس ٹوٹے
رہے سدا نامراد جو یاں اُنہیں بھی امیدوار دیکھا

رُخِ جہاں سوز تیرا دیکھا نظارہ افروز جس چمن میں
نہ بلبل و گل میں واں تعلق نہ سرو و قمری میں پیار دیکھا

سوارِ محمل کی جستجو میں ہزاروں دشتِ طلب میں دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ۔ فقط کچھ اُٹھتا غبار دیکھا

جو لاکھ میں ایک پر۔ کہیں کچھ کھلا بھی قسمت سے بھید تیرا
ملا نہ کھوج اس کا پھر کسی کو۔ ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پُرخطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

بچے ہوئے کاہشوں سے یاں کی وہی ہیں جو تیری ہو رہی ہیں
وگرنہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا

چمن میں بھولے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے
گل اُنکی نظروں میں چبھتے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں خار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے - کیسا ہے - کون ہے - اور تو کہاں ہے؟

یہ اپنے میں اور تجھ میں ہمنے علاقہ اک استوار دیکھا

سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبر و ترسا ہوں یا مسلماں

نہ اُن سے کچھ تیرا بیر پایا نہ اِن سے کچھ تیرا پیار دیکھا

سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیے ہاتھ باندھ سب کے

جنھیں تھا یاں اختیار سب کچھ اُنھیں بھی بے اختیار دیکھا

بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا

ہمیشہ بے کار تجھ کو پایا کبھی نہ سرگرم کار دیکھا

ق

پردہ ہو لاکھ کینۂ شمر و یزید کا | چھپتا نہیں جلال تمہارے شہید کا

مضموں ہے نقش دل میں لدینا مزید کا | کونین سے بھریگا نہ دامن امید کا

قفل درِ مراد سب اکبار کھل گئے | چھوڑا جب آرزو نے بھروسا کلید کا

دیکھا ہے ہمنے عالم رحمت کو غور سے | ہے شش جہت میں قحط دلِ ناامید کا

شرمِ کرم کی ہیں یہی گر پردہ داریاں | انجام ایک ہوگا شقی و سعید کا

ہے نردبانِ جذبۂ توفیق درمیاں | یاں امتیاز کیا ہے قریب بعید کا

ہے آسماں پہ تیرے جگر خوار کا دماغ | خونِ جگر میں نشہ ہے جام نبید کا

تسکیں نہیں مشاہدہ گاہ گاہ سے | یارب یہ روزہ دار ہے مشتاق عید کا

دوزخ ہے گر وسیع تو رحمت وسیع تر | لا تقنطوا جواب ہے ھل من مزید کا

حالی کی ہیں اگر یہی شیوا بیانیاں

لیگا نہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

لہ قرآن شریف میں ہے "لھم ما یشاؤن فیھا ولدینا مزید" یعنی اہل جنت کے لئے جنت میں جو کچھ وہ چاہیں گے سب کچھ ہوگا اور (اس کے سوا) ہمارے پاس اور بھی (بہت کچھ) ہے ۱۲ - حالی

نعت

یا ملکی الصفات یا بشری القویٰ — فیک دلیل علیٰ انک خیر الوریٰ

تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسے کہ باراں سے خاک — خلقک خصب الزمان بعثک محیا الوریٰ

دعوے روشن ترا ثابت بے بیّنہ — صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گوا

قال ترا اور حال نشۂ وحدت میں چور — اوڑھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا

غیب سے بھیجا تجھے ٹاپتا پھرتا تھا جب — دشت میں بھٹکا ہوا قافلہ بے رہنما

اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت — جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اٹھے گھٹا

شان رسالت کی تھی تیری جبیں سے عیاں — گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جدا

گلہ بنی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو — گلۂ آدم تجھے سونپ چکی تھی قضا

دوڑ پڑے سوئے حق کاٹ کے سب بیڑیاں — امّیوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا

راہب و قسیس و حبر رہ گئے دل تھام کر — دیکھ کے تیرا ثبات ہم قدم انبیاء

خاک تھی جس ملک کی مزرعِ شر و فساد — تو نے اسی کو دیا ارض مقدس بنا

تو نے تحمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب — جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا

چھوڑ گئے تھے سلف کام ادھورے بہت — تو نے کیا دام دام قرض سب انکا ادا

تو نے کیا سرِّ حق عارف و عامی پہ فاش — ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا

چوٹ سی حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی — ایک کے چرکا لگا ایک کو گھائل کیا

حجتِ حق کر چکا دین ترا جب تمام — پھر نہ کسی دین کا رنگ جہاں میں جما

دیر[۱] ہوئے بے چراغ اور صلوات یہود — شرک ہوا مضمحل اور کہانت ہبا

بجھ گئے آتشکدے بیٹھ گئے بت کدے — ہو گئی تثلیث مات اور ثنویت[۲] فنا

---

۱ دیر۔ راہبوں کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیوں کا کلیسا۔ ہبا۔ غبار۔ ناچیز ۲ مجوسی جو دو خدا ایک خالق خیر ایک خالق شر یعنی یزدان اور اہرمن کو مانتے ہیں اس عقیدہ کو ثنویت کہتے ہیں ۱۲۔

اُٹھے بہت مدعی جیسے کہ ساون میں کھانس
مزبلہ پر چند روز پاتی ہے نشو و نما

غیرتِ حق نے مگر جلد لیا انتقام
مل گئے اُٹھ اُٹھ کے سب خاک میں اہل ہوا

رہ گیا نام سجاح[۱] کذب میں ضرب المثل
اسود و ابن کثیر خوار ہوئے برملا

سلسلۂ انبیا ختم نہ ہوتا۔ اگر
حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا اُٹھا

آتے ہی چشمہ دیا تو نے کنوئیں سے نکال
جس کو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیا

بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ
بھیج چکا تیرے ہاتھ ملتِ بیضا خدا

تجھ پہ صلوٰۃ و سلام ربّ سموات سے
روز و شب صبح و شام قدرِ رمال و حصے

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اُٹھایا اُس کو بٹھا کے چھوڑا

ابرار تجھ سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں
جو زد پہ تیری آیا اُسکو گرا کے چھوڑا

رایوں سے راج چھینے شاہوں سے تاج چھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا

کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقویٰ
جو گنج تو نے تاکا اُسکو لٹا کے چھوڑا

جس رہگذر میں بیٹھا تو غولِ راہ بنکر
صنعاں سے راست رو کو رستہ بھلا کے چھوڑا

[۱] سجاح ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہیں هو اكذب من سجاح اور اسود عنسی اور مسیلمہ جس کی کنیت ابن کثیر ہے۔ یہ دونوں مدعی نبوت تھے جو آخرکار قتل کئے گئے ۱۲

فرہاد کوہکن کی لی تو نے جان شیریں
اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا

یعقوبؑ سے بشر کو دی تو نے ناصبوری
یوسفؑ سے پارسا پر بہتاں لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونو ہیں دل گداز تیرے
پتھر کے دل تھے جنکے اُن کو رُلا کے چھوڑا

عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چپقلش جہاں کی
عقل و خرد کا تو نے خاکہ اُڑا کے چھوڑا

علم و ادب رہے ہیں دَبلے ترے ہمیشہ
ہر معرکہ میں تو نے اُن کو دِلا[۵] کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگیں رُوداد تیری دلکش
شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالیؔ بچا ہوا تھا
اُس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید! کیجیو ہم سے نہ تو کنارا
تیرا ہی رہ گیا ہے لے دیکے اک سہارا

یُوں بے سبب زمانہ پھرتا نہیں کسی سے
اے آسماں کچھ اس میں تیرا بھی ہے اشارا

میخانہ کی خرابی جی دیکھ کر بھر آیا
مُدّت کے بعد کل واں جا نکلے تھے قضارا

اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے
اے زاہدو تمہارا ہے اِس میں کیا اجارا؟

دُنیا کے خرخشوں سے چیخ اٹھتے تھے ہم اوّل
آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا

توفیق نے ہمیشہ لی تنت پر خبریاں
جب ناؤ ڈگمگائی پاس آگیا کنارا

[۵] دلانا کُشتی دلانا۔ یعنی پچھاڑنا۔ اکثر کُشتی کا لفظ حذف کرکے صرف دلانا بولتے ہیں۔ ۱۲

انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے | جتنے ہنر تھے اپنے عالم میں آشکارا
افسوس اہلِ دیں بھی مانندِ اہلِ دُنیا | خودکام و خودنما ہیں خودبیں ہیں اور خودآرا
اُمّت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر | اسلام ہے فقیہو! ممنون بہت تمہارا!
کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چیں ہوئے چپ | سب کچھ کہا انھوں نے پر ہمنے دم نہ مارا

حالی سے کام ہو یاں فعلوں سے اسکے کیا کام
اچھا ہے یا بُرا ہے پھر یار ہے تمہارا

رونا نہ ہوگا حالی شاید یہ کم تمھارا | جب دیکھو آنسوؤں سے دامن ہے نم تمہارا
اُلفت میں دم بدم کچھ لذت ہی بڑہتی جاتی | چھوڑے گا کھاکے شاید عاشق کو غم تمہارا
عاقل ہیں شہر میں کم ناداں بہت ہیں واعظ | ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں دم تمہارا
دلجو نہیں کوئی یاں حیف ای صنم پرستو | دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصنم تمہارا
گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ بڑھ گئے تم | اپنی نظر میں ہوگا گر وزن کم تمہارا
دشتِ طلب کے رستو! طے ہوگئے کسطرح تم | آتا نہیں سمجھ میں کچھ پیچ و خم تمہارا
دو بینواؤں کو بھی کچھ جم کے جانشینو | بس جامِ جم ہمارا اور ملکِ جم تمہارا
روسی ہوں یا تتاری ہمکو ستائیں گے کیا | دیکھا ہے ہمنے برسوں لطف و کرم تمہارا
کھولی ہیں تمنے آنکھیں اے حادثو ہماری | احسان یہ نہ ہرگز بھولیں گے ہم تمہارا
ہوتے ہی تم تو پیدل کچھ رو دیے سوارو! | ہے لاکھ لاکھ من کا ایک اک قدم تمہارا
رستے میں گر نہ ٹھہرے تو تم بھی جا ملوگے | گذرا ابھی ہے یاں سے خیل و حشم تمہارا
پھرتے ادہر اُدہر ہو کس کی تلاش میں تم؟ | گم ہے تمہیں میں یارو باغِ ارم تمہارا

جادو رقم تو مانیں ہم دل سے تم کو حالی
کچھ کرکے بھی دکھائے زورِ قلم تمہارا

وہ دل ہے شگفتہ نہ وہ بازو میں توانا | پہونچا ہی لبِ گور تک اب کام سمجھو زمانا

خود دہر وطن سے ہی وداع آکے سفر میں
جانا ہی وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا

دلی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر
گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا

یارب طلبِ وصل ہو یا ہو طربِ وصل
جس دن کہ یہ دونوں نہ ہوں وہ دن نہ دکھانا

دُنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرماں
چھل بل میں تم اس زالِ فسونگر کی نہ آنا

افسوس کہ غفلت میں کٹا عہدِ جوانی
تھا آبِ بقا گھر میں مگر ہم نے نہ جانا

یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں ہوتی
اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سُنانا

دُنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن
وہ دن ہے کہ جبدن ہے اسے چھوڑ کے جانا

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت
فرمایا "خبردار! کہ نازک ہے زمانا"

ڈھارس سی کچھ اے ہمقدمو تم سے بندھی ہے
حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجیے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی۔ نہ جاننا اُس کو غیر ہرگز
جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُس کو تصور اپنا نہ کیجیے گا

سُنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ "ہے طریقت میں کفر دعویٰ"
یہ کہدو "دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجیے گا"

اسی میں ہے خیر حضرتِ دل۔ کہ یار بُھولا ہوا ہے ہم کو
کرے وہ یاد اس کی بُھول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجیے گا

کہے اگر کوئی تم کو واعظ! کہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہو
زمانہ کی خُو ہے نکتہ چینی۔ کچھ اُس کی پروا نہ کیجیے گا

کمال ہے ضدِ بے کمالی۔ نہیں ملاپ ان میں حرف گیرو!

جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجیے گا تو آپ بے جا نہ کیجیے گا
لگا دُ تم میں نہ لاگ زاہد۔ نہ دردِ الفت کی آگ زاہد
پھر اور کیا کیجیے گا آخر جو ترکِ دُنیا نہ کیجیے گا
تمہارا تھا دوستدار حالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو
سلوک اُس سے کئے یہ تمنے تو ہمسے کیا کیا نہ کیجیے گا

ہو عزم دیر شاید کعبہ سے پھر کر اپنا | آتا ہے دُور ہی سے ہمکو نظر گھر اپنا
قیدِ خرد میں رہتے آتے نہیں نظر ہم | وحشت رہیگی دل کی دکھلاکے جوہر اپنا
پیرِ مغاں سے ہو کر تب سُرخرو ملیں گے | فضل و ہنر کا ہوگا جب چاک محضر اپنا
بیگانہ وش ہیں گروہ تو ہے ہماری ڈھب کا | ایسوں ہی سے بنھا ہی یارانہ اکثر اپنا
عصمت پہ اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی | کر بیٹھے اپنے ہاتھوں ہم چاک محضر اپنا
کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے | یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

غیروں کو لیں گے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
اپنوں ہی سے ہی حالی کچھ دِل مکدّر اپنا

معنی کا تم نے حالی دریا اگر بہایا
یہ تو بتائیں حضرت! کچھ کر کے بھی دکھایا
اے بانگِ طبلِ شاہی دِن ہو گیا جب آخر
خوابِ گراں سے تونے ناحق ہمیں جگایا
تھا ہوش یادِ گُل کا دَورِ خزاں میں کس کو
اے عندلیبِ نالاں یہ تونے گُل کھلایا
ویراں ہے باغ۔ تسپر پھُولی نہیں سماتی
مژدہ صبا نے یارب بلبل کو کیا سُنایا؟

اے عشق دل کو رکھا دُنیا کا اور نہ دیں کا
گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنایا

ڈرتے رہیں گے اب ہم بے جُرم بھی سزا سے
احسان اُس کا جس نے ناحق ہمیں ستایا

واعظ کی حُجتوں سے قائل تو ہو گئے ہم
کوئی جواب شافی پر اس سے بن نہ آیا

آیا نہ تھا کبھی یاں گویا قدم خزاں کا
دو دن میں یُوں پلٹ دی کس نے چمن کی کایا

تقلیدِ قوم ہی پر گر ہے مدارِ تحسین
تو ہم نے دوستوں کی تحسیں سے ہاتھ اٹھایا

دیکھا تو کچھ نظر میں حالی جچا نہ اپنی
جو جو گماں تھے ہم کو اُن کا نشاں نہ پایا

نفس دعوئ بے گناہی کا سدا کرتا رہا
گرچہ اُترے جی سے دل اکثر ابا کرتا رہا

حق نے احساں میں کمی کی اور مینے کفرانیں کمی
وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا

چوریوں سے دیدۂ دل کی نہ شرمایا کبھی
چُپکے چُپکے نفسِ خائن کا کہا کرتا رہا

طاعتوں کی زد سے بچ بچ کر چلا راہِ خطا
وار اُنکا اس لئے اکثر خطا کرتا رہا

نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی
اُس کو حیلے دل سے گھڑ گھڑ کر روا کرتا رہا

مُنہ نہ دیکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں کہ میں
اُن سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا

تھا نہ استحقاقِ تحسیں پر سُنی تحسیں سدا
حق ہی جو دُون ہمتی کا وہ ادا کرتا رہا

شہرت اپنی جسقدر بڑھتی گئی آفاق میں
کبرِ نفس اتنا ہی یاں نشو و نما کرتا رہا

ایک عالم سے وفا کی تو نے اے حالی مگر
نفس پر اپنے سدا ظلم و جفا کرتا رہا

کہیں الہام منوانا پڑے گا ۱ کہیں کشف اپنا جتلانا پڑے گا

نہ ہو صوفی صفا گو تجھ میں لیکن ۲ کرشمہ کوئی دکھلانا پڑے گا

"نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو درد" یہ گُر ناصح کو بتلانا پڑے گا

جنھیں ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا انہیں سچوں کو جھٹلانا پڑے گا

عوام الناس کا ہوگا جنھیں منہ اُنھیں خاصوں پہ منہ آنا پڑے گا

رہے وصفِ جہاں کی مشق واعظ تمہیں بچوں کو بہلانا پڑے گا

سخن میں پیروی کی گر سلف کی انہیں باتوں کو دہرانا پڑے گا

قطعہ

تعلق کا ہے پھندا پیچ در پیچ ۱ یہ عقدہ ہم کو سلجھانا پڑے گا

بہت یاں ٹھوکریں کھائی ہیں ہمنے ۲ بس اب دنیا کو ٹھکرانا پڑے گا

نہیں تو اُنس کی اس غمکدے میں ۳ کہیں دل جا کے بہلانا پڑے گا

دل اب صحبت سے کوسوں بھاگتا ہے ۴ ہمیں یاروں سے شرمانا پڑے گا

زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو پچتانا پڑے گا

جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ فسخ فرمانا پڑے گا

۷ بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جب تک
اُسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہمیں اپنے رونا پڑے گا یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا

عزیزو کہاں تک یہ آتش مزاجی تمہیں جلد تر خاک ہونا پڑے گا

رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی بس اب دل سے شکوؤں کو دھونا پڑے گا

بن آئیگی ہرگز نہ یاں کچھ کیے بن جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کبتک اے ابر کرم ترسائے گا — مینھ بھی رحمت کا کبھی برسائے گا

پھل کچھ اے نخل وفا تجھ میں نہیں — جو لگائے گا تجھے پچھتائے گا

دوست کا آیا ہی سمجھو اب پیام — آج اگر آیا نہیں کل آئے گا

ذوق سب جاتے رہے جز ذوق درد — اک یہ لپکا دیکھئے کب جائے گا

قطعہ

واعظ آتا ہے تو آنے دو اُسے ۱ — پر مزا آنے کا یاں کیا پائے گا

آئے گا اور ہم کو شرمائیگا مفت ۲ — اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا

عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم ۳ — ہم پہ منھ آئے گا مُنھ کی کھائے گا

دل کے تیور ہی کہے دیتے تھے صاف — رنگ یہ دیوانہ اک دن لائے گا

باغ و صحرا میں رہی جو تنگ دل — جی قفس میں اُسکا کیا گھبرائے گا

قطعہ

رنگ گردوں کا ہے کچھ بدلا ہوا ۱ — شعبدہ تازہ کوئی دکھلائے گا

ابر و برق آئے ہیں دونوں ساتھ ساتھ ۲ — دیکھئے برسے[۵] گا یا برسائے گا

مشکلوں کی جسکو ہے حالی خبر
مشکلیں آساں وہی فرمائے گا

واں اگر جائیں تو لے کر جائیں کیا — مُنھ اُسے ہم جا کے یہ دکھلائیں کیا

دل میں باقی ہے وہی حرص گناہ — پھر کئے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا

آؤ لیں اُس کو ہمیں جا کر منا — اُس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا

دل کو مسجد سے نہ مندر سے ہے اُنس — ایسے وحشی کو کہیں بہلائیں کیا

جانتا دُنیا کو ہے اک کھیل تو — کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا

عُمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی — مرحلے اب دیکھئے پیش آئیں کیا

دل کو سب باتوں کی ہے ناصح خبر — سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا

---

[۵] برسنا۔ غصہ ظاہر کرنا ۱۲

ہاں لیجے شیخ جو دعوے کرے — اک بزرگِ دین کو ہم جھٹلائیں کیا

ہو چکے حالیؔ غزل خوانی کے دن
راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
اک چراغ اور سرِ راہ جلایا جاتا

کر دیا اس نے تو اللہ سے غافل ناصح!
اس کو کیوں بھولتے گر اس کو بھلایا جاتا

چپ چپاتے اسے دے آئے دل اک بات پہ ہم
مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا

شب کو زاہد سے نہ مڈ بھیڑ ہوئی خوب ہوا
نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا

دل کو یہ تو نے دکھایا ہے کہ دکھ جاتا ہے
چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا

نامہ بر آج بھی خط لے کے نہ آیا یارو
تم تو کہتے تھے کہ "وہ ہے ابھی آیا جاتا"

عشق اس وقت سے سر پہ ترے منڈلاتا تھا
گودیوں میں تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا

لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وہ
اس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا

بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اے دنیا
ہم سے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا

کرتے کیا ہو پیتے اگر مے نہ عشا سے تا صبح
وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوایا جاتا

دل نہ طاعت میں لگا جب تو لگایا غم عشق
کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا

اس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
بھڑک اٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
"خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا"

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالی
کہتے پہلے سے تو دے لے کے ہٹایا جاتا

راحت کا جہاں میں یونہیں اک نام ہے گویا | راحت کی تلاش اک طمع خام ہے گویا
کچھ کرتے ہیں جو یاں وہی انگشت نما ہیں | بدنام ہی دنیا میں نکونام ہے گویا
ناچیز ہیں وہ کام نہیں جن پہ کچھ الزام | جو کام ہیں ۔ انکا یہی انعام ہے گویا
ہے وقت رحیل اور وہی عشرت کے ہیں ساماں | آخر ہوئی رات اور ابھی یہاں شام ہے گویا
اٹھا تھا کچھ اول ہی سے یہ درد بری طرح | آغاز ہی الفت کا بس انجام ہے گویا
ادبار بھی دیکھو گے جہاں پاؤ گے اسلام | اسلام کا ادبار بھی اک نام ہے گویا

جب دیکھئے حالی کو پڑا پایئے بے کار
کرنا اُسے باتیں ہی اک کام ہے گویا

ق
خلوت میں تری صوفی گر نور صفا ہوتا | تو سب میں ملا رہتا اور سب سے جدا ہوتا
تھا آفت جاں اس کا انداز کمانداری | ہم بچکے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا
کچھ اپنی حقیقت کی گر تجھ کو خبر ہوتی | میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا

یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سنا قاصد — ان پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا
باتوں میں شکایت کی بو آتی ہے الفت کی — گر دل میں جگہ ہوتی لب پر بھی گلا ہوتا
ہم روزِ وداع اس سے ہنس ہنس کے ہوئے رخصت — رونا تھا بہت ہم کو روتے بھی تو کیا ہوتا
گر صاحبِ دل ہوتے سن کر مری بیتابی — تم کو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا
جو دل پہ گذرتی ہے کیا تجھ کو خبر ناصح — کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا
جو جان سے در گذری وہ چاہیے سو کر گذرے — گر آج نہ تم آتے کیا جانیے کیا ہوتا

کل حالیؔ دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ
سننے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا

ق

پیش از ظہورِ عشق کسی کا نشاں نہ تھا
تھا حسن میزبان کوئی میہماں نہ تھا

ہم کو بہار میں بھی سرِ گلستاں نہ تھا
یعنی خزاں سے پہلے ہی دل شادماں نہ تھا

ملتے ہی ان کے بھول گئیں کلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

کیا جانتے تھے جائے گا جی اک نگاہ میں
تھی دل کی احتیاط مگر بیمِ جاں نہ تھا

سچ ہے کہ پاسِ خاطرِ نازک عذاب ہے
تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہرباں نہ تھا

کچھ میری بے خودی سے تمہارا زیاں نہیں
تم جاننا کہ بزم میں اک خستہ جاں نہ تھا

رات ان کو بات بات پہ سو سو دیے جواب

مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

رونا ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یاں
طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا

تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دلمیں چُبھ گئی
مانا کہ اُس کے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا

بزم سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہار
شب انجمن میں حالیؔ جادو بیاں نہ تھا

ق

رنج اور رنج بھی تنہائی کا
وقت پہونچا مری رسوائی کا

عمر شاید نہ کرے آج وفا
کاٹنا ہے شب تنہائی کا

تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا
کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا

ایک دن راہ پہ جا پہونچے ہم
شوق تھا بادیہ پیمائی کا

اس سے نادان ہی بن کر ملئے
کچھ اجارہ نہیں دانائی کا

سات پردوں میں نہیں ٹھہرتی آنکھ
حوصلہ کیا ہے تماشائی کا

درمیاں پائے نظر ہے جب تک
ہم کو دعویٰ نہیں بینائی کا

کچھ تو ہے قدر تماشائی کی
ہے جو یہ شوق خود آرائی کا

اسکو چھوڑا تو ہے لیکن اے دل
مجھ کو ڈر ہے تری خودرائی کا

بزم دشمن میں نہ جی سے اُترا
پوچھنا کیا تری زیبائی کا

یہی انجام تھا اے فصلِ خزاں؟
گل و بلبل کی شناسائی کا

مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں
ہو چکا کام توانائی کا

محتسب عذر بہت ہیں لیکن
اذن ہمکو نہیں گویائی کا

ہونگے حالیؔ سے بہت آوارہ
گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

ق اغماض چلتے وقت مروّت سے دور تھا
رو رو کے ہم کو اور رُلانا ضرور تھا

تھی ہر نظر محرمِ دیدار ورنہ یاں
ہر خار نخلِ ایمن و ہر سنگ طور تھا

دردا کہ لب پہ رازِ دل آیا نہ تھا ہنوز
چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا

جانی نہ قدرِ رحمتِ حق پارسا نے کچھ
ٹھہرا قصوروار اگر بے قصور تھا

دُردی کشانِ بزمِ مغاں کا نہ پوچھ حال
ایک ایک رندِ نشۂ وحدت میں چور تھا

اب باریابِ انجمنِ عام بھی نہیں
وہ دل کہ خاص محرمِ بزمِ حضور تھا

روزِ وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا
کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا

بیمار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر
پھر نعش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادماں
تھا حوصلہ اُسی کا کہ اتنا صبور تھا[1]

---

[1] اس غزل کے متعلق بیچم صاحب کی جنتری سنہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۱ میں سے یہ دو شعر ہمکو ملے ہیں جو دیوان میں نہیں تھے۔ لہذا یہ دونوں یہاں حاشیہ پر درج کردیئے جاتے ہیں، (اسماعیل)

کیونکر کہوں کہ تم مرے مرنے سے شاد تھے
چہرہ تھا کیوں اداس؟ جو دل میں سُرور تھا

زاہد کو گر عبادت و تقویٰ پہ تھا گھمنڈ
ہم کو بھی الفعال پہ اپنے غرور تھا

دل سے خیالِ دوست بُھلایا نہ جائیگا — سینے میں داغ ہی کہ مٹایا نہ جائے گا

ق

تم کو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط — اُلفت وہ راز ہے کہ چُھپایا نہ جائے گا

ایدل رضائے غیر ہے شرطِ رضائے دوست — زنہار بارِ عشق اُٹھایا نہ جائے گا

دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں — اب ہمسے مُنہ میں موت کے جایا نہ جائے گا

مئے تند و ظرف حوصلۂ اہلِ بزم تنگ — ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا

راضی ہیں ہم کہ دوست سے ہو دشمنی۔ مگر — دشمن کو ہم سے دوست بنایا نہ جائے گا

کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے — پوچھیں گے ہم سبب۔ تو بتایا نہ جائے گا

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں۔ جانتے ہیں وہ — ہم وہ نہیں کہ ہمکو منایا نہ جائے گا

ملتا ہے آپ سے تو نہیں حصر غیر پر — کس کس سے اختلاط بڑھایا نہ جائے گا

مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر — یعنی وہ ڈھونڈھتے ہیں جو پایا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہلِ دیں کے نہ حالی پڑیں بس آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

قلق اور دل میں سوا ہو گیا — دلاسا تمہارا بلا ہو گیا

ق

دکھانا پڑے گا مجھے زخمِ دل — اگر تیر اُس کا خطا ہو گیا

سبب ہو نہ ہو لب پہ آنا ضرور — غرض شکر اُس کا گلہ ہو گیا

وہ اُمید کیا جس کی ہو انتہا — وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا

ہوا اُرکتے رُکتے دمِ آخر فنا — مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا

نہیں بھولتا اُسکی رخصت کا وقت — وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد — ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا

سمجھتے تھے جس غم کو ہم جانگزا — وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا

نہ دے میری اُمید مجکو جواب — رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال
کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

ق سنگِ گراں ہے راہ میں تمکینِ یار کا — اب دیکھنا ہے زورِ دلِ بے قرار کا
اک خو سی ہو گئی ہے تحمل کی ورنہ اب — وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و قرار کا
آؤ مٹا ہی دو خلشِ آرزوئے قتل — کیا اعتبار زندگیٔ مستعار کا
ہم خوش کبھی ہوئے ہوں تو غم ناگوار ہو — ملتا نہیں محل گلۂ روزگار کا
سمجھو مجھے اگر تمہیں ہے آدمی کی قدر — میرا اک التفات نہ مرنا ہزار کا
گر صبح تک وفا ہوا وعدۂ وصال — سُن لیں گے وہ مآلِ شبِ انتظار کا
اب محو۔ بوئے گُل پہ ہُوا کب دلِ حزیں — ہم کو چمن سے یاد ہے جانا بہار کا
ہر سمت گردِ ناقۂ لیلیٰ بلند ہے — پہونچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا
غربت کے مشغلوں نے وطن کو بھُلا دیا — خانہ خراب خاطرِ الفت شعار کا

حالی بس اب یقین ہے کہ دلی کے ہو رہے
ہے ذرہ ذرہ مہر فزا اس دیار کا

ب

دردِ دل کو دوا سے کیا مطلب — کیمیا کو طلا سے کیا مطلب
چشمۂ زندگی ہے۔ ذکرِ جمیل — خضر و آبِ بقا سے کیا مطلب
بادشاہی ہے نفس کی تسخیر — ظلِ بالِ ہما سے کیا مطلب
جو کرینگے بھرینگے خود واعظ — تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جن کے معبود حور و غلماں ہیں — اُن کو زاہد۔ خدا سے کیا مطلب
کام ہے مردمی سے انساں کی — قطعہ ۱ زہد یا اتقا سے کیا مطلب
ہے اگر رند دامن آلودہ ۲ — ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب

صوفیِ شہر۔ باصفا ہے اگر ۳ ہو۔ ہماری بلا سے۔ کیا مطلب
نکہتِ مے پہ غش ہیں جو حالی
۴ اُن کو وِردِ صفا سے کیا مطلب

ق

مجھ میں وہ تابِ ضبطِ شکایت کہاں ہے اب
چھیڑو نہ تم کہ میرے بھی مُنہ میں زبان ہے اب
وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبطِ راز تھا
چہرے سے اپنے شورشِ پنہاں عیاں ہے اب
جس دل کو قیدِ ہستیِ دُنیا سے ننگ تھا
وہ دل اسیرِ حلقۂ زُلفِ بُتاں ہے اب
آنے لگا جب اُس کی تمنا میں کچھ مزا
کہتے ہیں لوگ "جان کا اسمیں زیاں ہے اب"
لغزش نہ ہو۔ بلا ہے حسینوں کا التفات
اے دل سنبھل۔ وہ دشمنِ دیں مہرباں ہے اب
اک جرعۂ شراب نے سب کچھ بُھلا دیا
ہم ہیں اور آستانۂ پیرِ مغاں ہے اب
ہے وقتِ نزع اور وہ آیا نہیں ہنوز
ہاں جذبِ دل مدد کہ دمِ امتحاں ہے اب
ہے دل غمِ جہاں سے سبکدوش اِن دنوں
سر پڑتا سوجھتا کوئی بارِ گراں ہے اب
حالی تم اور ملازمتِ پیرِ مے فروش،
وہ علم و دیں کدہر ہے وہ تقویٰ کہاں ہے اب؟

پ

یہ ہیں واعظ سب پہ منہ آتے ہیں آپ
ناصح قوم اس پہ کہلاتے ہیں آپ

بس بہت طعن و ملامت کر چکے
کیوں زبان رندوں کی کھلواتے ہیں آپ

ہے صراحی میں وہی لذت کہ جو
چڑھ کے منبر پر مزا پاتے ہیں آپ

واعظو! ہے اُن کو شرمانا گناہ ۱
جو گنہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ

کرتے ہیں اک اک کی تکفیر آپ کیوں؟ ۲
اِس پہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ

کرتے ہیں آباد دوزخ کو حضور
خلد کو ویران کرواتے ہیں آپ

چھیڑ کر واعظ کو حالی خلد سے
بسترا کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ؟

ت

گو جوانی میں تھی کج رائی بہت
پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت

زیر برقع تو نے کیا دکھلا دیا
جمع ہیں ہر سو تماشائی بہت

سرو یا گل آنکھ میں جچتے نہیں
دل پہ ہے نقش اسکی رعنائی بہت

چور تھا زخموں میں اور کہتا تھا دل
راحت اس تکلیف میں پائی بہت

آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا
"دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت"

وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے
مینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

جاں نثاری پر وہ بول اٹھے مری
"ہیں فدائی کم تماشائی بہت"

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

کر دیا چپ واقعاتِ دہر نے
تھی کبھی ہم میں بھی گویائی بہت

گھٹ گئیں خود تلخیاں ایام کی؟
یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت

ہٹ پہ اُسکی اور پس جاتے ہیں دل
راس ہے کچھ اُسکو خودرائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالیؔ چپ رہو
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

اُس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گُلِ تر کی صورت

ہے غمِ روزِ جدائی نہ نشاطِ شبِ وصل
ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

دیکھیے شیخ مصور سے کھچے یا نہ کھچے
صورت - اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

واعظو! آتشِ دوزخ سے جہاں کو تم نے
یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

کیا خبر زاہدِ قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص
اُس نے دیکھی ہی نہیں کیسۂ زر کی صورت

میں بچا تیرِ حوادث سے نشانہ بن کر
آڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت

شوق میں اس کے مزا درد میں اُسکے لذت
ناصحو اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

حملہ اپنے پہ بھی اک - بعدِ ہزیمت ہے ضرور

رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت
رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسان خطا
راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت
یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سَو بار
پر ڈرانی ہے بہت آج بھنور کی صورت
اُن کو حالیؔ بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہمان
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

ق
بناتے ہیں وہ مہربانی کی صورت | پہ چھپتی نہیں سرگرانی کی صورت
جسے دیکھ کر دل ہو عاشق کا بے کل | وہ ہے اور ہی مہربانی کی صورت
شب وعدہ ہے بارِ عام اُن کے در پر | مرے حق میں اک پاسبانی کی صورت
غمِ دل نے رسوا کیا ہم کو آخر | بنائی بہت شادمانی کی صورت
ہے اس ریش پر وسمہ کیا خوب کھلتا | ذرا دیکھنا شیخ فانی کی صورت
یقین ہے کہ ہم جس کو سمجھے ہیں مرنا | یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

سمجھ کر کرو قتل حالیؔ کو دیکھو
مٹاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

ط

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اچاٹ | دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ؟
رنج رہی ہے کان میں یاں نے وہی | اور مغنی لے گئی بدلے ہیں ٹھاٹ
ناؤ ہے بوسیدہ اور موجیں ہیں سخت | اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ
اک کہانی پیرزن کی رہ گئی | راج کسرٰے کا رہا باقی نہ پاٹ
دیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں | ہے مگر یاں جی کچھ اسے زاہد اچاٹ

جو ہے تجھکو بتا دیں اے امیر | ہیں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ
ملتیں رستوں کے ہیں سب ہیر پھیر | سب جہازوں کا ہے لنگر ایک گھاٹ
برق منڈلاتی ہے اب کس چھپر پر | ڈیڑیاں کب کی گئیں کھیتی کو چاٹ؟
تیغ میں بُرش یہ اے حالی نہیں | جسقدر تیری زباں کرتی ہے کاٹ
چٹکیاں سی دل میں یہ لیتا ہے کون | شعر تو ظاہر میں ہیں تیرے سپاٹ

ث

باپ کا ہے جبھی پسر وارث | ہو ہنر کا بھی اُسکے گر وارث
گھر ہنر ور کا نا خلف نے لیا | تیرا ہے کون اے ہنر وارث
فاتحہ ہو کہاں سے میّت کی | لے گئے ڈھو کے سیم و زر وارث
ہوں اگر ذوق کسب سے آگاہ | کریں میراث سے حذر وارث
خاک و کرمان گور و خویش و تبار | ایک میّت اور اسقدر وارث
واعظو دین کا خدا حافظ | انبیا کے ہو تم اگر وارث
قوم بے پر ہے دین بیکس ہے | گئے اسلام کے کدھر وارث
ہمپہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے حریف | جیسے مردہ کے مال پر وارث

ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
کیوں ہیں میّت پہ نوحہ گر وارث

بھید واعظ! اپنا کھلوایا عبث | دل جلوں کو تونے گرمایا عبث
جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی | رات بھر یاروں کو جگوایا عبث
شیخ رندو ہیں بھی ہیں کچھ پاکباز | سب کو ملزم تونے ٹھیرایا عبث
کوئی پنچھی آکے اب پھنستا نہیں | آپنے جال اپنا پھیلایا عبث
آ نکلتے تھے کبھی مسجد میں ہم | تُونے زاہد ہم کو شرمایا عبث

کھیتیاں جلکر ہوئیں یارونکی خاک ‏ ‏ ابر ہے گھر کر ادھر آیا عبث
قوم کا حالی پنپنا ہے محال ‏ ‏ تمنے رو رو سب کو رُلوایا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج ‏ ‏ بول کر ہمنے منہ کی کھائی آج
چپ پر اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ ‏ ‏ بات بگڑی بنی بنائی آج
شکوہ کرنے کی خو نہ تھی اپنی ‏ ‏ پر طبیعت ہی کچھ بھر آئی آج
بزم ساقی نے دی الٹ ساری ‏ ‏ خوب بھر بھر کے خم لنڈھائی آج
معصیت پر ہے دیر سے یا رب ‏ قطعہ ۱ ‏ نفس اور شرع میں لڑائی آج
غالب آتا ہے نفس دوں یا شرع ‏ ۲ ‏ دیکھنی ہے تری خدائی آج
چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو ‏ ‏ نیند پھر رات بھر نہ آئی آج
کل یہاں کاروبار ہیں سب بند ‏ ‏ کر لو کرنی ہے جو کمائی آج

زد سے الفت کی بچ کے چلنا تھا
مفت حالی نے چوٹ کھائی آج

تلخی دوراں کے ہیں سب شکوہ سنج ‏ ‏ یہ بھی ہے یارو کوئی رنجوں میں رنج
رنج و شادی یاں کے ہیں سب بے ثبات ‏ ‏ اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج
تھا قناعت میں نہاں گنج فراغ ‏ ‏ پر ہمیں بے وقت ہاتھ آیا یہ رنج
فکر و سن بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ ‏ ‏ ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھے پنج
ہمکو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا ‏ ‏ جب کبھی جیتے تھے ہم اے بذلہ سنج
آ گئی مرگ طبیعی ہمکو یاد ‏ ‏ شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج

راہ اب سیدھی ہے حالی سوئے دوست
ہو چکے طے سب خم و پیچ و شکنج

پ

بزمِ مے اچھی ہے۔ گو دُنیا ہے اے میخوار ہیچ
یاں سمجھ لیتے تو ہیں دُنیا کو دم بھر یار ہیچ

نفس سے سر بر ہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش
ایک دشمن پر سرکیں ہو تو ہیں سب یار ہیچ

شیخ! جو مخلص ہیں وہ رہتے نہیں کچھ امتیاز
ہے یہ سب اونچی دوکان اور رونقِ بازار ہیچ

شاہدِ معنی کو آرایش کی کچھ حاجت نہیں
سبحہ و سجّادہ ہیچ اور جبّہ و دستار ہیچ *

روئی تو آٹھ آٹھ آنسو اور سیجا دل نہ ایک
نکلے موتی تیرے سب اے چشم گوہر بار ہیچ

خوانِ نعمت نے ترے اے عاملِ مردار خوار
کر دیے آفاق کے سب خوان و خوان سالار ہیچ

ہے ادب مسند پہ۔ جو کچھ ہے رئیسِ شہر کا
ہٹ کے مسند سے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکار ہیچ

گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

ح

کاٹے دن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح

* ہو گر سبحہ جسقدر اسکے تزبیح کچھ نہیں
اے صوفیو ہے یہ سب گفتار بے کردار ہیچ

جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح

منزلِ دنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں مہمان سرا میں مہمانوں کی طرح

سعی سے اکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح

رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرمانروا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح

شادمانی میں گذرتے اپنے آپے سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح

رکھتے ہیں تمکین جوانی میں بڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں چونچال پیری میں جوانوں کی طرح

پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
پر بھلا تکتے ہیں ایک اک کا یگانوں کی طرح

آس کھیتی کے پنپنے کی انہیں ہو یا نہ ہو
ہیں اسے پانی دیئے جاتے کسانوں کی طرح

ان کے غصّے میں ہے دلسوزی ملامت میں ہے پیار
مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح

کام سے کام اپنے ان کو۔ گو ہو عالم نکتہ چین
رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

طعن سُن سُن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار
دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

کیجے کیا حالی۔ نہ کیجے سادگی گر اختیار
بول بن آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

خ

مے مُغاں کا ہی چسکا اگر بُرا اے شیخ
تو ایسی ہی کوئی چاٹ اور بھی لگا اے شیخ

ریا کو صدق سے ہے جام مے بدل دینا
تمہیں بھی ہو کوئی یاد ایسی کیمیا اے شیخ

وہ نکلے بھان متی جو بناتے تھے اکسیر
تماشے دیکھے ہیں یہ ہمنے بارہا اے شیخ

غرورِ فقر و غرورِ غنا میں فرق ہے کیا؟
تجھی پہ رکھتے ہیں ہم منحصر بتا اے شیخ؟

زباں پہ ہوتی ہی مُہر انکی جو ہیں محرم راز
پھر ایسا کیجیو ہرگز نہ ادّعا اے شیخ

قطعہ

۱ خبر بھی ہے تمہیں؟ کیا بن رہی ہے بیڑے پر
ہیں آپ جو لئے بیڑے کی ناخدا اے شیخ؟

۲ وہ ڈوبتوں سے الگ رہتے ہیں جو ہیں تیراک
شناوری کا بھی گر ہے۔ مرحبا اے شیخ

گوزن و گو رہیں بچپن سے تارکِ دُنیا
نہایت آپکی ہی۔ اُن کی ابتدا اے شیخ

کمال حسنِ عقیدت سے آیا تھا حالی
یہ خانقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ!

د

شادی کے بعد غم ہے فقیری غنا کے بعد
اب خوف کے سوا ہی دھرا کیا رجا کے بعد

ہے سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور
ہوتی ہی عافیت کی توقع بلا کے بعد

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

گر درد دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا
آتی ہی دل کی موت تطراس شفا کے بعد

یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے اُسکی یاد
آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد

کرتے رہے خطا میں ندامت کے بعد ہم
ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد

آخر کو ماننا پڑا اے نفسِ خیرہ سر
تیرا بھی حکم کم ہنیں حکم قضا کے بعد

مدت سے تھی دُعا کہ "ہوں بدنام شہر شہر" ۔ یا رب ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سن لو اور صدائیں جگر خراش
دلکش صدا سنو گے نہ پھر اس صدا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہے رجا اے زاہد
تیرا قبلہ ہے جُدا میرا جُدا اے زاہد

در گذر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے
تو ترا اور کوئی ہوگا خدا اے زاہد

ہم دکھا دیں گے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور
کچھ بہت دُور نہیں روزِ جزا اے زاہد

قربِ حق کے لئے کچھ سوزِ نہاں بھی ہے ضرور
خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اے زاہد

میں تو سو بار ملوں دل نہیں ملتا تم سے
تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد

جال جب تک ہے یہ پھیلا ہوا دینداری کا
فکرِ دُنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد

عیب حالی کے بہت آج کئے تُو نے بیاں
ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اے زاہد

ذ

پیاس تیری بُو سے ساغر سے لذیذ ۔ بلکہ جامِ آبِ کوثر سے لذیذ
جس کا تو قاتل ہو پھر اس کے لئے ۔ کونسی نعمت ہے خنجر سے لذیذ
لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب ۔ ہمکو ہے سب شہد و شکر سے لذیذ

قند سے شیریں تری پہلی نگاہ — دوسری قندِ مکرر سے لذیذ
جا تجھ میں جس بھوک کی بھولے نہ تو — بھوک ہے وہ شیرِ مادر سے لذیذ
ہے یہ تجھ میں کس کی بو باس اے صبا — بوئے بیدِ مشک و عنبر سے لذیذ
جو قناعت کے ہیں حالی میہماں — اُن کو فاقے ہیں مزعفر سے لذیذ

ر

ہے یہ تکیہ تری عطاؤں پر — وُہی اصرار ہے خطاؤں پر
رہیں ناآشنا زمانے سے — حق ہے تیرا یہ آشناؤں پر
رہرو! باخبر رہو کہ گماں — رہزنی کا ہے رہنماؤں پر
ہے وہ دیر آشنا تو عیب ہے کیا — مرتے ہیں ہم انھیں اداؤں پر
اُسکے کوچہ میں ہیں وہ بے پر و بال — اُڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر
شہسواروں پہ بند ہے جو راہ — وقف ہے یاں برہنہ پاؤں پر
نہیں منعم کو اُس کی بوند نصیب — مینہ برستا ہے جو گداؤں پر
نہیں محدود بخششیں تیری — زاہدوں پر نہ پارساؤں پر
حق سے درخواست عفو کی حالی
کیجے کس منہ سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر — ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر
جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار — عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دوست اسکے ہیں نہ اس کے آشنا — گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر
خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم — گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر نر
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقیں — کرتے ہیں نفرت بدی سے جسقدر
کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب — کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر

اگر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم — کرتے ہیں رسوا اُسے دل کھول کر
کی نہیں جس نے کبھی کوئی بدی — شکر کے ہیں اُس کے خواہاں عمر بھر
ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب — ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احساں اگر
عیب کچھ گنتے نہیں اُس عیب کو — جس سے ہوں اپنے سوا سب بے خبر
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں — کھینچ کر لاتے ہیں اُسکو سوئے شر
بنتے ہوں یاروں کے ناصح تاکہ ہو — عیب اُنکا ظاہر اور اپنا ہنر
دوست اک عالم کے پر مطلب کے دوست — ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون
خواہش تحسیں ہے حضرت کو مگر

ہو گی نہ قدر جان کی قرباں کئے بغیر — دام اُٹھیں گے نہ جنس کے ارزاں کئے بغیر
گو ہو شفا سے یاس پہ جبتک ہے دم میں دم — بن آئیگی نہ درد کا درماں کئے بغیر
بگڑی ہوئی بہت ہے کچھ اس باغ کی ہوا — یہ باغ کو رہے گی نہ ویراں کئے بغیر*
عزت سے اپنی یاروں کو کچھ آپڑی ہے چند — چھوڑینگے ہمچناں کو نہ ہمچاں کئے بغیر
مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام — مشکل کو ہم ٹلیں گے نہ آساں کئے بغیر
گو مے ہے تند و تلخ پہ ساقی ہے دلربا — اے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کئے بغیر
تکفیر جو کہ کرتے ہیں ابنائے وقت کی — چھوڑیگا وقت انہیں نہ مسلماں کئے بغیر

حالی کٹے گا کاٹنے ہی سے یہ بیستون
حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کئے بغیر

ڑ

گھر ہے وحشت خیز اور بستی اُجاڑ — ہو گئی ایک اک گھڑی تجھ بن پہاڑ

* آمادہ دہر پردہ دری پر ہے قوم کی — محروم کو رہے گا نہ عریاں کئے بغیر

آج تک قصرِ اَمَل ہے نا تمام | بندھ چکی ہے بارہا کھل کھل کے پاڑ
ہے پہونچنا اپنا چوٹی تک محال | اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ
کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار | پر نہیں زاہد کوئی ٹٹی کی آڑ
دل نہیں روشن۔ تو ہیں کس کام کے | شو شبستاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ
عید اور نوروز ہے سب دل کے ساتھ | دل نہیں حاضر تو دُنیا ہے اُجاڑ
کھیت رستے پر ہے اور رہرو سوار | کشت ہے سر سبز اور نیچی ہے باڑ
بات واعظ کی کوئی پکڑی گئی | اِن دنوں کم تر ہے کچھ ہم پر لتاڑ

تم نے حالی کھول کر ناحق زبان
کرلیا ساری خدائی سے بگاڑ

ز

عہدِ وصال دل نے بھلایا نہیں ہنوز | عالم مری نظر میں سمایا نہیں ہنوز | ق
پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز | جھونکا نسیمِ مصر کا آیا نہیں ہنوز
لگ جائے دل نہ منزلِ مقصود میں کہیں | ہم جسکو ڈھونڈھتے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز
آیا نہ ہوگا اُس کو تغافل میں کچھ مزا | ذوقِ نگاہ ہمنے جتایا نہیں ہنوز
ایمن میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا | اُس نے نقاب رُخ سے اُٹھایا نہیں ہنوز
یاں وے چکی جواب اُمیدِ جوابِ خط | واں نامہ بر نے بار بھی پایا نہیں ہنوز
پایا ہی ذوق و شوق میں ہم کو بھرا ہوا | کافر نے اختلاط بڑھایا نہیں ہنوز
کیا دل سے بعد مرگ بھی جاتی نہ تیری یاد | بھولے ہیں کہ تجھ کو بھلایا نہیں ہنوز
سرمایہٴ خلافِ دو عالم ہے رازِ دل | باتوں میں ہم نے زہر ملایا نہیں ہنوز

کس نشہ میں ہے چور خدا جانے اسقدر
حالی نے جام منھ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منھ میں نہ جانا ہرگز
دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ، ہرگز

عشق بھی تاک میں بیٹھا ہی نظر بازوں کی
دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز

زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی
زد میں تیر صف مژگاں کی نہ جانا ہرگز

چاہت اک طلعت مکروہ ہی برقع میں نہاں
کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز

ہاتھ ملنے ہوں پیری میں اگر حسرت سے
تو جوانی میں نہ یہ روگ بسانا ہرگز

جتنے رستے تھے ترے ہو گئے ویراں ای عشق؟
آکے ویرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز

کوچ سب کر گئے دلی سے ترے قدرشناس
قدریاں رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز

تذکرہ دلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائیگا ہم سے یہ فسانا ہرگز

داستاں گل کی خزاں میں نہ سنا ای بلبل
ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز

ڈھونڈتا ہے دل شوریدہ بہانے مطرب
دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئیں گی
کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

موجزن دل میں ہیں یاں خون کے دریا ای چشم
دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز

لیکے داغ آئیگا سینے پہ بہت اے سیاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانا ہرگز

مٹ گئے تیرے مٹانیکے نشاں بھی اب تو
اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی انھیں بھول گئے
ایسا بدلا ہی نہ بدلے گا زمانا ہرگز

جسکو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں
نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز

ہمکو گر تونے رلایا تو رلایا اے چرخ
ہمپہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز

یار خود روئیں گے کیا انپہ جہاں روتا ہی
انکی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز

آخری دور میں بھی تجھکو قسم ہے ساقی
بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز

بخت سوئے ہیں بہت جاگ کے ای دور زماں
نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز

یاں سے رخصت ہو سوئے کہیں اے عیش و نشاط | نہیں اس دیس میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز
کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی | ہمکو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی ہرگز | یاد کر کر کے اُسے جی نہ کڑھانا ہرگز
غالب و شیفتہ و نیر و آزردہ و ذوق | اب دکھائیگا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز
مومن و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد | شعر کا نام نہ لیگا کوئی دانا ہرگز
کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہمکو | ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانا ہرگز
داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں | نہ سنیگا کوئی بلبل کا ترانا ہرگز
رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر | اب نہ دیکھو گے کبھی لطفِ شبانا ہرگز

بزم ماتم تو نہیں - بزم سخن ہے حالی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رُلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز | ہمنے دیکھے بہت نشیب و فراز
عشق کی آنچ اس میں پاتا ہوں | دل وزا دیکھتا ہوں جس کا گداز
شیخ! اللہ رے تری عیاری | کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز
اک پتے کی جو ہمنے کہدی آج | رنگ واعظ کا کر گیا پرواز
ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری | تو گئی بھول ہم کو خاکِ حجاز
آج منکر بھی ناچ اٹھیں گے | گر مغنی کی ہے یہی آواز

قطعہ

خیر ہے اے فلک کہ چار طرف[1] ۱ | چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز
رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا ۲ | ہیں دگرگوں زمانہ کے انداز
ہوتے جاتے ہیں زورمند ضعیف | بنتے جاتے ہیں مبتذل ممتاز

[1] یہ قطعہ اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ ترکی کو سلطان عبد العزیز خاں کے قتل کے بعد سرویہ - مانٹینگرو اور روس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر صدمہ پہونچا - ۱۲ (حالی)

چھپتے پھرتے ہیں کبک و تیہو سے	۴	گھونسلوں میں عقاب اور شہباز
ہے نہتوں کو رہگذر میں خطر	۵	رہزنوں نے کئے ہیں ہاتھ دراز
ٹڈیوں کا ہے کھیتیوں پہ ہجوم	۶	بھیڑیوں کے ہیں خون میں تر لب آز
ناتوانوں پہ گدھ ہیں منڈلاتے	۷	گھاتوں پر ہیں ہیر تیر انداز
تشنۂ خوں ہیں بھوکے شیروں کے	۸	حیلہ گر روبہوں کے عشوۂ ناز
دشمنوں کے ہیں دست خود جاسوس	۹	اور یاروں کے یار ہیں غماز
ہوگا انجام دیکھیے کیا کچھ	۱۰	ہے پر آشوب جبکہ یہ آغاز
نے ابھی تک کھلی نہیں لیکن	۱۱	غیب سے آرہی ہے کچھ آواز
وقت نازک ہے اپنے بیڑے پر	۱۲	موج حائل ہے اور ہوا ناساز
یا تھپیڑے ہوا کے لے ابھرے	۱۳	یا گیا کشمکش میں ڈوب جہاز
کام اُسے اپنے سونپ دو حالی	۱۴	نہیں جس کا شریک اور انباز
ہو وہ مالک ڈبوئے خواہ ترائے	۱۵	چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذب رحمت ہے مقناطیس عصیاں اپنے پاس
رکھتے ہیں عاصی کمند صید غفراں اپنے پاس
عاجزوں سے معتذر رکھتے ہیں اکثر درگزر
عجز اپنا ہے کلید باب رضواں اپنے پاس
ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
عذر خواہ اپنا ہے خود فرمان سلطاں اپنے پاس
بام تبلایا بلند اور نارسا بخشی کمند
رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہاں اپنے پاس

خاک میں ہمنے ملا رکھی ہے اکسیر اپنی۔ آپ
ورنہ ہے ہر درد کا موجود درماں اپنے پاس

دست بُردِ اہرمن کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
ہے بحمد اللہ وہ مُہرِ سلیماں اپنے پاس

دیکھا حالی نہ دینا وضع فطرت کو بدل
ہے یہ دستاویز اختلافِ رحماں اپنے پاس

چھیڑ اب نہ اے تصورِ مژگانِ یار بس
کافی ہے خار خارِ غمِ روزگار بس

یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے
غمخواری اپنی رہنے دے اے غمگسار بس

ہر داغ فصلِ گل کی نشانی ہے اے صبا
گلگشت کو بہت ہے دلِ داغدار بس

ڈرہی دلوں کیا تھا امیدیں بھی لٹ نہ جائیں
اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس

دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ
یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس

آتا نہیں نظر کہ ہو یہ رات اب سحر
کی نیند کیوں حرام بس اے انتظار بس

تھوڑی ہی رات اور کہانی بہت بڑی
حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

اک ہم کو مہم بر سرِ ایام ہے درپیش
بنتا نظر آتا نہیں جو کام ہے درپیش

غفلت ہے کہ گھیرے ہوئے ہے چار طرف سے
اور معرکہ گردشِ ایام ہے درپیش

وہ دن گئے جب تھا مرضِ صعب کا آغاز
اب اُس مرضِ صعب کا انجام ہے درپیش

گو صبح بھی تھی روزِ مصیبت کی قیامت
پر صبح تو جوں توں کٹی اب شام ہے درپیش

وہ وقت گیا۔ نشہ تھا زوروں پہ جب اپنا
اب وقت خمارِ مے گلفام ہے درپیش

اُمیدِ شفا کا تو جواب آ ہی چکا ہے
اب موت کا سُننا ہمیں پیغام ہے درپیش

جی اُس کا کسی کام میں لگتا نہیں زنہار
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے اسکی مختص ہیں عطائیں خاص خاص
ہر مرض کو راس ہیں جیسے دوائیں خاص خاص

دل تو اپنا پھر چکا ہے زالِ دُنیا سے ۔ مگر
رہزنِ دل ہیں ابھی اُس کی ادائیں خاص خاص

گو زمانہ نے بھلا دی دل سے اپنے فصلِ گل
یاد ہیں لیکن وہ بلبل کی صدائیں خاص خاص

زُہد و تقویٰ سے نہیں ہوتیں دُعائیں مستجاب
وقت ہیں کچھ خاص خاص اور ہیں ادائیں خاص خاص

یُوں تو ہے اُمید سب کچھ ۔ پر نہوں شاید معاف
وہ جو کی ہیں ہمنے اے حالی خطائیں خاص خاص

درد ۔ اور درد کی ہے سب کے دوا ایک ہی شخص
یاں ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص

حُور و غلماں کے لئے لائیں دل آخر کس کا
ہونے دیتا نہیں یاں عہدہ برآ ایک ہی شخص

قافلے گذریں وہاں کیونکہ سلامت واعظ
ہو جہاں راہزن اور راہنما ایک ہی شخص

قیس سا پھر کوئی اُٹھا نہ بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

جمگھٹے دیکھے ہیں جن لوگوں کے اِن آنکھوں نے
آج ویسا کوئی دے ہم کو دِکھا ایک ہی شخص
گھر میں برکت ہے۔ مگر فیض ہی جاری شب و روز
کچھ سہی شیخ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص
اعتراضوں کا زمانہ کے ہے حالیؔ پہ نچوڑ
شاعر اب ساری خدائی میں ہے کیا ایک ہی شخص؟

ض

عشق کو ترکِ جنوں سے کیا غرض ۔۔۔ چرخِ گرداں کو سکوں سے کیا غرض
دل میں ہے اے خضر گر صدقِ طلب ۔۔۔ راہرو کو رہنموں سے کیا غرض
حاجیو! ہے ہم کو گھر والوں سے کام ۔۔۔ گھر کے محراب و ستوں سے کیا غرض
گنگنا کر آپ رو پڑتے ہیں جو ۔۔۔ اُن کو چنگ و ارغنوں سے کیا غرض
نیک کہنا نیک جس کو دیکھنا ۔۔۔ ہم کو تفتیشِ دروں سے کیا غرض
دوست ہیں جب زخمِ دل سے بیخبر ۔۔۔ اُن کو اپنے اشکِ خوں سے کیا غرض
عشق سے ہے مجتنب زاہد عبث ۔۔۔ شیر کو صیدِ زبوں سے کیا غرض
کر چکا جب شیخ تسخیرِ قلوب ۔۔۔ اب اُسے دُنیائے دوں سے کیا غرض
آ رہے ہو حالیؔ سپر تسلیم یاں
آپ کو چون و چگوں سے کیا غرض

دوست کا ناروا نہیں اعراض ۔۔۔ دوستوں ہی کا کام ہے اغماض
چاہیئے ایک سب کا ہو مقصود ۔۔۔ گو ہوں سب کے جُدا جُدا اغراض
یاد میں تیری سب کو بھول گئے ۔۔۔ کھو دیئے ایک دُکھ نے سب امراض
دیکھئے تو بھی خوش ہے یا ناخوش ۔۔۔ اَور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض

لَا اُبَالِیْ بِاَنْ یُّعَاتِبُنِیْ | کُلُّ نَاسٍ وَّ اَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ
منعمو! بذلِ خیر میں یہ دریغ | اپنا مطلب اور اس پہ تلو اغماض
حق میں اپنوں کے سخت ممسک ہیں | جو کہ اوروں کے حق میں ہیں فیاض
رائے ہے کچھ علیل سی تیری | نبض اپنی بھی دیکھ اے نبّاض
وعظ میں گُل کترتے ہیں واعظ | منہ میں اُن کے زباں ہے یا مقراض
ہے فقیہوں میں اور ہم میں نزاع | هَلْ لَنَا فِیْ نِزَاعِنَا مِنْ قَاضٍ
ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد | خار کش تجھ سے ہے سوا مرتاض
شیخ کی تھی یہ آخری تلقین | "چاہیئے زر تو اس سے کر اعراض"

ایسی غزلیں سُنی نہ تھیں حالی
یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض؟

ط

رات گذری ہو چکا دورِ نشاط | طے ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط
دل سے خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر | نام تھا شاید جوانی کا نشاط
دن اب ایدل منقبض رہنے کے ہیں | ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط
غنچہ چٹکا اور آ پہونچی خزاں | فصلِ گُل کی تھی فقط اتنی بساط
زینۂ منبر ہے لغزش کی جگہ | جا بیو واعظ اسے راہِ صراط
تُو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ! | ہم کریں پینے میں کیوں پھر احتیاط

کوچ کی حالی کرو تیاریاں،
ہے قویٰ میں دمبدم اب انحطاط

ظ

چھپے ہیں حریفوں میں احرار واعظ

بُرا کہہ نہ رندوں کو زنہار واعظ

سدا قہر ہی قہر ہے عاصیوں پر
نہ ستار ہے تُو نہ غفار واعظ

نکل آئے گی میکشی کی بھی حلت
کوئی مل گیا گر ہمیں یار واعظ

کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن
سُنا ہے کہ ہوتے ہیں عیّار واعظ

ہمیں اور بھی تجھ سے کرتے ہیں بدظن
یہ جُبّہ۔ یہ ریش اور یہ دستار واعظ

نہ چھوڑے گا زیور گھر دیں نہ زر تو
یہی ہے اگر حسن گفتار واعظ

مسلماں نہ ہم کاش حالی کو کہتے
ہوئے بات کہہ کر گنہگار واعظ!

ع

اے بہارِ زندگانی الوداع | اے شباب اے شادمانی الوداع
اے بیاضِ صبحِ پیری السلام | اے شبِ قدرِ جوانی الوداع
السلام اے قاصدِ مُلکِ بقا | الوداع اے عمرِ فانی الوداع
روزگارِ ضعف و سستی الصلا | وقتِ سعی و جانفشانی الوداع

قطعہ

فرصتِ عشق و جوانی الفراق | ۱ دورِ عیش و کامرانی الوداع
تجھ کو سمجھے تھے نعیمِ جاوداں | ۲ اے نعیمِ جاودانی الوداع
تیرے جاتے ہی گئیں سب خوبیاں | ۳ اے خدا کی مہربانی الوداع

آلگا حالیؔ کنارے پر جہاز
الوداع اے زندگانی الوداع

غ

کل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ
دیکھ اس خرامِ ناز پہ اتنا نہ کر دماغ
ہے تاک میں عقاب تو شہباز گھات میں
حملے سے یاں اجل کے نہیں ایکدم فراغ
یارب نگاہِ بد سے چمن کو بچائیو
بُلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ
دو چار گام نقشِ قدم مِل کے رہ گئے
آگے چلا نہ آہوئے مشکیں کا کچھ سُراغ
آئیں پئیں وہ شوق سے جو اہلِ ظرف ہوں
ساقی بھرے کھڑا ہے مئے لعل سے ایاغ
جنگل میں تختۂ گُلِ خودرَو کو دیکھ کر
تازہ ہوا زمانہ کی ناقدریوں کا داغ

حالیؔ بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزمِ شعر میں
باری تب اُن کی آئی کہ گُل ہوگئے چراغ

ف

حق نہ مُلّا نے کچھ بتایا صاف ۔۔۔ اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف
آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھُلی ۔۔۔ مہرِ روشن نظر نہ آیا صاف
کبھی دشمن سے بھی نہ کھٹکے ہم ۔۔۔ صاف تھے آپ سب کو پایا صاف

زاہد و ہم تو تھے ہی آلودہ — تم کو بھی ہمنے کچھ نہ پایا صاف

کیوں فقیہوں سے رک گئے حالی
بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں بار کے لایق — نہ اپنا کلبۂ احزاں ہے یار کے لایق

کریگا کیا ترا کحل الجواہر اے کحّال — نہیں یہ آنکھ ہی دیدار یار کے لایق

مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ — بہت ہے زندگی مستعار کے لایق

غرور و حرص ہیں زیور عروس دنیا کے — بناو تھے یہی اِس نابکار کے لایق

کریگی بادِ بہار آکے اب کسے سرسبز — رہا نہ باغ قدومِ بہار کے لایق

بس اب ہے فضلۂ روباہ و گرگ پر گذران — رہا نہ شیر ژیاں خود شکار کے لایق

گنہ کا عذر کریں محتسب ہم آنکھوں سے — ہمارے جرم ہیں گر اعتذار کے لایق

گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہے حالی — تمہیں تو شہر میں ہو اعتبار کے لایق

یہ ہمنے مانا کہ تم میں ہنر بھی ہیں کچھ کچھ — مگر نہیں کوئی خوبی شمار کے لایق

ک

دلوں کا کھوٹ اگر کھیے برملا ایک ایک — تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک

سلامتی کو وہاں قافلوں کی رو بیٹھیں — جہاں ہے راہزنِ خلق رہنما ایک ایک

زمانہ پھر نظر آتا ہے پھر ترقی پہ — بنا ہے خوشۂ زماں آجکل گدا ایک ایک

رہا ہوں رند بھی اے شیخ پارسا بھی میں — مری نگاہ میں ہے رند و پارسا ایک ایک

وفا کی ایک تجھی سے امید ہے اسوقت — کہ یار یار سے ہو جائیگا جدا ایک ایک

چھپا کے اس سے فقط اپنے ہم بہت شرمائے — جب آپ منھ سے لگی بولنے خطا ایک ایک

ہوا نہ ایک بھی حق اسکی بندگی کا ادا — کیا ہے جس نے حقِ خواجگی ادا ایک ایک

امیر حاج کی ہمت میں گر نہ آئے قصور
تو موجِ بحر ہے کشتی کی ناخدا ایک ایک

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو
ورق جب اسکا اُڑا لے گئی ہوا ایک ایک

بہار نے بھی نہ بلبل تری بجھائی آگ
جگر کے پار ہے اب بھی تری نوا ایک ایک

وہ عشق ہے نہ جوانی۔ وہ تو ہے اب۔ نہ وہ ہم
پہ دل پہ نقش ہے اب تک تری ادا ایک ایک

نہ ہم رہیں گے نہ حالی۔ پہ دلخراش جہاں،
رہے گی حالیٔ دلگیر کی صدا ایک ایک

گ

عالمِ آزادگاں ہے اک جہاں سب سے الگ
ہے زمیں اُن کی اور اُن کا آسماں سب سے الگ

پاک ہیں آلائشوں میں۔ بندشوں میں بے لگاؤ
رہتے ہیں دُنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ

دوست کے ہیں جاں نثار اپنا ہو یا بیگانہ ہو
ہے عشیرہ اور اُن کا دُودماں سب سے الگ

سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
ہے کوئی بھیدی اور اُن کا رازداں سب سے الگ

جانچتے اوروں کو ہیں خود لے کے اپنا امتحان
رکھتے ہیں اپنا طریقِ امتحاں سب سے الگ

اک چمن بھر تفرّج رکھتے ہیں زیرِ بغل
روضۂ دلبتان و فردوس و جناں سب سے الگ

کلبۂ احزاں ہے روشن اُن کا جس مہتاب سے
ہے وہ نورِ مہر و ماہ و کہکشاں سب سے الگ

سیکڑوں پھندوں میں یاں جکڑا ہوا ہے بند بند
پر ٹٹولے کوئی دل اُن کا تو واں سب سے الگ

شاعروں کے ہیں سب انداز سخن دیکھے ہوئے
درد مندوں کا ہے دُکھڑا اور بیاں سب سے الگ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دُکاں سب سے الگ

صلح ہے اک مُہلتِ سامانِ جنگ — کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفنگ
عہدِ گیتی پر نہ پھولیں کامراں — آخر اسکی آشتی لائے گی رنگ
علم کیا۔ اخلاق کیا۔ ہتھیار کیا؟ — سب بشر کے مار رکھنے کے ہیں ڈھنگ
روٹھئے بدخو کو بدخوئی سے کیوں — آپ اپنی خو سے آجائے گا تنگ
زہد و طاعت پر جوانوں کی نہ جاؤ — یہ بھی ہے اک نوجوانی کی ترنگ
پاکبازوں کو نہیں کچھ قیدِ وضع — جو ہیں اچھے اُن پہ سب کھلتے ہیں رنگ
کام کا شاید زمانہ ہو چکا — دل میں اب اُٹھتی نہیں کوئی اُمنگ
وہ عجائب اب نظر آتے ہیں کھیل — دیکھ کر پہلے جن کو رہجاتے تھے دنگ
کاہشوں سے پرورش پاتی ہے روح — اب لگا کھایا پیا سب آکے انگ
عقل شاید مُلک میں باقی ہے کچھ — ہے ابھی کم حاصلِ افیون و بھنگ
بڑھ گیا ہے رحمِ انسانی بہت — ہو گی ایجاد اب نئی توپ اور تفنگ

قوم کو حالی نہیں راس اتفاق
پھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہمیشہ رنگ

ل

ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آجکل — یا زمانہ ہی گیا یارب بدل

رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثارِ سلف — اور ابھی ہونا ہے شاید مبتذل
اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں — ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل
کب تک آخر ٹھہر سکتا ہے وہ گھر — آگیا بنیاد میں جس کی خلل،
ناؤ ڈوبے یا کہیں کھیوا ہو پار — تیری حد بھی ہے کچھ اے طولِ اَمَل
اب لگاؤ پود کچھ اپنی نئی — لاچکے پودے بہت اگلوں کے پھل
دیکھیے نبھتا ہے کب تک پاسِ وضع — ہم نہ بدلے اور گیا عالم بدل
کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں — وقت کوشش کا گیا شاید نکل

اب سنو حالی کے نوحے عمر بھر
ہو چکا ہنگامہ مدح و غزل

م

مدرسے میں دہر کے رو بہ قضا بیٹھے تھے ہم
اُٹھے بس ویسے ہی کورے جیسے جا بیٹھے تھے ہم
پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عشوہ پہ ہیں کافر کے لوٹ
زالِ دُنیا سے ابھی ہو کر خفا بیٹھے تھے ہم
صحبتیں اہلِ ورع کی سب گئیں نظروں سے گر
بزمِ رنداں میں یُونہیں اک روز جا بیٹھے تھے ہم
شیخ! دُنیا کی حقیقت رہ کے دُنیا میں کھلی
ورنہ دھوکا۔ دُور سے دیکھ اسکو۔ کھا بیٹھے تھے ہم
ہم نہ تھے آگاہ واعظ زشت خوئی سے تری
آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم
سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر

ہاتھ ساحل ہی پہ بیڑے سے اُٹھا بیٹھے تھے ہم

ہم سے خود دُنیا ہی چھپائی نہ جاتی ورنہ یاں
دین تک دُنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
پر ہر اک خوبی میں داغ اِک عیب کا پاتے ہیں ہم

خوف کا کوئی نشاں ظاہر نہیں افعال میں
گو کہ دل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم

کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم

دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم

دل میں دردِ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
پر اُسے آلودۂ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم

ہو کے نادم جرم سے پھر جرم کرتے ہیں وہی
جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم

ہیں فدا اُن دوستوں پر جن میں ہو صدق و صفا
پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم

گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خفا
اک جہاں سے آپ کو لیکن خفا پاتے ہیں ہم

جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا
اپنے میں گر شمۂ مہر و وفا پاتے ہیں ہم

بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
گر کبھی توفیقِ ایثار و عطا پاتے ہیں ہم

ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
دردِ خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم

ٹھہرتے جاتے ہیں جتنے چشمِ عالم میں بھلے
حالِ نفسِ دوں کا اتنا ہی بُرا پاتے ہیں ہم

جس قدر جُھک جُھک کے ملتے ہیں بزرگ و خردسے
کبر و ناز اتنا ہی اپنے میں سوا پاتے ہیں ہم

گو بھلائی کرکے ہمجنسوں سے خوش ہوتا ہے جی
تہ نشیں اس میں مگر دُردِ ریا پاتے ہیں ہم

ہے ردائے نیک نامی دوش پر اپنے مگر
داغ رسوائی کے کچھ زیرِ ردا پاتے ہیں ہم

راہ کے طالب ہیں پر بے راہ پڑتے ہیں قدم
دیکھیے کیا ڈھونڈھتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم

نورکے ہمنے گلے دیکھے ہیں اے حالیؔ۔ مگر
رنگ کچھ تیری الاپوں میں نیا پاتے ہیں ہم

ق

آگے بڑھے نہ قصۂ عشقِ بتاں سے ہم — سب کچھ کہا۔ مگر نہ کھُلے رازداں سے ہم
اب بھاگتے ہیں سایۂ عشقِ بتاں سے ہم — کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم
خود رفتگیٔ شب کا مزا بھولتا نہیں — آئے ہیں آج آپ میں یارب کہاں سے ہم
دردِ فراق و رشکِ عدو تک گراں نہیں — تنگ آ گئے ہیں اپنے دلِ شادماں سے ہم
جنت میں تو نہیں اگر لے زخمِ تیغِ عشق — بدلیں گے تجھ کو زندگیٔ جاوداں سے ہم

لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نکیر آئے ہیں آج چھوٹ کے قیدِ گراں سے ہم
ہنستے ہیں اسکے گریۂ بے اختیار پہ بھولے ہیں بات کہکے کوئی رازداں سے ہم
اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو کچھ پا گئے ہیں آپ کی طرزِ بیاں سے ہم
دلکش ہر ایک قطعۂ صحرا ہے راہ میں ملتے ہیں جاکے دیکھئے کب کارواں سے ہم

لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ
پوچھیں گے جاکے حالیؔ جادو بیاں سے ہم

ن

یاروں کو تجھ سے حالیؔ اب سرگرانیاں ہیں
نیندیں اچاٹ دیتی تیری کہانیاں ہیں
یاد اس کی دل سے دھو دے اے چشمِ تر تو مانوں
اب دیکھنی مجھے بھی تیری روانیاں ہیں
بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
الفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں
غیبت ہو یا حضوری دونو بری ہیں تیری
جب بدگمانیاں تھیں اب بدزبانیاں ہیں
کہتے ہیں جس کو جنت وہ اک جھلک ہے تیری
سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں
رحمت تری غذا ہے غصہ ترا دوا ہے
شانیں ہیں تیری جتنی جانِ جہانیاں ہیں
ہوگا تو پہلے ہوگا اے چرخ مہرباں تو
کچھ ان دنوں تو ہم پر نامہربانیاں ہیں

اپنی نظر میں بھی یاں اب تو حقیر ہیں ہم
بے غیرتی کی یارو اب زندگانیاں ہیں

روتے ہیں چار رہبر ہنستے ہیں چار ہمسر
یاں تک ہماری پہونچی اب ناتوانیاں ہیں

ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں رہیں خوش
حصّہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں

خاور سے باختر تک جن کے نشاں تھے برپا
کچھ مقبروں میں باقی اُن کی نشانیاں ہیں

دیکھا نہیں ابھی تک قحط الرجال تم نے
اِس سے بھی سخت آتی آگے گرانیاں ہیں

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کرلو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

رونے میں تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی
یہ خوں فشانیاں ہیں یا گل فشانیاں ہیں

جب سے سُنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہمیں
اب نہ سنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں

کچھ روز دن غفلت میں پھرے یاں ڈھونڈھتے ہم آسایش کو
کھُل گئی دُنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا خلجان ہمیں

چل کے نئی اک چال فلک نے کھو دئیے ہوش حریفوں کے

زد سے بچیں یا بات قبولیں اتنے نہیں اوسان ہمیں
پاس اُنھیں گر اپنا ذرا ہو۔ جان اپنی بھی اُن پہ فدا ہو
کرتے ہیں خود نامنصفیاں اور سمجھتے ہیں نافرمان ہمیں
داد طلب سب غیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس نہ ہو
تبلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ پہچان ہمیں
صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھرتا تھا
دیکھ کے اُس کو سارے تمھارے آگئے یاد احسان ہمیں
یاں تو بدولت زہد و ورع کے بنھ گئی خاصی عزت سے
تن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان ہمیں
سُر تھے وُہی اور تال وُہی پر راگنی کچھ بے وقت سی تھی
غل تو بہت یاروں نے مچایا پر۔ گئے اکثر مان ہمیں
غیر سے اب وہ بیر نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں
بس کوئی دن کا اب حالی یاں سمجھو تم مہمان ہمیں

کی تو ہیں ہمنے بھی حالی کوچ کی تیاریاں
سُوجھتی ہیں راہ میں لیکن بہت دشواریاں
خوابِ راحت میں وہ لذت تیرہ ای سپری نہیں
جو جوانی میں مزا دیتی تھیں شب بیداریاں
ہیں اگر بیدردیاں اپنوں کی دل کو ناگوار
ناگوار اتنی سوا غیروں کی ہیں غمخواریاں
ہے کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادبار کی
سبکو کرنی ہونگی پوری اپنی اپنی باریاں
زیست بیعقلوں کو ہو جائے بسر کرنی محال
اتنی بھی اے عاقلو اچھی نہیں ہشیاریاں
بے مزہ ہے اہلِ دیں کی ترشروئی بھی۔ مگر
اس سے پھیکی اہلِ دُنیا کی ہیں ظاہر داریاں
گو طبیعت سے گئے سب مادے فاسد نکل
کم ہوئیں حالی نہ لیکن نفس کی بیماریاں

راز دل کی سر بازار خبر کرتے ہیں — آج ہم شہر میں خون اپنا ہدر کرتے ہیں
عقل کی بات کوئی ہمنے کہی ہے شاید — جنتی جتنے ہیں سب ہمسے حذر کرتے ہیں
جرم خالق سی سوا پاتے ہیں جرم فقہا — جبکہ ہم اپنے جرائم پہ نظر کرتے ہیں
کم ہے کم وعظ میں اتنا تو اثر ہو واعظ! — بول قوال کے جو دلمیں اثر کرتے ہیں
زہد و طاعت کا سہارا انہیں جب سی زاہد — یاد اللہ کو ہم آٹھ پہر کرتے ہیں
عیب یہ ہے کہ کرو عیب ہنر دکھلاؤ — ورنہ یاں عیب تو سب فرد بشر کرتے ہیں
غم دوزخ و مصیبت پہ کرو ناز کہ وہ — دل دکھاتے ہیں وہی جسمیں کہ گھر کرتے ہیں
جی مرکا وٹ سی جو انکی کبھی رک جاتا ہے — اک لگاوٹ میں ادھر سی وہ ادھر کرتے ہیں
اک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یارب — یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں
تلخیاں زیست کی تھوڑی سی رہی ہیں باقی — یہ مہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں
قیصر و زار کا یاں پیٹ تو بھرنا معلوم — بس ہماری ہی طرح وہ بھی گذر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ **حالی**
آپ اکثر رمضاں ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں — رخنے نکلیں گے سیکڑوں اس میں
کی نصیحت بری طرح ناصح — اور اک بس ملا دیا بس میں
ہو نہ بینا تو فرق پھر کیا ہے — چشم انسان و چشم نرگس میں
بیقدم دم ہیں خانقاہوں میں — بے عمل علم ہیں مدارس میں
دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز — اب دھرا کیا ہے اسمیں اور اس میں
ہو قبضے میں جب عنان فرس — ہیچ ہیں جو ہنر ہیں فارس میں
جس سے نفرت ہے اہل نعمت کو — وہی نعمت ہے چشم مفلس میں
ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان — درد تھوڑا بہت نہ ہو جس میں

جانور۔ آدمی۔ فرشتہ۔ خدا
آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں
آج کل چرخ صلح جو ہے بہت
دیکھیے ہو بگاڑ کس کس میں

کی ہے خلوت پسند حالی نے
اب نہ دیکھوگے اس کو مجلس میں

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں
ہیں مئے ناب کے دلال۔ قدح خوار نہیں
شہر میں اُنکے نہیں جنسِ وفا کی بکری
بھاؤ ہیں پوچھتے پھرتے پہ خریدار نہیں
کون ہے وہ گلِ رعنا پہ نواسنج نہیں؟
کون سی نرگسِ شہلا کے وہ بیمار نہیں؟
کبھی لیلیٰ پہ ہیں مفتوں کبھی شیریں پہ فدا
اور جو پھر دیکھو تو دونو سے سروکار نہیں
اٹھ نہیں سکتی سزا جرمِ وفا کی ان سے
دل پھنسا کر کہیں بنتے وہ گنہگار نہیں
عیش میں جان فدا کرنے کو تیار ہیں وہ
اور جو ہو کیل کا کھٹکا بھی تو پھر یار نہیں
نت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا ان کو
دربدر جھانکنے پھرنے سے اُنھیں عار نہیں
بوالہوس۔ کام طلب۔ بندۂ نفس اہلِ ہوا
ایک عالم ہے اسی رنگ میں دوچار نہیں
دعوئے عشق و محبت پہ نہ جانا ان کے
ان میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں

کہے حالی بھی اگر عاشقِ صادق ہو نہیں
کہدو واللہ کہ صادق نہیں زنہار نہیں

پھونکا ہے فصلِ گل نے صور آکے پھر چمن میں
اک حشر سا ہے برپا مرغانِ نغمہ زن میں
بلبل کے آگ سی کچھ تن من میں لگ رہی ہے
بجلی گری فلک سے یا گل کھلا چمن میں
بادِ صبا گئی پھونک کیا جانے کان میں کیا؟
پھولے نہیں سماتے غنچے جو پیرہن میں

چپ ہے زبانِ سوسن حیراں ہے چشمِ نرگس
قدرت کا دیکھ جلوہ نسرین و نسترن میں

ہیں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی
پڑتی ہے جان باقی بس سرو و نارون میں

ہے عید اہلِ اسلام یا موسمِ بہاراں
جنگل بسا ہوا ہے سب عطرِ یاسمن میں

منھ سے دھواں سا اُٹھا۔ لیتے ہی نامِ اسلام
بارُود بھر رہی تھی گویا لب و دہن میں

پھر زخم پھوٹ نکلا۔ حالیؔ نہ چھیڑنا تھا
فصلِ خزاں کا قصّہ ذکرِ گل و سمن میں

گو رو چکے ہیں دُکھڑا۔ سو بار قوم کا ہم
پر تازگی وہی ہے اِس قصّۂ کہن میں

وہ قوم جو جہاں میں کل صدرِ انجمن تھی
تم نے سنا بھی؟ اُس پر کیا گذری انجمن میں

پائینِ بزم بھی اب ملتی نہیں اُسے جا
رَوندَن میں ہے وہ گلبن پھولا تھا جو چمن میں

رُوبہ کی جُون میں ہے مرغوب اب وہ ملّت
تھی سہمناک کل تک جو شیر کے بَرن میں

وہ دن گئے کہ حکمت تھی مُستند یمن[1] کی

---

[1] یمن کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ "الایمانُ یمانٍ والحکمۃُ یمانیۃٌ" یعنی ایمان ہے تو یمن کا ہے اور حکمت ہے تو یمن کی ہے"۔ اسی بنا پر میر باقر داماد نے اپنے فلسفہ کا نام "حکمتِ یمانیہ" رکھا ہے"۔ ۱۲

ہے اب بجائے حکمت خاک اُڑ رہی یمن میں

وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے

ہے کال موتیوں کا اب سر بسر عدن میں

قبر اویس پر ہے بس خراب قرن کو

زندہ اویس کوئی باقی نہیں قرن میں

اس باغ کی خزاں نے کچھ خاک سی اُڑا دی

فصل بہار گویا آئی نہ تھی چمن میں

ڈالی نہ ہوگی آگے اے دورِ چرخ شاید

جو اب کے تو نے ہلچل ڈالی ہی انجمن میں

فوج اور رہبر دونوں پھرتی ہیں بے سری سی

گویا امیرِ لشکر مارا گیا ہے رن میں

خُرد و بزرگ سارے ہیں بدحواس گویا

لٹنے کی قافلے کے پہونچی خبر وطن میں

بھولی ہوئی ہیں ڈاریں ہرنوں کی چوکڑی سب

جائیں کدھر کہ ہر سُو دَوں لگ رہی ہے بن میں

حالی بس اب نہیں یاں سُننے کی تاب باقی

مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں

نوکِ زباں نے تیری سینوں کو چھید ڈالا،

ترکش میں ہے یہ پیکاں یا ہے زباں دہن میں

ق

ہی جستجو کہ خوب سی ہے خوب تر کہاں، اب ٹھیرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

ہیں دورِ جام اوّلِ شب میں خودی سی دور ہوتی ہے آج دیکھیے ہم کو سحر کہاں

یا رب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر — تھا اسکو ہمسے ربط مگر اس قدر کہاں؟
اک عمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق — رکھی ہے آج لذّتِ زخمِ جگر کہاں؟
بس ہو چکا بیان کسل و رنج و راہ کا — خط کا مرے جواب ہی اے نامہ بر کہاں؟
کون و مکاں سے ہے دلِ وحشی کنارہ گیر — اس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہی گھر کہاں
ہم جسپہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور — عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر، کہاں
ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی — دل چاہتا نہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈھتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

ق پیا ہمنے نہ جامِ بے کدورت بزمِ دوراں میں — خزاں کو لیگئے ہمراہ اگر پہنچے گلستاں میں
نہیں کچھ منحصر دلبستگی زلفِ پریشاں میں — جو دل چاہے تو اُلجھے اک غبارِ دودِ پیچاں میں
اگر چھوڑا کمندِ جذبۂ عشقِ زلیخا نے — نہ رہنے دیگا حسنِ خود نما یوسف کو کنعاں میں
تصور نے بھلایا تیرے ذوقِ شادی و غم کو — نہ کچھ کلفت ہی زنداں میں نہ کچھ راحت شبستاں میں
خوشی میں بھی نہیں رہتا خوش آتا ایک حالت پر — کہاں تک جی نہ گھبرائے الٰہی دردِ ہجراں میں
زباں تقریر سے قاصر۔ قلم تحریر سے عاجز — نہ پوچھو ہمسے کیا دیکھا ہی ہمنے بزمِ رنداں میں
فلک سے جیتے جی معلوم۔ ملنا کامِ دل ای خضر — سوائے طولِ حسرت کیا دھرا ہی آبِ حیواں میں
نہ چھوڑیگی محبت یار سے ناکام عاشق کو — نسیمِ مصر کو آنا ہی اکدن بیتِ احزاں میں
گل و نسریں تو کیا۔ فرقت میں جی تک چھوٹ جاتا ہے — ہمارا بھی کبھی لگتا تھا دل سیرِ گلستاں میں
بہت دن چاہئیں یوسف کو تا پہنچے زلیخا تک — نکلکر چاہِ کنعاں سے ابھی رہنا ہی زنداں میں

نہ دی حیرت نے حالی فرصتِ سیرِ جہاں اک دم
رہے ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیاباں میں

ق اب وہ اگلا سا التفات نہیں — جسپہ بھولے تھے اب وہ بات نہیں

مجھ کو تم پر ہے اعتمادِ وفا | تم کو مجھ سے پر التفات نہیں

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کیساتھ | زندگی موت ہے حیات نہیں

یوں نہیں گذرے تو سہل ہے لیکن | فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں

کوئی دلسوز ہو تو کیجے بیاں | سرسری دل کی واردات نہیں

ذرہ ذرہ ہے مظہرِ خورشید | جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہیں

قیس ہو کوہکن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

کچھ ہنسی کھیل سنبھلنا غمِ ہجراں میں نہیں | چاک دلمیں ہے مرے جو کہ گریباں میں نہیں | ق

کھو دیا یاس نے ذوقِ خلشِ فکرِ وصال | اک مزا تھا سو وہ اب کاوشِ پنہاں میں نہیں

ہمنے کی سیرِ چمن غور سے اے بلبلِ زار | بات چبھتی ہوئی کوئی گل و ریحاں میں نہیں

عشق نے مصر میں یہ یار زلیخا سے کہا | فتنۂ دہر ہے جو حسن وہ کنعاں میں نہیں

محتسب! صدق و صفا یاں ہے انھیں کے دم سے | مصلحت یہ بھی صحبتِ رنداں میں نہیں

یاں بھی ہے کون مکاں سے دلِ وحشی آزاد | جس کو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں

ٹھیرتے ٹھیرتے دل یوں ہی ٹھہر جائیگا | بات جو آج ہے وہ کل غمِ ہجراں میں نہیں

کس طرح اسکی لگاوٹ کو بناوٹ سمجھوں | خط میں لکھا ہے وہ القاب جو عنواں میں نہیں

دی ہے واعظ نے کن آداب کی تکلیف نہ پوچھ | ایسے الجھاؤ ترے کاکلِ پیچاں میں نہیں

آدمی ہو تو کبھی پاسِ محبت سے نہ جائے | اب بھی کہتے ہیں کہ "ہم غیر کے نقصاں میں نہیں"

بیقراری تھی سب امیدِ ملاقات کے ساتھ | اب وہ اگلی سی درازی شبِ ہجراں میں نہیں

حالیٔ زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز
یہ تو آثار کچھ اس مردِ مسلماں میں نہیں

غمِ فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں | شادیٔ وصل بھی عاشق کو سزاوار نہیں | ق

خوبروئی کے لئے زشتیٔ خو بھی ہے ضرور — سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا طرحدار نہیں
قول دینے میں تامل نہ قسم سے انکار — ہم کو سچا نظر آتا کوئی اقرار نہیں
کل خرابات میں اک گوشہ سے آتی تھی صدا — "دل میں سب کچھ ہے مگر رخصتِ گفتار نہیں"
حق ہو اُس سے ادا اُس کی وفاداری کا — جسکے نزدیک جفا باعثِ آزار نہیں
دیکھتے ہیں کہ پہونچتی ہے نہاں کون سی راہ — کعبہ و دیر سے کچھ ہم کو سروکار نہیں

ہوں گے قائل وہ ابھی مطلعِ ثانی سُن کر
جو تجلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

ق
میں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں — اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں
کچھ پتا منزلِ مقصود کا پایا ہم نے — جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں
چشمِ بد دُور بہت پھرتے ہیں اغیار کے ساتھ — غیرتِ عشق سے ابتک وہ خبردار نہیں
ہو چکا ناز اُٹھانے میں ہے گو کام تمام — للّٰہ الحمد کہ باہم کوئی تکرار نہیں
مدتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا — دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہیں
اصل مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتا — ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں؟

بات جو دلمیں چھپائے نہیں بنتی **حالی**
سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

وحشت میں تھا خیالِ گل و یاسمن کہاں — لائی ہے بوئے اُنس نسیمِ چمن کہاں
ہے بندگی کے ساتھ یہاں ذوقِ دید بھی — جائیگا دیر چھوڑ کے اب برہمن کہاں
اہلِ طریق جس کو سمجھتے ہیں زادِ راہ — واں دخل دست برد کو ای راہزن کہاں
فصلِ خزاں کمیں میں ہے صیاد گھات میں — مرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں
لاتا ہے دل کو وجد میں اک حرفِ آشنا — لیجائے ہم کو دیکھئے ذوقِ سخن کہاں
جی ڈھونڈھتا ہے بزمِ طرب میں انھیں مگر — وہ آئے انجمن میں تو پھر انجمن کہاں

دل ہو گیا ہے لذتِ غربت سے آشنا | اب ہم کہاں ہوائے نشاطِ وطن کہاں
کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے | شکوے کو لے گیا ہے وہ بیدادفن کہاں

روکا بہت کل آپ کو حالی نے واں مگر
جاتا ہے محوِ شوق کا دیوانہ پن کہاں

کہاں فکر میں اب وہ جولانیاں | وہ دریائے معنی کی طغیانیاں
کہاں وہ طبیعت کی رنگینیاں | وہ بزم سخن میں گل افشانیاں
کہاں اب وہ جلسوں میں احباب کے | سخن سنجیاں اور سخن رانیاں
دکھائی جو ہیں دورِ گردوں نے آنکھ | گئے بھول ساری غزل خوانیاں
جھکے بن زمانہ سے بنتی نہیں | رگڑنی ہیں یہاں سب کو پیشانیاں
لگے بڑھنے جیسے کہ ہوش و خرد | ق لگیں ساتھ بڑھنے پریشانیاں
بڑھاپے کی دانائی سے کر کوئی | بدل دے وہ بچپن کی نادانیاں
اگر راست گوئی کی جرأت نہیں | ق تو جھوٹی ہیں واعظ کی لسّانیاں
منادی نہیں حق کی کچھ دل لگی | بہت یاں ہیں درکار قربانیاں
گئے جھیل چپ چاپ گر مشکلیں | یہی مشکلیں ہیں پھر آسانیاں
ہوناپید جس ملک میں اتفاق | ہیں آبادیاں واں کی ویرانیاں
بھریں خرقہ پوش اب کوئی اور روپ | یہ شکلیں تو ہیں جانی پہچانیاں
وہی لیگئے یہاں سے زادِ سفر | گئے جھاڑ جو اپنی ہمیانیاں
لگاؤ نہ اس دارِ فانی سے دل | ق[۱] عیاں اسکی ہیں سست پیمانیاں
جو یہاں آج ہے جوشِ عیش و نشاط | تو کل حسرتوں کی ہیں طغیانیاں
پھر آرام برسوں نہیں یہاں نصیب | اگر چار دن ہیں تن آسانیاں
"چمن ہے کہ ہے سیمیائی نمود" | یہ کہتی ہیں نرگس کی حیرانیاں

[۱] یہ قطعہ روس اور جاپان کی لڑائی کے زمانہ میں لکھا تھا - ۱۲

گل۔ آوازِ بلبل پہ ہیں ہنس رہے | کہ دُکے دن کی ہیں یہ خوش الحانیاں"
متاعِ وفا کا ہے دُنیا میں کال | مگر گاہکوں کی ہیں ارزانیاں
لگا دیتے ہیں اسکی قیمت میں جو | شہنشاہیاں اور سلطانیاں
کھلونوں پہ مرتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ | یہ داناؤں کی یہاں ہیں نادانیاں
جھپٹتے ہیں مُردار کی پا کے بُو | یہ ہیں شیر مردوں کی جولانیاں
بنی نوع کے دوست کرتے ہیں آہ | بنی نوع پر آتش افشانیاں
کلیجے کے ٹکڑوں سے ہوتی ہیں یہاں | سدا چیل کوّوں کی مہمانیاں
جہاں سوزیوں کا ہے گویا کہ نام | جہانداریاں اور جہانبانیاں
ڈبوتی ہیں آخر کو منجدھار میں | یہ فرعونیاں اور ہامانیاں

محبت کا دُنیا کے حالی مآل
پشیمانیاں ہیں پشیمانیاں

ق

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں | مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں
قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح | لگا دو آگ کوئی آشیاں میں
کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہو لیں | دھرا کیا ہے اشاراتِ نہاں میں
کہیں انجام آپہونچا وفا کا | گھُلا جاتا ہوں اَبکے امتحاں میں
نیا ہے لیجیے جب نام اُس کا | بہت وسعت ہے میری داستاں میں
دلِ پُر درد سے کچھ کام لوں گا | اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

و

ق

مرے دل میں ہو۔ گو مجھسے نہاں ہو | مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو

نہ چھیڑوں تذکرہ وصلِ عدو کا ۔ اگر سمعِ مبارک پر گراں ہو
تقاضائے محبت ہے - وگرنہ ۔ مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو
بہت بیقدر ہوں محفل میں تیری ۔ کہیں ناخواندہ تو بھی میہماں ہو
مجھے ڈالا ہے سَو وہم و گماں میں ۔ بہت کیوں آج مجھ پہ مہرباں ہو
کمر خوں پر ہمارے باندھ رکھئے ۔ جسے سُننی ہماری داستاں ہو

مؤثر ہے بہت حالی ترا وعظ
کل اُسکے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

حکم ہے پیرِ مغاں کا کہ جوانی نہ گنواؤ ۔ خیر کفارۂ عصیاں ہے پیو اور پلاؤ
دل کو کس طرح سمجھئے کہ وہی ہے یہ دل ۔ وہ اُمیدیں نہ وہ ارماں وہ اُمنگیں ہیں نہ چاؤ
یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر ۔ تو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے ہیں برتاؤ
دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسی کا نہیں دوست ۔ سچ بتا تجھکو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ
تو وہی برقِ جہاں سوز ہی بن خواہ نہ بن ۔ ہے برابر ترا بے ساختہ پن اور بناؤ
ایک ہی دوست اور اُس سے ہمیں چھٹواتے ہو ۔ ناصحو اب ہمیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ؟
ہوگیا ذکرِ قیامت تو اجیرن واعظ ۔ باتیں کچھ اور کرو - قصّہ کوئی اور سُناؤ
تجھ کو اے ابرِ بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا ۔ ایک ہی بار تم اے بادلو؟ اسطرح نہ چھاؤ
پہونچ اے خضر کہ ہے وقت مددگاری کا ۔ ڈگمگاتی ہی بہت دیر سے منجدھار میں ناؤ
دیکھیں کس طرح نہ سرسبز ہو پھر کشتِ اُمید ۔ آؤ اور ندیاں آج آنسوؤ نکل کے بہاؤ
اے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت تو بک ۔ آجکل کیجئے کیا؟ ہے یہی بازار کا بھاؤ
قافلے ساتھ کے جا پہنچے حرم کے لگ بھگ ۔ وقت اب ہاتھ سے جاتا ہے جو آتے ہو تو آؤ

اُس کے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

ھ

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ
فقیروں کی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ

ہر اک کو نہیں ملتی یاں بھیک اہد
بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ

کچھ اور آؤ بنکر تم اے میر و مرزا
نہیں پوچھتے یاں حسب اور نسب کچھ

یہ طبلِ تہی ہیں جو نکارتے ہیں
جنھیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کب کچھ

دیا تونے یاں جس بہانے سے چاہا
ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ

ہے افسردہ مجلس کی خست سی واعظ
وہ گرمائیگا یہ تسیچیں گے جب کچھ

تم اپنی سی کہنی تھی جو کہہ چکے سب
نہیں ناصحو اتم پہ الزام اب کچھ

یہ ہے میر مجلس کہ جینی کی مورت
ٹٹولو تو ہیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

کوئی لقمہ چرب تا کا ہے شاید
یہ حالی کی عزلت نہیں بے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

تکلف علامت ہے بیگانگی کی
نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ

کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت
جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ

نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے
نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ

کرو علم سے اکتسابِ شرافت
نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ

فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو
اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ

جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے
نہیں لگتی کچھ اسمیں دولت زیادہ

مصیبت کا ایک اک سے احوال کہنا
مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

کرو ذکر کم اپنی داد و دہش کا
مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ

پھر اوروں کی تکتے پھرو گے سخاوت
بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ

کہیں دوست تم سے نہ ہو جائیں بدظن
جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا
نہ رکھو امیروں سے ملت زیادہ
وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا
جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ
نہیں چھپتے عیب اتنی ثروت سے تیرے
خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
ہے الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم
پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اسمیں پڑتی ہے محنت زیادہ
بکے مفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں
یہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ
ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر
نہیں بس اب اے عقل مہلت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالیؔ
الاپیں نہ بس آپ دہریت زیادہ

ق

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ
مزا انگور کا مے خوار سے پوچھ
وفا اغیار کی اغیار سے سن
مری الفت در و دیوار سے پوچھ
ہماری آہ بے تاثیر کا حال
کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ
دلوں میں ڈالنا ذوق اسیری
کمند گیسوئے خمدار سے پوچھ
دل مہجور سے سن لذت وصل
نشاط عافیت بیمار سے پوچھ
نہیں جز گریہ غم حاصل عشق
ہماری چشم دریا بار سے پوچھ
نہیں آب بقا جز جلوۂ دوست
کسی لب تشنہ دیدار سے پوچھ
فریب وعدۂ دیدار کی قدر
شہید خنجر انکار سے پوچھ
فغان شوق کو مانع نہیں وصل
یہ نکتہ عندلیب زار سے پوچھ
تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم
وہ تصویر خیال یار سے پوچھ
متاع بے بہا ہے شعر حالیؔ
مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ی

ہے اُن کی دوستی پر ہمکو تو بدگمانی — وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ اُنکی مہربانی
ہے جُرم کوئی آخر کب تک سُنے ملامت — ناصح سے ہمکو اپنی کہنی پڑی کہانی
عاشق کے دلکو ٹھنڈک جو تیری آگ میں ہے — دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی
اُمیدِ وصل سے ہی کچھ جی چھڑائے دیتا — جو کچھ سُنا ہے ہمنے مشاطہ کی زبانی
ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں رہیں خوش — کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی
صبر و سکون سے ہمکو یہ بھی بیٹھنے دے — تھوڑی سی رہ گئی ہے اُسے کاہشِ نہانی
پھر یہ بنائے ہستی ہے تیرے بعد ویراں — ہے تو بھی اب غنیمت اسے ضعف و ناتوانی
دیکھا جمالِ جاناں آنکھوں نے اور نہ دل نے — کیا جانئے کس ادا سے کی اُس نے دلستانی

اک نکتہ کے بیاں سے سر بر نہ ہو سکے **حالی**
چلتا نہیں کسی کا یاں لافِ نکتہ دانی

کہدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے
گر مے نہیں۔ دے زہر ہی کا جام بلا سے

جو کچھ ہے سو ہے اُس کے تغافل کی شکایت
قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے

دلّالہ نے اُمید دلائی تو ہے۔ لیکن
دیتے نہیں کچھ دل کو تسلّی یہ دلاسے

ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اے شہِ خوباں
یاں ہیں۔ تو فقط تیری محبّت کے پیاسے

پیاسے ترے سرگشتہ ہیں جو راہِ طلب میں
ہونٹوں کو وہ کرتے نہیں تر آبِ بقا سے

ور گذرے دوا سے تو پھر دستے پہ دعا کے
در گذریں دعا سے بھی۔ دعا ہے یہ خدا سے
اک درد ہو بس آٹھ پہر دل میں کہ جس کو
تخفیف دوا سے ہو نہ تسکین دعا سے
حالی دلِ انساں میں ہے گم دولتِ کونین
شرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسان و عطا سے
جب وقت پڑے دیجئے دستک درِ دل پر
جھکئے فقرا سے نہ جھکیئے امرا سے
کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
کل بتا دے گی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے
فیصلہ گردشِ دوراں نے کیا ہے سو بار
مرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے
دم سے یوسف کے جب آباد تھا یعقوب کا گھر
چرخ کہتا تھا کہ یہ بیتِ حزن کس کا ہے؟
مطمئن اس سے مسلمان نہ مسیحی نہ یہود
دوست کیا جانئے یہ چرخِ کہن کس کا ہے؟
واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذاتِ خدا
ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے
آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
عزم تسخیر پھر اے شیخ زمن کس کا ہے
آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہلِ نظر کی تم پر

تم میں رُوپ اے گُل و نسرین و سمن کس کا ہے ؟

عشق اُدھر عقل اِدھر دُھن میں چلے ہیں تیری
رستہ اب دیکھیے دونوں میں کٹھن کس کا ہے

شان دیکھی نہیں گر تو نے چمن میں اُس کی
ولولہ تجھ میں یہ اے مُرغِ چمن کس کا ہے

ہیں فصاحت میں مثلِ واعظ و حالی دونو
دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

سیاہ و میر سپہ باغ باغ ہیں۔ لیکن
بھیر روتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے

کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب
کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے

قلق اُنہیں نہیں کچھ دوستوں سے چھٹنے کا
طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ سنبھلتی جاتی ہے

بہت سے کھو دیئے غلجان بندوائی نے
ضرورت ایک کی بعد ایک ٹلتی جاتی ہے

ہوئے ہیں بارِ امانت سے تیرے سب عاجز
زمیں بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے

اُڑے گی خاک تعاقب ہیں کی اب سر بازار
فقیہ و شیخ میں جوتی اچھلتی جاتی ہے

نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب ہے کچھ حالی
کچھ اک جھجک تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

بُری اور بھلی سب گذر جائے گی
یہ کشتی یونہیں پار اتر جائے گی

ملیگا۔ نہ گلچیں کو گُل کا پتا
ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی

رہیں گے نہ ملاح یہ دن سدا
کوئی دن میں گنگا اُتر جائے گی

اِدھر ایک ہم اور زمانہ اُدھر
یہ بازی تو سو بسوی ہر جائے گی

بناوٹ کی شیخی نہیں رہتی شیخ! یہ عزت تو جائے گی پر جائیگی
نہ پوری ہوئی ہیں اُمیدیں نہ ہوں یونہیں عمر ساری گذر جائیگی

سُنیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی
کہ اُنکے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں، باقی
نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن
حذر اُس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
نہ گُل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑی تو نے گلشن میں
یہ گل چینی ہے یا لُٹس ہے گلچیں۔ یا ہے قزاقی
کمالِ کفش دوزی علم افلاطوں سے بہتر ہے
یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جس کو مشائی نہ اشراقی
رہی دانائی آخر غالب آکر پہلوانی پر
گئے چین ماں سب چینی و فرغانی و قبچاقی
ہمارے ظرف ہی انعام کے قابل نہیں ورنہ
لنڈھائے خم پہ خم غیروں پہ کیوں ممسک ہو گر ساقی
مدارج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی
لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب کا باقی

اہلِ معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی بزم میں اہلِ نظر بھی ہیں تماشائی بھی
اپنے اور غیر کے حق کی نہیں کچھ رہتی تمیز اسمیں شہری بھی ہیں۔ کوہی بھی ہیں صحرائی بھی
آنکھ سب ایک کھُلی رکھتے ہیں اور ایک مندی اسمیں مسلم بھی ہیں۔ ہندو بھی ہیں۔ عیسائی بھی

جو چھپاتے ہیں حق اندیشۂ رسوائی سے
گھات میں اُنکے لگی بیٹھی ہے رسوائی بھی

دوست گر بھائی نہو دوست ہی تو بھی لیکن
بھائی گر دوست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی

اے غمِ دوست تجھی پر نہیں اپنی گذران
کچھ فتوح[1] اسکے سوا اور ہے بالائی بھی

دل غنی رکھتے ہیں اے دولتِ دنیا جو لوگ
تیور اُن کے کبھی دیکھ کے شرمائی بھی

عقل ہے اپنی حماقت کی چھپانیکی اُنھیں
جن میں کچھ ساتھ حماقت کے ہے خودرائی بھی

عقل اور حُسن پہ جنکے بھری مجلس ہو گواہ
اُن کو خودرائی بھی پھبتی ہے خودآرائی بھی

ملنے دیگی نہ اجل تم سے ہمیں جی بھر کر
فرصت اے دوستو دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم پہ رہی مردوں[2] سے بدتر حالی
دیکھ لی ہم نے طبیبوں کی مسیحائی بھی

رہا کھل کے زاہد کا زہد ریائی
بنائی بہت بات پر بن نہ آئی

برائی ہے رندو ہمیں بھی شیخ! لیکن
کہاں یہ برائی کہاں وہ برائی

گناہوں سے بچنے کی صورت نہیں جب
عبادت میں کیوں جان ناحق کھپائی

رُکا ہاتھ جب بن گئے پارسا تم
نہیں پارسائی یہ ہے نارسائی

بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے
سوا اس کے منعم میں ہے کیا بڑائی

جو کہیے تو جھوٹی جو سنیے تو سچی
خوشامد بھی ہم نے عجب چیز پائی

ہوئی آکے پیری میں قدرِ جوانی
سمجھ ہم کو آئی پہ ناوقت آئی

وہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پربت
وہ پربت کو بھی کر دکھاتا ہے رائی

جوانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح
جو واں دل پہ لی تھی تو یاں منہ کی کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی
نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

---

[1] یعنی غم دنیا و غم زن و فرزند وغیرہ ۱۲ [2] اپنے دائم المرض ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱۲-

وصل کا اس کے دل زار تمنائی ہے — نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے

قطع امید نے دل کر دیئے یکسو - صد شکر — شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھلائی ہے

قوت دست خدائی ہے شکیبائی میں — وقت جب آ کے پڑا ہے یہی کام آئی ہے

ڈر نہیں غیر کا - جو کچھ ہے سو اپنا ڈر ہے — ہم نے جب کھائی ہے اپنوں ہی سے زک کھائی ہے

نشہ میں چور نہوں - تجھا تجھ میں مجھ نہوں — پیمانہ پھر جو بات نے فرمائی ہے

نظر آتی نہیں اب دل میں تمنا کوئی — بعد مدت کے تمنا مری بر آئی ہے

بات سچی کہی - اور انگلیاں اٹھیں سب کی
سچ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے؟

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے — جس قدر کرنی ملامت اور کو آسان ہے

سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار — آئے اس میدان میں ہارا اگر کچھ جان ہے

دیکھئے بلبل ذرا گلشن کو آنکھیں کھول کر — پھول ہیں گر آن ہے کانٹوں میں بھی گلستان ہے

عقل کھیلی پر نہ سمجھی حرص و آز انسان کی — لے نہ اب نام آدمیت کا اگر انسان ہے

چیونٹیوں میں اتحاد اور مکھیوں میں اتفاق — آدمی کا آدمی دشمن - خدا کی شان ہے

تجھ میں جوت اے شمع ہے کس حق تعالیٰ نور کی — جان و دل سے تجھ پہ پروانہ جو یوں قربان ہے

دل میں حالی کے رہی باقی نہ بس ارمان کچھ
جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو بس ارمان ہے

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایمان باقی
رہ گیا ہے اب اسے گبر و مسلماں باقی

بزم دعوت میں رسائی ہوئی اپنی اس وقت
میزباں جب نہ رہا کوئی نہ مہماں باقی

حق ادا اک نگہ لطف کا ہو گا کیوں کر؟

دل و دیں لے چکے اور ہے ابھی احساں باقی

ظاہرا درد ہی الفت کا نہیں چارہ پذیر
ورنہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درماں باقی

توشہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے ہیں بہت کوچ کے ساماں باقی

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دُنیا پہ اب تف کیجئے
نفس کہتا ہے ابھی چندے توقف کیجئے

واں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہے بار
اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجئے

ضبط کیجے دردِ دل تو ضبط کی طاقت نہیں
اور کھلا جاتا ہے رازِ دل اگر اُف کیجئے

دوست کے تیور ہیں ہم ہر رنگ میں پہچانتے
بے تکلف ملئے ہم سے یا تکلف کیجئے

جبکہ عقبیٰ مل گئی دُنیا ہے پھر سہل الوصول
شیخ لگتے ہاتھ اس پر بھی تصرف کیجئے

وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اُسے
جائیے اب عمر بھر بیٹھے تاسف کیجئے

توبہ حضرت کی یونہیں اک دودھ کا سا ہے اُبال
ہم دکھا دینگے ذرا دم بھر توقف کیجئے

فکرِ فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی
جان کو ہمنے لگا لی ہے یہ علت کیسی؟

جب خزاں ہو گئی آخر تو رہا بیم خزاں
جنکی قسمت میں ہو کلفت انہیں راحت کیسی

جی کا الفت کو سمجھتے تھے ہم اک بہلاوا
وہ تو آفت تھی ہمارے لئے الفت کیسی

جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع ناداں
قید ہستی میں مری جان فراغت کیسی؟

عیب جوئی سے نہیں خلق کی دم بھر فارغ
جنکو کچھ کام نہیں یاں انہیں فرصت کیسی

جو حقیقت سے ہیں آگاہ تری اے دنیا
وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی

جانتا ہے وہی۔ دل پر ہے گذرتی جس کے
ہم کہیں کس سے کہ درپیش ہے حالت کیسی

ہمنے اوّل سے پڑھی ہے یہ کتاب آخر تک
ہمسے پوچھے کوئی؟ ہوتی ہے محبت کیسی

جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنے ناصح
وحی بھی کام نہیں کرتی نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجام
یارگی میں بھی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سعی سے بہتر تن آسانی مری
کفر سے بدتر مسلمانی مری

تھا نہ محتاج سبب عفو کریم
کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری

خلد میں بھی گر رہی یاد اسکی زلف
کم نہ ہو شاید پریشانی مری

ہے لباس جسم تک مجھ پر گراں
دور جا پہونچی ہے عریانی مری

مانع گلگشت ہے بیم خزاں
موت کرتی ہے نگہبانی مری

قدر نعمت ہے بقدر انتظار
حشر پر ٹھہری ہے مہمانی مری

خندہ زن ہے اس مسلمانی پہ کفر
جیسی ہے حالی مسلمانی مری

پردے بہت سے وصل میں بھی درمیاں رہے
شکوے وہ سب سناکئے اور مہرباں رہے

کیا کیا ہیں دل میں دیکھئے ارماں بھرے ہوئے
ہم میزباں نہیں جو کوئی میہماں رہے

حرماں میں ہاتھ سے نہ دیا رشتۂ امید
اب تک تو ہم جہاں میں بہت شادماں رہے

پوچھی گئی نہ بات کہیں پاسِ وضع کی
اتنے ہی ہم سبک ہوئے جتنے گراں رہے

دیر و حرم کو تیرے فسانوں سے بھر دیا
اپنے رقیب آپ رہے ہم جہاں رہے

دارا و جم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے
نرخِ متاعِ عشق - الٰہی گراں رہے

حالی سے مل کے ہو گئے تم افسردہ دل بہت
اگلے سے ولولے وہ اب اُس میں کہاں رہے

کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے
بات اس کی کاٹتے رہے اور ہمزباں رہے

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

یا کھینچ لائے دیر سے رندوں کو اہلِ وعظ
یا آپ بھی ملازمِ پیرِ مغاں رہے

وصلِ مدام سے بھی ہماری بجھی نہ پیاس
ڈوبے ہم آبِ خضر میں اور نیم جاں رہے

کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا روسیاہ
"وہ تم مدعی کے گھر گئے اور میہماں رہے"

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر ملا
کچھ راز تھے کہ دل ہی میں ہمارے نہاں رہے

ق

حق وفا کے جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے

تھا یہاں دل میں طعنِ وصلِ عدو
عذر اُن کی زباں پہ آنے لگے

ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں
وہ اگر ہمت آزمانے لگے

ڈر ہے میری زباں نہ کھل جائے | اب وہ باتیں بہت بنانے لگے
جان بچتی نظر نہیں آتی | غیر الفت بہت جتانے لگے
تم کو کرنا پڑے گا عذرِ جفا | ہم اگر دردِ دل سنانے لگے
سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم | ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے
جی میں ہے لوں رضائے پیرِ مغاں | قافلے پھر حرم کو جانے لگے
سِرِّ باطن کو فاش کر یا رب! | اہلِ ظاہر بہت ستانے لگے

وقتِ رخصت تھا سخت حالیؔ پر
ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

ق

حشر تک یاں دلِ شکیبا چاہیے | کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیے
ہے تجلی بھی نقابِ روئے یار | اسکو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیے
غیر ممکن ہے نہ ہو تاثیرِ غم | حالِ دل پھر اسکو لکھا چاہیے
ہے دلِ افگار کی دلداری ضرور | گر نہیں الفت مدارا چاہیے
ہے کچھ اک باقی خلش امید کی | یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیے
دوستوں کی بھی نہ ہو پروا جسے | بے نیازی اسکی دیکھا چاہیے
بھا گئے ہیں آپ کے انداز و ناز | کیجیے اغماض جتنا چاہیے
شیخ اے اُنکی نگہ جادو بھری | صحبتِ رنداں سے بچنا چاہیے

لگ گئی چپ حالیؔ رنجور کو
حال اسکا کس سے پوچھا چاہیے

ق

جنوں کارفرما ہوا چاہتا ہے | قدم دشت پیما ہوا چاہتا ہے
دمِ گریہ کس کا تصور ہے دل میں | کہ اشک اشکِ دریا ہوا چاہتا ہے
خط آنے لگے شکوہ آمیز اُنکے | ملاپ اُنسے گویا ہوا چاہتا ہے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہمکو — وہ صرفِ تمنا ہوا چاہتا ہے
ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں میں — اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے
مجھے کل کے وعدے پہ کرتے ہیں رخصت — کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے
فزوں تر ہے کچھ اندنوں ذوقِ عصیاں — درِ رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے
قلق گر یہی ہے تو رازِ نہانی — کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے
وفا شرطِ الفت ہے ۔ لیکن کہاں تک؟ — دل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے
بہت حظ اٹھاتا ہے دل تجھ سے مل کر — قلق دیکھیے کیا ہوا چاہتا ہے
غمِ رشک کو تلخ سمجھے تھے ہمدم — سو وہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے

بہت چین سے دن گذرتے ہیں حالی
کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

ق
جس کو غصے میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے
آج دل لے گا اگر کل نہ لیا ۔ یاد رہے
شوق بڑھتا گیا جوں جوں رُکے اس شوخ سے ہم
یہ سبق وہ ہے کہ بھولے سے سوا یاد رہے
ہم بھی آدابِ شریعت سے تھے آگاہ ۔ مگر
نہ و برتاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے
یاد آؤ گے بہت ۔ لطف سمجھکر کیجے،
اِس بھلائی کا ہے انجام بُرا ۔ یاد رہے
شیخ یاں شرمِ گنہ شوق بھلا دیتا ہے
توبہ اُن کی ہے جنھیں اپنی خطا یاد رہے
وادیِ عشق میں موسیٰؑ کو ہو گر رخصتِ دید

ہاتھ کٹوائیں جو پیرِ کفش و عصا یاد رہے

خضر نے پاؤں اگر دشتِ فنا میں رکھا
بھول جائیں گے رہِ آبِ بقا یاد رہے

دل بری طرح لگا عشقِ بتاں میں اے شیخ!
دین پڑا پائیں اگر اب کے خدا یاد رہے

چارہ گر! کار باندازۂ تدبیر نہیں
کیجیو ہمت اگر دقتِ دعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اس لطف کا پائیں گے مزا یاد رہے

ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے
آخر کو ہم حوالۂ تقدیر کر چکے

افسوس شبِ وصال کے داں کارگر نہیں
نالے شبِ فراق کے تاثیر کر چکے

اے دل اب آزمایشِ تقدیر کا ہے وقت
وہ امتحانِ پرسشِ شمشیر کر چکے

کہتے ہیں طبعِ دوست شکایت پسند ہے
ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے

بھولے رہے تصورِ مژگاں میں چند روز
دیکھا تو دل کو ہم ہدفِ تیر کر چکے

جاں لب تک انتظار میں آتی ہے بار بار
مشاطہ جلد تر کہیں تقریر کر چکے

دل لے کے ایک میرا یہ فارغ ہوئے ہیں وہ
گویا کہ اک جہان کو تسخیر کر چکے

حالیؔ! اب آؤ پیرویِ مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفیؔ و میرؔ کر چکے

ق

نہ واں پرسش نہ یاں تابِ سخن ہے
محبت ہے کہ دل میں موجزن ہے

بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُسکی
وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات
مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے

عدو سے بات محفل میں نہ کرنی
جو سچ پوچھو تو جائے سوءِ ظن ہے

بہت دل میں تری عاشق کو درکار
تری جو بات ہے وہ دلشکن ہے

دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد
نہ میں بلبل نہ گھر میرا چمن ہے

کروں تجھ سے بیاں کچھ دردِ غربت
مگر جوشِ سخن مُہرِ دہن ہے

رہے لاہور میں[۱] آکر سو جانے
یہی دنیا ہے جو دارالمحن ہے

نہیں آتی کہیں یاں بوئے یوسفؑ
مگر جو گھر ہے وہ بیت الحزن ہے

یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام
کہ بلبل ناشناسائے چمن ہے

نہ کچھ مجنوں کو ہے پروائے لیلیٰ
نہ کچھ شیریں کو دردِ کوہکن ہے

---

[۱] یہ غزل تقریباً ۱۲۸۹ھ میں اسوقت لکھی تھی جبکہ مجھے بتقریب ملازمت دلّی چھوڑ کر لاہور جانا پڑا تھا اسوقت اول تو دلّی سے جُدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا۔ دوسرے لاہور میں کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ وہاں پہونچتے ہی نہایت سخت وبا آئی۔ اور وبائے ہیضہ کے بعد مدت تک چیچک اور بخار کا زور وشور رہا۔ آخر کار راقم بھی سخت بیمار ہوگیا۔ اس تنہائی اور سراسیمگی وغم اندوہ کی حالت میں یہ اشعار لکھے گئے تھے۔ ۱۲۔ (حالی)

مجھے تنہا نہ سمجھیں اہلِ لاہور | تصوّر میں مرے اک انجمن ہے
مری خلوت میں ہے ہنگامۂ بزم | خموشی میں مری ذوقِ سخن ہے
بتاؤں تمکو ہوں کس باغ کا پھول؟ | جہاں ہر گل بجائے خود چمن ہے
بتاؤں تم کو ہوں کس مصر کی بو؟ | جہاں غربت وطن پر خندہ زن ہے
عدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی، | مگر یادِ عزیزاں راہزن ہے
نہ لینے دے گا جنت میں بھی آرام | یہی گر جذبۂ حبِّ وطن ہے
گریں نظروں سے سب باتیں پرانی | مگر الفت کہ اک رسمِ کہن ہے
بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی! | یہ سب تم صاحبوں کا حسنِ ظن ہے

کیا ہے اس نے کہتے ہیں سخن ترک
مگر ہم کو ابھی اس میں سخن ہے

ق

دھوم تھی اپنی پارسائی کی[۵۱] | کی بھی اور کس سے آشنائی کی
کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت | ہمکو طاقت نہیں جدائی کی
منہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے | تم کو عادت ہے خود نمائی کی
لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں، | صلح میں چھیڑ ہے لڑائی کی
ملتے غیروں سے ہو ملو۔ لیکن | ہم سے باتیں کرو صفائی کی
دل رہا پائے بندِ الفت دام | تھی عبث آرزو رہائی کی
دل بھی پہلو میں ہو تو یاں کس سے | رکھیے امیدِ دل ربائی کی
شہر و دریا سے باغ و صحرا سے | بو نہیں آتی آشنائی کی
نہ ملا کوئی غارتِ ایماں | رہ گئی شرم پارسائی کی

---

۵۱ یہ غزل بھی لاہور میں اسی وقت لکھی گئی تھی جبکہ غزل سابق لکھی گئی تھی۔ آخر کے اشعار میں اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ ۱۲ (حالی)

بخت ہمدم استانی شیدا[۱] | تو نے آخر کو نارسائی کی
صحبت گاہ گاہی رشکی[۲] | تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی
موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے | ساعت آ پہونچی اُس جدائی کی

زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی
انتہا ہے یہ بے حیائی کی

ق

کر دیا خوگر جفا تو نے | خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
دُور پہونچی تھی اپنی آزادی | پر خدا جانے کیا کیا تو نے
کیوں نہ آئینگے یاں وہ اے ناکام | بس سنا ہم نے اور کہا تو نے
گوش و لب ساتھ لائے تھے ہم آج | نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
صبر کا ہے بہت بُرا انجام | ہمکو سمجھا ہے سخت دل ہیں کیا تو نے
ابتدائے وفا ہے سر دینا | میری دیکھی نہ انتہا تو نے
دل ہی قاصد بنا کے وعدۂ وصل | اور کہوا دیا سہا تو نے
ایک عالم کو خوش کیا اے رشک | ہم کو کس سے خفا کیا تو نے

جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
حالی اپنا کہا سنا تو نے

ق

کر کے بیمار دی دوا تو نے | جان سے پہلے دل لیا تو نے
رہبر تشنہ لب نہ گھبرانا | اب لیا چشمۂ بقا تو نے
شیخ جب دل ہی دیر میں لگا | آ کے مسجد سے کیا لیا تو نے

---

[۱] شیدا سے مراد منشی کرم اللہ خاں صاحب دہلوی ہیں کہ اُس زمانہ میں کبھی کبھی فکر شعر کرتے تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے۔ ۱۲ (حالی)

[۲] رشکی آنریبل نواب محمد علی خان بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲ (حالی)

دور ہوائے دل مآل اندیش | کھو دیا خشم کا مزا تو نے
ایک بیگانہ وار کرکے نگاہ | کیا کیا چشم آشنا تو نے
دل و دیں کھوکے آئے تھے سوئے دیر | یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

خوش ہے اُمید خلد پر حالیؔ
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

ق

دل کو درد آشنا کیا تو نے | درد دل کو دوا کیا تو نے
طبع انساں کو دی سرشتِ وفا | خاک کو کیمیا کیا تو نے
وصل جاناں محال ٹھہرایا | قتل عاشق روا کیا تو نے
تھا نہ جز غم بساطِ عاشق میں | غم کو راحت فزا کیا تو نے
جان تھی اک وبال فرقت میں | شوق کو جاں گزا کیا تو نے
تھی محبت میں ننگ منتِ غیر | جذب دل کو رسا کیا تو نے
راہ زاہد کو جب کہیں نہ ملی | درِ میخانہ وا کیا تو نے

قطعہ

قطع ہونے ہی جب لگا پیوند | غیر کو آشنا کیا تو نے
تھی جہاں کارواں کو دینی راہ | عشق کو رہنما کیا تو نے
ناؤ بھر کر جہاں ڈبونی تھی | عقل کو ناخدا کیا تو نے
بڑھ گئی جب پدرؔ کو مہرِ پسر | اُس کو اس سے جدا کیا تو نے
جب ہوا ملک و مال رہزنِ ہوش | بادشہ کو گدا کیا تو نے
جب ملی کام جاں کو لذتِ درد | درد کو بے دوا کیا تو نے
جب دیا راہرو کو ذوقِ طلب | سعی کو نارسا کیا تو نے

۲

لہ اس شعر میں پدر و پسر کا اشارہ حضرت یعقوب و یوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے شعر میں بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ۱۲ (حالی)

پردۂ چشم تھے حجاب بہت ‌ ‌ ‌ حسن کو خود نما کیا تو نے
عشق کو تاب انتظار نہ تھی ‌ ‌ ‌ غنچہ اک دل میں وا کیا تو نے
حرم آباد اور دیر خراب ‌ ‌ ‌ جو کیا سب بجا کیا تو نے
سخت افسردہ طبع تھے احباب ‌ ‌ ‌ ہمکو جادو نوا کیا تو نے
پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یا رب ‌ ‌ ‌ کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے

حالی اٹھا ہلا کے محفل کو
آخر اپنا کہا کیا تو نے

نفس کی فرماں روائی ہو چکی ‌ ‌ ‌ خود پسندی خود نمائی ہو چکی
اب ہیں پیری کی عبودیت کے دن ‌ ‌ ‌ بس جوانی کی خدائی ہو چکی
گرم جوشی۔ لطف صحبت ہو چکا ‌ ‌ ‌ ناخوشی۔ خفگی۔ لڑائی ہو چکی
موت کی راحت فزائی کا ہے وقت ‌ ‌ ‌ زندگی کی جاں گزاری ہو چکی
قطرہ اب دریا میں جا ملنے کو ہے ‌ ‌ ‌ تیری میعاد اے جدائی ہو چکی
چلتے ہیں جبریل کے شہپر جہاں ‌ ‌ ‌ بے پرندگی وہاں رسائی ہو چکی
دیکھنا ہے تجھکو اب اے جذبۂ عشق ‌ ‌ ‌ عقل کی زور آزمائی ہو چکی
قید خانہ میں گیا دل جن کا لگ ‌ ‌ ‌ ان اسیروں کی رہائی ہو چکی
دیر میں بھی لیجے قسمت آزما ‌ ‌ ‌ مسجد و میں جبہ سائی ہو چکی
خود بڑا بن کر دکھاؤ آپ کو ‌ ‌ ‌ باپ دادا کی بڑائی ہو چکی،
وقت ہے اے زاہد۔ اب تشہیر کا ‌ ‌ ‌ شہرت زہد ریائی ہو چکی،
ہے چڑھائی علم کی مذہب پہ اب ‌ ‌ ‌ شرک و بدعت کی چڑھائی ہو چکی
فلسفے سے اسکی اب مٹ بھیڑ ہے ‌ ‌ ‌ سفسطے سے ہاتھا پائی ہو چکی،
رہگئی ہے مذہب و ملت کی جنگ ‌ ‌ ‌ ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی

ہو نہ مذہب کی صفائی جب تلک
اہلِ مذہب کی صفائی ہو چکی

اب نہیں سُننے کا اے حالی دماغ
بس بہت ہذیان سرائی ہو چکی

مستیٔ جہل میں غفلت کا نشا اور سہی
شبِ تاریک میں گھنگھور گھٹا اور سہی

دوستو! روگ لگا ہر نہیں جانیوالا
ہو چکیں ختم دوائیں تو دُعا اور سہی

کم نہ تھے روگ جوانی میں بھی کچھ اے پیری
رعشہ اب اور سہی لغزشِ پا اور سہی

گر گُنہ عفو کی اُمید پہ کرنا ہے خطا
ہیں جہاں لاکھ گنہ ایک خطا اور سہی

شہ کو ہے خوفِ عدو خوفِ اجل خوفِ زوال
کہدو "اے بیخبر! اک خوفِ خدا اور سہی"

بیوفا کونسی خوبی ہے نہیں جو تجھ میں؟
وصف اتنے ہیں جہاں ایک وفا اور سہی

ترکِ دُنیا کے علائق تو کئے سب زاہد
گر منا سب ہو۔ تو اک ترکِ ریا اور سہی

تیرے انفاس سے مُردوں کو کیا ہے زندہ
ایک جھونکا ادھر اے بادِ صبا اور سہی

مدرسہ میں نہ ملا کچھ۔ تو نہ توڑ آس اے دل
ایک درِ دولتِ ساقی پہ صدا اور سہی

تم تو حالی یہی طرز اپنی بنائے جاؤ
طرزِ شعرِ فصحا و بلغا اور سہی

نہ عیشِ کیخسروی رہے گا نہ صولتِ بہمنی رہے گی[۵۱]
رہے گی اے منعمو۔ تو باقی دیے کی کچھ روشنی رہیگی

رہے گی گردش دکھا کے نیچا جو ہوگئے تارے تم آسماں کے
کسی کی آگے بنی رہی ہے۔ نہ اب تمہاری بنی رہیگی

گرایا تو رائیوں کو تو نے۔ پچھاڑا ما زندرانیوں کو
کہاں تلک اے شرابِ غفلت یہ تیری مرد افگنی رہیگی

[۵۱] یہ غزل سنہ ۱۹۰۴ء کی تصنیف ہے۔ ۱۲ (اسماعیل)

رہے گی کس طرح راہ امن کہ رہنما بن گئے ہیں رہزن[۱]
خدا نگہباں ہے قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہے گی

صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
اندھیرا چھا جائے گا جہاں میں اگر یہی روشنی رہے گی

کریگی کچھ عقل رہنمائی - نہ علم سے ہوگی کچھ صفائی
گناہ کی گندگی میں دنیا یونہیں ہمیشہ سنی رہے گی

بگاڑ مذہب نے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تا حشر مٹنے والے
یہ جنگ وہ ہے جو صلح میں بھی یونہیں ٹھنی کی ٹھنی رہے گی

قبولیت کی کرو نہ پروا جو چاہو مقبول عام ہونا
رہو گے گر حسن ظن کے طالب تو تم سے بیجا بدظنی رہیگی

جو چھوڑے میراث کچھ نہ حالی تو اس سے دل تنگ ہوں نہ وارث
رہیں گے ہر حال میں غنی وہ جو نیت ان کی غنی رہے گی

کہنے کی بات ہو تو اُسے کہہ سنائیے — جو دل پہ بن رہی ہے وہ کیونکر دکھائیے؟
دنیا کی ہو ہوس تو دل و دیں گنوائیے — یاں کھوئیے بہت سا تو کچھ جا کے پائیے
یہ کیا کہ دل ہو دیر میں اور کعبہ میں مقام؟ — ہو رہیے کہیں کے ہو کے جہاں دل لگائیے
گر جان کا ضرر ہے محبت میں ناصحو — ہم جان ہی سے بیٹھے ہیں بیزار جائیے
اور اعتبار کھوتے ہو اپنا رہا سہا — بس آگیا یقیں ہمیں قسمیں نہ کھائیے
بھر پائے بس زمانے جو مانگتے تھے حق، — فارغخطی ہم اپنی ابھی لکھدیں لائیے
مشکل ہے پاک ہونا اگر دل نہیں ہے پاک — زمزم میں غسل کیجے کہ گنگا نہائیے
پھرتا ہو جو کہ کودتا غیروں کی آگ میں، — خیر اُس اجل گرفتہ کی کب تک منائیے

[۱] یونیورسٹی بل کی طرف اشارہ ہے ۱۲ (حالی)

ہوتی ہجوم غم میں ہے کیوں زہر کی تلاش
حالی بتائیں آپ کو۔ گر کچھ کھلائیے

وصف چمن قفس میں سنو عندلیب سے | پوچھو وطن کی قدر مسافر غریب سے
نالوں سے ایک دم نہیں سکیں کو قرار | کیا کہہ گئی چمن میں صبا عندلیب سے
لاگ اور لگاؤ ساتھ گئے سب شباب کے | نفرت رقیب سے ہے نہ اب الفت حبیب سے
"اب دل سے دور رکھو خیال نشاط غم" | آواز دے رہا ہے یہ کوئی قریب سے
شادی ہے ایک کی وہی۔ جو دوسرے کا غم | دنیا کے بھی ہیں شادی و غم کچھ عجیب سے
دوں پڑھنے نہ درد دل کو مروں اسکیں پا چکیں | پاتا ہوں سستی اوں صلاح۔ نہ پوچھوں طبیب سے
کہتا ہو۔ دیکھتا ہوں جسے خوار و بے وقار | "ہے کوئی خاندان شریف و نجیب سے"
طالب میں صدق ہے نہ عقیدت مرید میں | ہیں آجکل کے پیر بھی کچھ بد نصیب سے
پڑھتے وہ خطبہ جسمیں کہ صدق و صفا نہ ہو" | کہہ دیجیے جاکے یہ سر منبر خطیب سے
فاقے ہیں تمکو دیکھ کے جاتی ہے بھوک بھاگ | پہنچا ہے نسخہ آپ کو یہ کس طبیب سے؟
اب جسکے جی میں آئے بھرے شاعری کا دم | میدان آجکل ہے یہ خالی نصیب سے

نعم البدل ہے داغ کا حالی "کلام داغ"
ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

تیر پیہم لگائے جاتا ہے | نظروں نظروں میں کھائے جاتا ہے
دیکھئے اور کیا دکھائے فلک، | ابھی آنکھیں دکھائے جاتا ہے
دوستوں کو رلا چکا۔ لیکن، | دشمنوں کو ہنسائے جاتا ہے
ہو چکی قوم مردہ۔ پر جلاد | ابھی درے لگائے جاتا ہے
گو کہ حالی میں دم نہیں باقی | ڈور اپنی ہلائے جاتا ہے
گو نہیں آس خیر کی لیکن | خیر سب کی منائے جاتا ہے

اب سُنے اس میں کوئی یا نہ سُنے
وہی راگ اپنا گائے جاتا ہے

حصّہ دُوم تمام شد

حصّہ سوم

رُباعیّات

وہ رباعیات جو مولانا نے دیوان مرتب کرتے وقت اُس میں درج کی تھیں نسو کے قریب ہیں یہ رباعیاں دیوان سے علیحدہ بھی "رباعیات حالی" کے نام سے کتابی شکل میں مختلف مطابع سے متعدد بار چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور ملک میں ان کی کافی شہرت ہو چکی ہے۔

دیوانِ حالی کے شائع ہونے کے بعد بھی (جو کہ پہلی مرتبہ ۱۸۹۳ء میں چھپا تھا) مولانا نے بہت سی رباعیاں کہی تھیں جو مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ اُن سب کو میں نے تلاش کر کے "**جواہراتِ حالی**" میں درج کر دیا تھا جو مولانا کی غیر مطبوعہ اور پراگندہ نظموں کا مجموعہ ہے اور گذشتہ سال چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

اب یہاں نئی و پُرانی - جدید و قدیم - مطبوعہ و غیر مطبوعہ غرض تمام رباعیات جو مل سکیں درج کی جاتی ہیں - وہ بھی تمام رباعیات اس میں ہیں جو **دیوان حالی** میں تھیں اور وہ بھی جن کو میں نے **جواہراتِ حالی** میں جمع کیا تھا - تمیز کے لئے **جواہرات حالی** والی رباعیوں کو میں نے آخر میں درج کیا ہے اور ہر ایک رباعی پر لکھدیا ہے کہ وہ کہاں سے حاصل کی گئی ہے۔

اسماعیل

توحید

کانٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا
حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھ کو۔ جانا ہے ضرور
بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان میں جب جہاز چکر کھاتا
جب قافلہ وادی میں ہے سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہے جب اٹھ جاتا
واں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گھیر تیری قدرت کے ظہور
منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھ کو مجبور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ
خورشید کا شش جہت میں پھیلا جب نور

ایضاً

جب مایوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے
دشمن سے بھی نام ترا جپواتی ہے
ممکن ہے کہ سکھ میں بھول جائیں اطفال
لیکن انھیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

ایضاً

مٹی سے۔ ہوا سے۔ آتش و آب سے یاں
کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
پر۔[لہ] تیرے خزانے ہیں ازل سے ابتک
گنجینۂ غیب میں اسی طرح نہاں

لہ یعنی جو کچھ ابتک ظاہر ہوا ہے وہ بمقابلہ اس کے جو خزانۂ غیب میں مخفی ہے، کان لم یکن ہے۔ ۱۲ (حالی)

توحید

ہستی سے ہی تیری رنگ ہو سب کے لئے — طاعت میں ہے تیری۔ آبرو سب کے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور — سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کے لئے

ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ پہ اور اس سے زیاد — دنیا میں نہیں ہی ایک دل جو کہ ہو شاد
پر۔ جو کہ ہیں تجھ سے لو لگائے بیٹھے — رہتے ہیں ہر ایک رنج و غم سے آزاد

نعت

زہاد کو تو نے محو تمجید کیا، — عشاق کو مست لذت دید کیا
طاعت میں رہا نہ حق کی ساجھی کوئی — توحید کو تو نے آکے توحید کیا

ایضاً

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا — اور امیوں کو خیر امم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تتار — بچھڑے ہوئے گلہ کو بہم تو نے کیا

ایضاً

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف — یثرب کو ملا تیری اقامت سے شرف
اولاد ہی کو فخر نہیں کچھ تجھ پر، — آبا کو بھی ہو تیری ابوت سے شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں — شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ "ہے جہنم دنیا" — وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

ترکِ شعرِ عاشقانہ

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی ، بزمِ شعرا میں شعرخوانی چھوڑی
جب سے دلِ زندہ تونے ہم کو چھوڑا ، ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

پیرانِ زندہ دِل

خوش رہتے ہیں دُکھ میں کامرانوں کی طرح ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کیطرح
دل اُنکے ہیں ۔ظرف اُنکے ۔ جو کرتے ہیں تیر ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گر ہو نہ خلوص نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دُور بہت

امتحان کا وقت

زاہد کہتا تھا جان ہے دین پر قربان پر آیا جب امتحاں کی زد پر ایمان
کی عرض کسی نے کہئے اب کیا ہے صلاح؟ فرمایا کہ "بھائی جان ہے تو جہان"

عشق

ہے عشق طبیبِ دل کے بیماروں کا یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے ۔ پہ اتنی ہے خبر، اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

نیکوں کی جانچ

نیکوں کو نہ ٹھہرائیو بد اے فرزند اک آدھ ادا اُن کی اگر ہو نہ پسند
کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں ہوں اُسمیں اگر گلے سڑے دانے چند

دوستوں سے بیجا توقع

تا زیست وہ محوِ نقشِ موہوم رہے جو طالبِ دوستانِ معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پہ نہ جوانو مفتون
گردن پہ نہ لو عقل خدا داد کا خون
خود عہدِ شباب اک جنوں ہے باہم
کرتے ہو فزوں جنوں پہ اک اور جنون

غرور سب عیبوں سے بدتر ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور
پر عیب سے بچئے تا بمقدور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو
گھٹنے سے کہیں اُن کے نہ بڑھ جائے غرور

گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ۔ زباں سے کہتے ہیں وہ کم،
ہوتے نہیں ساتھ جمع دم[1] اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسنِ گفتار
بس اُتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

شرطِ قبول

ممکن ہے کہ جوہر کی نہ ہو قدر کہیں
پر قدر کہیں بغیر جوہر کے نہیں
عنبر کو نہ لیں مفت یہ امکاں ہے۔ مگر
عنبر کی جگہ نہ لیگا کوئی سرگیں[2]

طالب کو سوچ سمجھ کر پیر بنانا چاہیئے

ہوں یا نہوں پیر اہلِ عرفاں و یقیں
پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہوں نادان کہیں
گاہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی
اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے

ہیں جہل میں سب عالم و جاہل ہمسر
آتا نہیں فرق اس کے سوا اُن میں نظر
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا،
جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر
یاروں سے کہاں پیرِ مغاں نے ہنسکر

---

[1] دم: عمل اور قدم عمل ۱۲۰ (حالی) [2] سرگین کے معنی گوبر کے ہیں ۱۲۰ - اسماعیل

باقی نہ رہے گا کوئی انساں میں عیب — ہو جائیں گے جہلِ جہلا کے سب عیب ہنر

مُسرف کو کیونکر فراغت حاصل ہو سکتی ہے

اک منعمِ مُسرف نے یہ عابد سے کہا — "کر میرے لئے حق سے فراغت کی دُعا"
عابد نے کہا یہ ہاتھ اُٹھا کر سُوئے چرخ — "محتاج کر۔ اس کو جلد اے بارِ خدا"

کام کی جلدی

یاں رہنے کی مہلت کوئی کب پاتا ہے — آتا ہے اگر آج۔ تو کل جاتا ہے
جو کرنے ہیں کام اُن کو جلدی بھگتاؤ — طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

غرض

ہے نفس میں انسان کے جبلّی یہ مرض — ہر سعی پہ ہوتا ہے طلبگارِ عوض،
جو خاص خدا کے لئے سمجھے کام کئے — دیکھا تو وہاں اُنہیں بھی تھی کوئی غرض

انقلابِ روزگار

بَس بَس کے ہزاروں گھر اُجڑ جاتے ہیں — گڑ گڑ کے عَلَم لاکھوں اُکھڑ جاتے ہیں
آج اِس کی ہے نوبت تو کل اُسکی باری — بن بن کے یُونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

تقاضائے سِن

حالؔی کو جو کل فسردہ خاطر دیکھا — پُوچھا باعث تو ہنس کے فرمایا
"رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی امید — وہ وقت گئے اب اور موسم آیا"

جس کو زندگانی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کرسکتا

دُنیائے دنی کو نقشِ فانی سمجھو، — رودادِ جہاں کو اِک کہانی سمجھو،
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا، — ہر سانس کو عمرِ جاودانی سمجھو،

آثارِ زوال

آبار کو زمین و مِلک پر اطمینان — اَولاد کو سُستی پہ قناعت کا گمان

بچے آوارہ اور بے کار جوان ہیں ایسے گھرانے کوئی دن کے مہمان

شانِ ادبار

صحرا میں جو پایا ایک چٹیل میدان برسات میں سبزہ کا نہ تھا جس پہ نشان
مایوس تھے جس کے جوتنے سے دہقان یاد آئی ہمیں قوم کے ادبار کی شان

نفاق کی علامت

ہر بزم میں آفریں کے لایق ہونا شیریں سخنی سے شہد فایق ہونا
ممکن نہیں۔ جب تک کہ نہو دلمیں نفاق آسان نہیں مقبولِ خلایق ہونا

مسلمانوں کی بے مہری

جب تک کہ نہ ہو دشمنِ اخوان پکّا ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پکّا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے سنتے ہیں کسی کو جب "مسلماں پکّا"

مکر و ریا

خالی رہِ راست جو کہ چلتے ہیں سدا خطرہ انھیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن اُن بھیڑیوں سے واجب ہی حذر بھیڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہرِ قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت کے نشان پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انسان
عاری ہیں لباسِ تربیت سے ورنہ ہیں طوسی و رازی انھیں شکلوں میں نہاں

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال غائب ہوا تو جہاں سے وہاں آیا زوال
اُن پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح جن قوموں نے ٹھیرایا تجھے راس المال

ایضاً

اے علم کلیدِ گنجِ شادی تو ہے سر چشمۂ نعماء و ایادی تو ہے

آسایشِ دو جہاں ہے سایہ میں ترے
دُنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

عِلم

ہے تجھ سے نہال جیسی مغرب کی زمین
مشرق کو وہ فیض تجھ سے اے عِلم نہیں
شاید اے عِلم ماہِ نخشب کی طرح
رہتی ہیں شعاعیں تری محدود وہیں

خاندانی عزت

بیٹا نکلے نہ جب تلک ذلت سے
عزت نہیں اسکو باپ کی عزت سے
سوچو تو ہے کھات کا نسب بھی عالی
پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا "مجھ سے ہی عزت ہی جہان"
فرمایا ہنر نے "میں ہوں عزت کا نشاں"
عزت بولی "غلط ہے دونوں کا بیان
میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہاں"

توقعِ بیجا

ہیں یار رفیق - پر مصیبت میں نہیں
ساتھی ہیں عزیز - لیک ذلت میں نہیں
اُس بات کی انسان سے توقع ہے عبث
جو نوعِ بشر کی خود جبلت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جسقدر کمی[۲] اور بیشی[۱]،
اتنی ہی مغائرت ہے یہاں اور خویشی[۲]
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکرِ مآل
ضدین ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے
ہر قہقہہ پیغامِ بکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دوست پاتا ہوں میں
کہتا ہوں کہ "اب دیکھیے کیا ہوتا ہے"

ایضاً

اے عیش و طرب تو نے جہاں راج کیا
سلطاں کو گدا غنی کو محتاج کیا

ویران کیا تو نے نینوا اور بابل
بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

رونق ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں
بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں
اوروں کی برائی ہی پہ ہے فخر جہاں
خوبی کوئی باقی نہیں جس اُمت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ
پیروں کو خرف اور جوانوں کو تباہ
دیکھا اسلامیت میں تیری
قوموں کو ذلیل خاندانوں کو تباہ

سبب زوال سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم
سمجھو کہ وہاں ہے کوئی "برکت کا قدم"
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت
یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دنیا کو دیے دین نے اسرار و حکم
دنیا نے کر دین کی تھامی جب دم
گر دین کی ممنون بہت ہے دنیا
دنیا کے بھی احسان نہیں دین پہ کم

آزادگان راست باز کی تکفیر

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ
کافر کہا واعظ نے انہیں اور گمراہ
جھوٹے[۵۱] کو نہیں ملتی شہادت جس وقت
لاتا ہے خدا کو اپنے دعوی پہ گواہ

---

۵۱ یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزیں ہیں جنکا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شیخ اکبر کو بعضوں نے صدیق کہا ہے اور بعضوں نے زندیق اور یہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندیق خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا پس جس شخص میں کوئی صریحی اخلاقی برائی یا عیب موجود نہ ہو اسکی تکفیر یا تضلیل کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت نہ ملے اور وہ اپنے دعوی پر خدا کو گواہ قرار دے۔ ۱۲۔ حالی

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پہ گر نظم جہاں کا ہے مدار ... اُس قوم کا جینا ہے حالی دشوار
عزت کی نہیں ہے جسکو ہرگز پروا ... ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کچھ عار

عفو با وجود قدرت انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ "اے بار خدا ... مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا؟"
ارشاد ہوا "بندہ ہمارا وہ ہے ... جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا"

سختی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہاں تلک ہو دیجے تسکیں، ... زہر اُگلے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصّے کو اور بھڑکاتا ہے ... اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

ہمت

تیمور نے اک مورچہ زیر دیوار ... دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لے کر سو بار
آخر سر بام لے کے پہونچا تو کہا ... "مشکل نہیں کوئی پیش ہمت دشوار"

کم ہمتی

جبریہ و قدریہ کی بحث و تکرار ... دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب پہ مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور ... جو باہمت تھے بن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجام ہے جو کفر کی طغیانی کا ... ثمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا،
لذت سے ندامتوں کی جانا ہم نے ... دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا،

تاسف بر وفات نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم نیر تخلص دہلوی

قمری ہے نہ طاؤس نہ کبک طناز ... آتے ہی خزاں کے کر گئے سب پرواز

تھی باغ کی یادگار اک بلبلِ زار　　سو اُس کی بھی کل سے نہیں آتی آواز

ایضاً

غالب ہے نہ شیفتہ، نہ نیّر باقی　　وحشت ہے نہ سالک ہے نہ انور باقی
حالی اب اسی کو بزمِ یاراں سمجھو　　یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

محنت

محنت ہی کے پھل ہیں یاں ہر اک دامن میں　　محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خرمن میں
موسیٰ کو ملی نہ قوم کی چوپانی　　جب تک نہ چرائیں بکریاں مدین میں

گدائی کی ترغیب

اک مردِ توانا کو جو سائل پایا　　کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بولا کہ ہے اس کا انکی گردن پہ وبال　　دے دے کے جنہوں نے مانگنا سکھلایا

تکفیر اہل اسلام

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دین　　سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقین
مومن سے ضرور ہو گا مرتد میں سوال　　"تکفیر بھی کی بھی فقہا نے کہ نہیں ؟"

ترک عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہے سوگواری سن لو،　　کچھ چشم جہاں میں اپنی خواری سن لو،
افسانۂ قیسؔ کوہکن یاد نہیں،　　چاہو تو کتھا ہم سے ہماری سن لو،

تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے　　اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے،
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد　　دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے،

۵۱؎ یہ اُن شعرائے دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختصاص رہا ہے عام اس سے کہ وہ مشہور ہوں یا نہوں ۱۲ (حالی)

اوّل کوشش اور بعد دُعا

کوشش میں ہے شرط ابتدا انسان سے
پھر چاہیئے مانگنی مدد یزدان سے
جب تک کہ نہ کام دست و بازو سے لیا[1]
پائی نہ نجات نوحؑ نے طوفان سے

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کیساتھ کام انسان کے لئے
بنتی نہیں زندگی میں بے کام کئے
جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح
مُردوں کی طرح جئے تو کیا خاک جئے

جھوٹی نمایش

ہیں جھُوٹ کے بیچ میں سب سمونے والے
بِیننے والوں سے کم ہیں ہونے والے
گھڑیاں رہتی ہیں جن کی جیبوں میں مُدام
اکثر ہیں وہی وقت کے کھونیوالے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہُنر ہوں ذات میں جس کی ہزار
بدظن ہو نہ عیب اسمیں اگر ہوں دو چار
طاؤس کے پائے زشت پر کرکے نظر
کر حُسن و جمال کا نہ اُس کے انکار

سکوت درویش جاہل

مصروف جو یوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ
خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ مُنہ سے یا نہ بولیں حضرت
معلوم ہے ہم کو جلتے پانی میں ہیں آپ

ملحدوں کا طعن مسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک منکرِ قرآن و خبر
کیا لیں گے یہ اہلِ قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں ورنہ
کُتا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

---

[1] یعنی جب تک کہ کشتی نہ بنائی - ۱۲ (حالی)

دہری کا الزام گور پرست پر

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا
"ہوگا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا"
دہری نے کہا کہ "کیا خدا کا منکر!
اُس سے بھی گیا کہ جس کے لاکھوں ہوں خدا"

دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق ہے سماعت نہ جب کانوں میں
دانائی کی باتوں میں اور افسانوں میں
غربت میں ہے اجنبی مسافر جس طرح
دانا کا یہی حال ہے نادانوں میں

رفارم کی حد

دھونے کی ہے اے رفارمر جا باقی
کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبا باقی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ
دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف سُنکر ناک چڑھانا

تعریف سے کھل جاتے ہیں ناداں فی الفور
داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہوتے ہیں بہت وہ مدح سُن کر ناخوش
مقصود یہ ہے کہ ہو ستایش کچھ اور

حسنِ ظن اصل حال نہیں کھلنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں،
نیکی میں شک اسکی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سکۂ رائج میں بھی شاید کچھ کھوٹ
پر اُس کو کسی نے یاں تپایا ہی نہیں

دینداروں کی برائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبون جو حال اہلِ اسلام
اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام
بد پرہیزی سے بگڑے اپنے بیمار
اور مفت میں ہو گیا مسیحا بدنام

فکرِ عقبیٰ

منزل ہے بعید۔ باندھ لو زادِ سفر
موّاج ہے بحر۔ رکھو کشتی کی خبر
گاہک چوکس ہے۔ لے چلو مال کھرا
ہلکا کرو بوجھ۔ ہے کٹھن راہ گذر

انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسان
ممکن ہے۔ بدی کا نہ رہے اسمیں نشان
ممکن تو ہے سب کچھ پہ حقیقت یہ ہے
انسان ہے اب تک وہی قرنُ الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر چند بُرا ہے عشق کا سب کے مآل
پر حق میں ہے شاہوں کے خصوصاً بدفال
سلطان ہے اگر ظلِ الٰہی۔ تو عشق
ہے ظلِ الٰہی کے لئے وقتِ زوال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ
پر تجھ سے بگڑنے کا نہیں ہے یارا
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی
پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

بڑھاپے میں موت کے لئے تیار رہنا چاہئے

کی طاعتِ نفس میں بہت عمر بسر
انجام کی رکھی نہ جوانی میں خبر
کیفیتِ شب اٹھا چکے اب حالی
تعجیل کرو برخاست۔ ہوا وقتِ سحر

دولت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈر ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا
زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
جس طرح کہ سونے کی کسوٹی ہے محک
ہے جوہر انساں کی کسوٹی سونا

حد سے زیادہ غصہ قابلِ عفو ہے

غصہ پہ کسی کے غصہ آتا ہے وہیں
جبتک کہ رہے وہ عقل و دانش کے قریں
آپے سے جب اپنے ہو گیا تو باہر
پھر کس سے ہوں آزردہ کہ تو تو ہی نہیں

سفہا کی مدح و ذم

کرتے ہیں سفیہ اگر مذمت تیری
کر شکر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری
پر۔ مدح کریں وہ گر (بجائے اعدا)
رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری

مرضِ پیری لا۔علاج ہے

اب ضعف کے پنجے سے نکلنا معلوم
پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
کھوئی ہے وہ چیز جسکا پانا ہے محال
آتا ہے وہ وقت جس کا ٹلنا معلوم

اسراف

مسرف نہ بس اپنے حق میں کانٹے بوئیں،
نعمت خدا کی رائگاں یوں کھوئیں
گو بخل پہ لوگ اُنکے ہنسیں۔ بہتر ہے
اس سے کہ فضولیوں پہ اُنکی روئیں

ردِّ سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے۔ نہ صواب
زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب
بدتر ہے ہزار بار اسے دونِ ہمت
سائل کے سوال سے ترا تلخ جواب

کھانا بغیر بھوک کے مزا نہیں دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں ہمیں، جو دیکھ کے چکھ کے دل سے بھائے ہیں ہمیں
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہمیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال مہمان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی اندیشۂ فوت ہو نہ ہو خوفِ زوال

اچھوں کو برا سننے میں بھی مزا آتا ہے

رکھتے نہیں وہ مدح و ثنا کی پروا جو کر کے بھلا خلق سے سنتے ہیں برا
ان گالیوں کا ہے جن کو چسکا حالیؔ، آتا نہیں ان کو کچھ دعاؤں میں مزا

شکریۂ مدح کلامِ راقم[۱]

جوشش خُم بادہ جامِ خالی میں ہوا پھر ولولہ پیدا دلِ حالی میں ہوا
تسلیم نے دی کچھ اس طرح دادِ سخن مجھ کو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا

احسان بے منت

احسان کے ہو گر صلہ کی خواہش تم کو تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احسان نہ کرو

---

۱ مولوی سلیم الدین مرحوم نارنولی مقیم جے پور متخلص بہ تسلیم نے چند قطعے اردو فارسی کے راقم کے کلام کی ستائش میں اس وقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکرِ شعر کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ان قطعوں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی۔ ۱۲ (حالی)

کرتے ہو اگر احساں تو کر دو اُسے عام
اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

قانون بد اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

قانون ہیں بیشتر یقیناً بے کار
حاشا کہ ہو اُن پہ نظم عالم کا مدار
جو نیک ہیں اُن کو نہیں حاجت اُنکی
اور بد نہیں بنتے نیک اُن سے زنہار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق بول کے اہلِ شر سے آڑنا نہ کہیں
بھڑکے گی مدافعت سے اور آتش کیں
گر چاہتے ہو کہ چپ رہیں اہلِ خلاف
جز ترکِ خلاف کوئی تدبیر نہیں

ٹیکس

واعظ نے کہا کہ "وقت سب جاتے ہیں ٹل
اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل"
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اُٹھکر کہ "حضور
ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل"

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں
اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں
اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے
بس مجھ کو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں

بڑھاپے میں عاشقی کا دم بھرنا

آہیں پیری میں شیخ بھرتے نہیں یوں
دل دیتے ہیں پر جی سے گذرتے نہیں یوں

تھے تم تو ہر اک قید سے آزاد سدا
جو جیتے ہیں اسطرح وہ مرتے نہیں یوں

واعظوں کی سخت کلامی

اِک گبر نے پوچھے جو اصولِ اسلام
واعظ نے درشتی سے کیا اس سے کلام
بولا کہ "حضور معتقد ہوں جس کے
ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام"

نواب وقار الامرا اقبال الدولہ بہادر کی شان میں

توفیق[۱] نے اس کی چھوڑ دی ہمراہی
اقبال پہ جس نے فتحیابی پائی
حالی لے جائے کون بازی ان سے
ہو جنکی رگوں میں خونِ آصف جاہی

عادت پڑی ہوئی مشکل سے جاتی ہے

ہو عیب کی خُو یا کہ ہنر کی عادت
مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
چھٹتے ہی چھٹے گا اس گلی میں جانا
عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

---

[۱] یہ رباعی ۱۳۰۹ھ میں جبکہ راقم حیدر آباد میں مقیم تھا اور نواب وقار الامرا بمبئی سے پولو میں بازی جیت کر آئے تھے۔ لکھی تھی مگر اُن کی خدمت میں بھیجی نہیں گئی۔ خونِ آصف جاہی میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضور سے قرابتِ قریبہ رکھتے ہیں اور اقبال کے لفظ میں اُن کے خطاب کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲۔ (حالی)

عاشق کا نوحہ

مرنے پہ مرے وہ روز و شب روئیں گے
جب یاد کرینگے مجھے تب روئیں گے
اُلفت پہ ۔ وفا پہ ۔ جاں نثاری پہ مری
آگے ہنیں روئے تھے تو اب روئیں گے

فرقت کی رات

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گذرے
اک خستہ جگر کی رات کیونکر گذرے
گذری نہ جس بغیر یاں ایک گھڑی
یہ چار پہر کی رات کیوں کر گذرے؟

معشوق کی یاد

یاد اُس کی یہاں ورد مدام اپنا ہے
خالی نہ ہو کبھی وہ جام اپنا ہے
کس طرح نہ لیجئے کہ ہے نام اُس کا
کس طرح نہ کیجئے کہ کام اپنا ہے

قولِ حق کا پاس

کیا پاس تھا قولِ حق کا اللہ اللہ
تنہا تھے پہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
"میں اور اطاعتِ یزید گمراہ!!!
لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ"

حُر کی آرزو

حُر کہتا تھا اے دل شہ ذیجاہ سے مل
گمرہ نہ ہو رہبرِ حق آگاہ سے مل
سرگشتگی کوئے ضلالت کب تک؟
اللہ سے ملنا ہے تو چل شاہ سے مل

یزید

گر کفر میں فرعون کا ثانی نکلا
اک شام میں بیداد کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ تھاہ بحرِ غفلت کی یزید
واں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

توحید[۵۱]

ہستی تری گو نہیں ہے محتاجِ دلیل
صبرِ دلِ مضطر کی مگر کیا ہے سبیل؟
یہ طبعِ خسیس مطمئن ہو کیوں کر،
بے دیکھے ہوا نہ مطمئن جبکہ خلیل[۵۲]

ایضاً

اے عقل کی۔ فہم کی رسائی سے دُور
اِدراک سے اوجھل۔ تو نظر سے مستور
یہ حسرتِ دید دل میں قائم رکھیو
بس یاس کی ظلمت میں یہی ہو اک نور

ایضاً

سُقراط منادی میں تری کام آیا
سر تیرے لئے حُسینؓ نے کٹوایا

---

۵۱ یہ رباعی اور اس کے آگے چوبیس ۲۴ رباعیاں "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" مطبوعہ ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء سے نقل کی گئی ہیں ۱۲

۵۲ چوتھے مصرع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُس جواب کی طرف اشارہ ہے۔ جو انھوں نے جناب الٰہی میں عرض کیا تھا کہ "بلیٰ وَلٰکِن لِیَطمَئِنَّ قَلبِی"

مرکر کوئی پائے - یا کہ سر کوٹا کر ۔ پایا تجھے جس نے اُس نے سب کچھ پایا

ایضاً

دریا سے اٹھا کے بھاپ مینہ برسایا ۔ پیراہن سبز خاک کو پہنایا
دانے کو کیا نخلِ تناور تو نے ۔ پانی جڑ سے پھننگ تک دوڑایا

خدا کی بے نیازی

منوائی ہے ہار سب سے بازی نے تری ۔ طبقے اُلٹے ہیں ترکتازی نے تری
ہے کالوری اور کربلا اس پہ گواہ ۔ جو گھر گھالے ہیں بے نیازی نے تری

طالب صادق آخر کامیاب ہوتا ہے

طالب کا رہے گا پڑ کے پاسا آخر ۔ دے گا اُسے صدق دل دلاسا آخر
جھوٹی نہیں گر پیاس تو آگے پیچھے ۔ دریا پہ پہنچ رہے گا پیاسا آخر

تشنگی طلب

کب تک کوئی سوزشِ نہانی کو چھپائے ۔ کب تک اپنے کو تشنہ سیراب دکھائے
کچھ دارد مریز سے تری اے ساقی ۔ پتھر کا کلیجا ہو تو پانی ہو جائے

پیری

علم و عمل و کتاب سے نفرت ہے ۔ لکھنے پڑھنے کے نام سے وحشت ہے

تو نے ہر درد سر سے دی آ کے نجات　　پیری! رحمت ہی! تجھ کو صد رحمت ہے

ایضاً

پیری نہیں منزل فنا ہے گویا　　اب کوچ کا وقت آ لگا ہے گویا
یوں جسم سے ہو گئی حرارت کافور　　اک راکھ کا ڈھیر رہ گیا ہے گویا

انسان کی عظمت بقدر قلت حاجت ہے

دولت کی ہوس اصل گدائی ہے یہ　　سامان کی حرص بے نوائی ہے یہ
حاجت کم ہے۔ تو ہے یہ شہنشاہی　　اور کچھ نہیں حاجت۔ تو خدائی ہے یہ

افراطِ دولت کی مذمت

محنت سے وصول ایک پیسا ہے اگر　　کر اشرفیوں کی نیولی پر نہ نظر
یہ کینچلی میں بھرا ہوا سانپ ہے سانپ!　　ہاں ہو تو سمجھ کے ڈالنا ہاتھ اس پر

دولت کی تعریف

دولت خرمن بھی۔ برقِ خرمن بھی ہے　　تلوار کی دھار بھی ہے جوشن بھی ہے
تھوڑا سا ہے اسمیں شر۔ تو ہی خیر بہت　　گر سانپ ہی یہ۔ تو سانپ کا من بھی ہے

حالتِ موجودہ پہ قانع نہ ہونا

حاصل ہے اگر خوشی - تو ہے غم کی تلاش
گر شہد میسر ہے - تو ہے سم کی تلاش
قانع نہیں کوئی حالتِ نقد پہ یہاں
جنّت میں بھی شاید ہو جہنم کی تلاش

خوشی کی اُمید نہ رکھنا ہی بڑی خوشی ہے

اولاد کا ہے ایک کے دل میں ارمان
اور دُوسرے پر ہے بارِ اولاد گران
گر چاہے عالَمِ تعلّق میں خوشی
رکھے نہ یہاں خوشی کی اُمید انسان

سب صحبتیں برہم ہونے والی ہیں

نقشے[۵۱] ہیں خوشی کے سب بگڑنے والے
پودے نہیں اسکے جڑ پکڑنے والے
مل بیٹھنا ہے یہ ناؤ ندی سنجوگ
ہیں اب کوئی دم میں سب بچھڑنے والے

جیسی رعیّت ہوگی ویسی ہی اُس پر حکومت کیجائیگی

حاکم سے بھلائی کی توقع ہے محال
جب تک کہ رعیّت کے بھلے ہوں نہ خصال
تم اپنے سوا کسی کے محکوم نہیں
عُمّال ہیں بس یہی تمہارے اعمال[۵۲]

---

۵۱ اس رباعی میں ایک خاص صحبت کا ذکر ہے جسمیں سب اصحاب تھوڑی دیر بعد ایک دوسرے سے بچھڑنے والے تھے ۱۲

۵۲ اس رباعی میں حدیث ذیل کیطرف اشارہ ہے یعنی عُمّالکُم اَعمالکُم ۱۲

دُنیا کی موجودہ حالت

ہیں برف سی۔ تخ سے۔ مُلک پامال کہیں — طاعون ہی نازل کہیں ہو پچال کہیں
ابتر ہے کچھ ان دنوں نظامِ عالم — عُمّال نہ ہوں خلق کے اعمال کہیں

افسونِ محبّت

ہے جن کو کہ صیدِ دلِ انسان کا خیال — لازم ہے کہ پھیلائیں محبت کا جال
اُستاد کو یاد ہو اگر حُب کا عمل — تعطیل میں بھی نہ چھوڑیں مکتب اطفال

زخارفِ دنیوی کی بے ثباتی

گلشن میں نہیں ہی تری اے گُل اُجوڑی — تو نے نہیں آنِ حُسن کوئی چھوڑی
تھا جی میں کہ تجھ سے باندھیئے عہدِ وصال — پر کیجیے کیا؟ عمر ہے تیری تھوڑی

غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہو کہ جیتے جی بھلے کہلاؤ — اپنوں کو سلوکِ نیک سے پرچاؤ
پر مدِّ نظر ہو گر حیاتِ ابدی — بیگانوں کو آشنا بناؤ۔ جاؤ

کام کا وقت

یارو! نہیں وقت عیش و آرام کا یہ — موقع ہے اخیر فکر انجام کا یہ
بس حُبِّ وطن کا جَپ چکے نام بہت — اب کام کرو۔ کہ وقت ہی کام کا یہ

ذِلّت کی زندگی

نکبت میں ہے رنج وغم خوشی سے اولیٰ ۔ رونا یا روں کا ہے ہنسی سے اولیٰ
ہیں دیس میں بے وقار، پردیس میں خوار ۔ مرنا ہے بس ایسی زندگی سے اولیٰ

قدرِ نعمت بعدِ زوال

دو چار اگر ہیں کام کرنے والے ۔ ہیں اُن کو ہزاروں نام دھرنے والے
تب قوم کی شاید کہ کُھلیں گی آنکھیں ۔ مرجائیں گے جب قوم پہ مرنے والے

قومی خدمت کا صلہ

کہدو! جنھیں اصلاح کا ہے قوم کی چاؤ ۔ طعنے جھیلو، بُرا سُنو، گالیاں کھاؤ
یہ قوم کی خدمت کا صلہ ہے سردست ۔ گر اس پہ قناعت کا ارادہ ہے! تو آؤ

مصلحت کی بات ماننی لازم ہے

گر پیرِ مغاں ہے محرمِ رمز و کُہن دار ۔ ہے مصلحت اسمیں کچھ نہ کچھ اے میخوار!
ہوتا نہ مساکین کا گر خیر اندیش[۱] ۔ خضر اُن کا نہ توڑتا سفینہ زنہار

انصاف کی پکار[۲]

پاؤگے نہ کوئی قاف سے لے تا قاف ۔ حق تلیفوں کے دلمیں نہ ہوں جسکے شگاف
گر غور سے سُنئے غُل ہے یہی چار طرف ۔ انصاف! انصاف! واہ انصاف! انصاف

---

[۱] حضرت خضر کے قصہ کیطرف اشارہ ہے دیکھو آیات قرانی واما السفینۃ فکانت لمساکین ۱۲ [۲] یہ باعی اور اسکے آگے ۹ اور رباعیاں "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۶ء سے نقل کی گئی ہیں۔ ۱۲

اپنے دستِ بازو سے کام کرنے کی ترغیب

اترو دریا سے اپنے بل تیر کے پار　　کب تک تیروگے ہو کے تونبوں پہ سوار
تم ڈوبنے کے یہ کر رہے ہو سامان　　اوروں کا سہارا تکنے والو! ہشیار!

پیری میں نفس کا اغوا کرنا

پیری میں نہ عقل چین لینے دیتی،　　کرتا رہتا نہ دل کو گر نفس قوی
یاد آتی ہے جب موت تو سمجھاتا ہے　　"بابا کے آمدی و کے پیر شدی"[١٥]

قوموں کی زندگی اور موت میں فرق

اقوام میں زندگی کی ہے روح جہاں　　چونک اُٹھتے ہیں ایک "ہاں" پہ ہاں پیر و جواں
کرتی نہیں "وحی" مُردہ قومیں وہ کام　　جو کام کہ "کارٹون" کرتا ہے وہاں

نفس کی خواہشیں دولت کی دشمن ہیں

یا نفس کی خواہشوں کو روک اے سردار　　یا فاقہ و فقر کے لئے رہ تیار
لاگے ہوئے ہیں چار طرف گھات میں چور　　گھر سے ہشیار! مال و زر سے ہشیار!

یہاں صرف دو چیزیں اپنی ہیں

گھر بار اپنا ہے اور نہ دولت اپنی،　　کنبا اپنا نہ ہے قرابت اپنی
اپنی نہیں کوئی چیز۔ یہاں دو کے سوا　　ایک موت اپنی ہے۔ ایک تربت اپنی

١٥ جس موقع پر ہم کہتے ہیں "ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے"، اسی طرح ایرانی اس موقع پر یوں بولتے ہیں "کے آمدی کے پیر شدی" اس رباعی میں بطور کنایہ ظاہر کیا گیا ہے کہ نفس عقل کی بات نہیں چلنے دیتا اور ہمیشہ غفلت چاہتا ہے۔ ۱۲

عاشق و معشوق دونوں پر حسن کا تسلط ہے

ہے حسن ہی کا کرشمہ چشم بد دور
عشاق کی بیخودی حسینوں کا غرور
یہ وہ مے تند ہے نشے میں جس کے
عاشق بھی ہے چور اور معشوق بھی چور

تشنگی طلب

ساقی! اے سب کے کام آنے والے
خم اپنے پرائے پر لنڈھانے والے
چھینٹا اک ادھر بھی بادۂ گلگوں کا
او تشنہ لبوں کی دوں بجھانے والے

علم کی ترقی سے یقینیات بھی مشکوک ہو جاتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے جس قدر علم بشر
کرتے جاتے ہیں شک خیالات میں گھر
ہوتی جاتی ہے دھندلی اتنی ہی فضا
جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

دنیا سراسر شر ہے

دنیا ہے وہ شر جس میں نہیں نام کو خیر
رشتہ ہے بدی سے اسکا نیکی سے ہے بیر
اور سب سے بڑا یہ عیب ہے اسمیں کہ آہ
ترقی نہیں یہاں کسی طرح اس کے بغیر

میر انیس لکھنوی

(غیر مطبوعہ)

اردو! گو راج چار سو تیرا ہے
شہروں میں رواج کو بکو تیرا ہے
پر جب تک انیس کا سخن ہے باقی
تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

میر انیس لکھنوی

(غیر مطبوعہ)

دلّی کی زبان کا سہارا تھا انیس — اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس

دلّی جڑ تھی تو لکھنؤ اُس کی بہار — دونوں کو ہے دعوٰی کہ ہمارا تھا انیس

ہنگامہ مسجد کانپور

(منقول از روزنامہ "ہمدرد" جلد ۱ نمبر ۱۰۶ مورخہ ۸ اکتوبر سنہ ۱۹۱۳ء)

یارانِ وطن نے قوم کا ساتھ دیا — دی قوم نے داد قوم بے رُو رُو دیا

ہر سُو بھڑک اُٹھی آگ ہمدردی کی — ہنگامہ کانپور نے کام کیا

ایضاً

صد شکر وطن سے کوچ نفرت نے کیا — گھر اہلِ وطن کے دل میں الفت نے کیا

تقریروں سے ہو سکا نہ تحریروں سے — جو کارِ نمایاں کہ مصیبت نے کیا

ایضاً

تائید میں حق کے جو بلا آتی ہے — ساتھ اپنے بہت سی برکتیں لاتی ہے

بچھڑے ہوئے دوستوں کو ملواتی ہے — روٹھے ہوئے بھائیوں کو منواتی ہے

روزانہ ہمدرد کا اجرا

(از ہمدرد ۲۴ جون سنہ ۱۹۱۳ عیسوی)

تمغوں کی ہوس نہ یاں خطابوں کی طلب — اک ملک کی خدمت کا ہے سودا یارب

"ہمدرد" کو اِسم بامسمّٰی کیجو — اس نام کی لاج ترے ہی ہاتھ ہے اب

حصہ سوم تمام شد

باہتمام منشی عبد العزیز خاں پرنٹر

عزیزی پریس آگرہ میں چھاپا گیا

إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

کلیاتِ نظمِ حالی

یعنی

شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسینؒ حالی پانی پتی

کے

تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ

جلد دوم

(مشتمل بر ترکیب بند)

مُرتبہ

شیخ محمد اسمٰعیل سکرٹری اورینٹل پبلک لائبریری پانی پت

شائع کردہ

حالی بُک ڈپو پانی پت

بار اول ——— قیمت مجلد ۸ر

کلیاتِ نظمِ حالی جلد دوم

کی

نظموں کی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

کلیاتِ نظمِ حالی

جلد دوم

مشتمل بر ترکیب بند

زمزمۂ قیصری

مرتبہ سنہ ۱۸۷۸ء

یہ نظم ایک انگریزی پوئم کے تین حصوں میں سے پہلے حصہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ شاید مسٹر البٹوک اس کے مصنف ہیں۔ جنہوں نے کرنل ڈیوس کے توسط سے جبکہ وہ دہلی میں کمشنر تھے اس تمام پوئم کو دہلی کے لائق آدمیوں سے فارسی میں نظم کرا کر ولایت میں بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ فارسی نظم لکھے جانے سے پہلے صاحب کمشنر نے یہ پوئم اردو میں ترجمہ کرا کر نظم کرنے کیلئے میرے پاس بھیجی تھی۔ میں اُن کے حکم سے صرف پہلے حصہ کو نظم کرنے پایا تھا کہ مصنف نے فارسی میں نظم کرانا چاہا

میں نے بسبب علالت کے فارسی نظم سرانجام کرنے سے اپنی معذوری بیان کی اور یہ کام اَوروں کے سپرد ہوگیا۔

اِس نظم کے تین حصّے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہے۔ دوسرے اور تیسرے حصہ میں تمام ہندوستانی رئیسوں کا جو **دربارِ قیصری** میں شریک ہوئے تھے عموماً اور **حضورِ نظام** کا خصوصاً تذکرہ ہے۔ مصنف نے پہلے حصہ میں بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ ناظرین اُس کو دیکھ کر مجھ سے خوش یا ناراض نہ ہوں میرا صرف اتنا قصور ہے کہ میں نے ان خیالات کو ایسی زبان میں نظم کردیا ہے جس کو میرے ہموطن عموماً سمجھ سکتے ہیں۔ اِس نظم میں جہاں کہیں ضرورت نے مجبور کیا ہے۔ وہاں اپنی طرف سے بھی کوئی بات اضافہ کردی گئی ہے اور اکثر جگہ تمیز کے لیے اُس کو بریکٹ میں محدود کردیا گیا ہے۔ بایں ہمہ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کہیں کہیں کچھ اختلاف پایا جائے۔ لیکن جو لوگ انگریزی پویٹیکل خیالات کو اُردو نظم میں بیان کرنے کی دقتوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اُن سے اُمید ہے کہ ایسی خفیف فروگذاشتوں سے چشم پوشی فرمائیں گے۔

(الطاف حسین حالی)

اے حصارِ عافیت! اے کشورِ ہندوستاں!
زیب دیتا ہے اگر کہیئے تجھے سارا جہاں
اک طرف کھینچی ہے قدرت نے ترے دیوارِ کوہ
موج زن ہے ایک جانب تیرے بحرِ بیکراں
چوٹیوں پر ہے پہاڑوں کی وہ عالم برف کا
ہے سدا چھایا ہوا جس پر خموشی کا سماں

بحر میں ہوتا ہے اک شورِ قیامت آشکار
جبکہ اُس میں آکے گرتی ہیں ہزاروں ندیاں
خوف باہر کا ہے تجھ کو اور نہ کچھ اندر کا فکر
(دستِ گلچیں نارسا و نخلِ دولت گلفشاں)
تو نے فارغ کر دیا ہے فتح ملکِ غیر سے
پھر ضرورت کیا کہ کھولیں بے سبب تیر انشاں
چل رہی ہے امن کی ہر سو ہوائے خوشگوار (ہو نہ اب کیدو خزاں سے رخنہ انداز بہار)
اے مقدس "آریہ ورت" آئی کیا تجھ پر بلا
جس نے بزمِ یکدلی کو تیری برہم کر دیا
کوچ کر جاتا نہ تجھ سے گر وفاق و اتحاد
کون تھا جو تیری جانب آنکھ اُٹھا کر دیکھتا
تو کہاں اور اہلِ مغرب کے بھلا حملے کہاں
ہاں مگر نا اتفاقی کی ملی تجھ کو سزا
گر تری اولاد میں ہوتا سلوک اور آشتی
لڑکھڑا جاتے قدم غیروں کے ہنگامِ دغا
گھاٹیوں میں آکے جب ہوتی فراہم تیری فوج
ہوش کھو دیتی سُمِ اسپانِ ہندی کی صدا
بھاگنا بھی دشمنوں کو وہاں سے ہو جاتا محال
دیکھتے جب ہر طرف سے آمدِ سیلِ بلا
یا اطاعت کرتے اور لڑنے سے باز آتے وہیں یا (اگر کرتے بہت ہمت تو) مرجاتے وہیں
ہند کا حق تھا کہ ہوتی مہر و اُلفت کی زمیں

قوم کے ہمدرد ہوتے اس مکاں کے سب مکیں
حیف جس مٹی سے اُگنا چاہیئے تھا نخلِ مہر
جم گیا آب دہوائے دہر سے وہاں تخمِ کیں
سربسر تختے گُلِ خودرو کے جس جنگل میں اُتے
(غور سے دیکھا تو) پنہاں تھے درندے بھی وہیں
(امن[1] قائم تھا طلوعِ صبح کے آغاز میں)
(جتنا دن چڑھتا گیا۔ ہوتا گیا عزلت گزیں)
دیوتا جو آریا کے زعم میں فانی نہ تھے
فانیوں کی طرح یہاں آکر رہے وہ بالیقیں
جنگ و خوں ریزی کے خود آکر ہوئے وہ رہنما
ورنہ فتنہ کا قدم تک یہاں نہ آیا تھا کہیں

یک بیک آیا خلل امن و اماں میں ہر طرف
ایک تزلزل پڑ گیا ہندوستاں میں ہر طرف

مرحبا اے خطۂ ہندوستاں! (صد مرحبا)

اس خرابی پر بھی روکے تو نے حملے بارہا
جانتا ہے اک جہاں "اسکندرِ اعظم" کا نام
"چشمۂ حیواں" پہ جس کو لے گیا بخت رسا
تھا جہاں خوف اور سناٹا بشر کا سدِّ راہ
اور نیچر کے طلسموں میں خلل آیا نہ تھا
گھرے اور تاریک غاروں میں تھا آبِ زندگی
سایۂ ہیبت تھا جن پر سربسر چھایا ہوا

[1] یہ شعر اپنی طرف سے اس لیے بڑھا دیا گیا ہے تاکہ بند کے پورے ۷ شعر ہو جائیں۔ (حالی)

گو ہوئی اُس کی رسائی "چشمۂ حیواں" تلک
پر نہ ہرگز تیرے سارے مرحلے طے کر سکا
جی میں جو حسرت تھی وہ آخر نہ نکلی زینہار
دل ہیں جو ارماں تھا وہ دِل کا دِل ہی میں رہا

دِقتوں نے فتح کی بے طرح گھبرایا اُسے
کام ہی مشکل تھا۔ یا مشکل نظر آیا اُسے

جس جگہ ملتا ہے "ستلج" سے سُبک رفتار "بیاس"
رہ گئیں فوجیں ٹھٹک کر اُس کی وہاں ساحل کے پاس
بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی
کارواں اور کارواں سالار کی ٹوٹی تھی آس
تھا کھڑا حیراں سکندر۔ اور یہ کہتا تھا کہ بس
فتح ہند اک خواب تھا۔ اور اُسکی تھی تعبیر یاس
جب سکندر پھر گیا ہو یہاں سے بے نیل مرام
کون پھر ایسا ہے؟ آئے یہ عزیمت جس کو راس
بعد مُدّت پھر وہیں آئی اُمنڈ کر اک گھٹا[۱]
"بیاس" کے میداں ہیں جس سے چھا گیا خوف و ہراس
جائے حیرت ہے کہ وہ کشور کشائے نامور[۲]
پھر گیا لیکر جہاں سے اپنی فوج بے قیاس

کر سکے کچھ وہاں نہ اِس حملے کے آگے اہلِ ہند
چھوڑ کر ندی بھری کشتوں سے بھاگے اہلِ ہند

پہلے اِس فتح نمایاں سے بھی اکثر جنگجو
کر گئے یہاں آن کر تیغ آزمائی میں غلو

[۱] اِس سے مراد انگریزی فوج کا وہ حملہ ہے جو ۱۸۴۶ء میں پنجاب پر ہوا [۲] یعنی سکندرِ اعظم

ندیاں جو راہ میں حائل تھیں اُن سے بارہا
حملہ آور اُترے اور پڑتے رہے رَن سُو بسُو
وہ نشاں جن کی چمک تھی بے بقا مثلِ شہاب[۱]
گہہ نظر آئے "اٹک" پر اور "ستلج" پر کبھو
رفتہ رفتہ سرزمینِ گنگ تک پہنچا ہر اس
آکے ٹھیرا پہلے "میننڈر[۲]" کنارِ آب[۳] جو
دھاریں "گنگا" کی وہ ہتھیار چمکے سربسر
"ہند" تک "یوناں" سے جو پیتے آئے تھے لہو
ناگہاں "جہلم" پہ چمکی آن کر "سِتھیا[۴]" کی آگ
اور پھر کرتی رہی آہستہ آہستہ نمو

پہنچی جب گنگا کے لگ بھگ بیاس اور ستلج کو پھاند ہو گئے یوناں کے ہتھیار آگے اُس کے ماند

[۱] یعنی جن کے جھنڈوں کے پھریروں کی چمک شہاب ثاقب کی مانند بے بقا اور ناپائیدار تھی اور جو ہندوستان پہ حملے کر کر کے محض ناکام یا چند روز شمالی ہند پر حکومت کر کے واپس چلے گئے (حالی)

[۲] میننڈر یونان کے "سوتیر" خاندان کا ایک مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ یہ خاندان سکندر اعظم کے بعد ملک باختر یعنی خراسان وغیرہ پر حضرت عیسیٰؑ سے ۲۰۰ برس پہلے مسلط ہو گیا تھا۔ میننڈر نے جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے ہندوستان پر ۱۹۱ قبل مسیحؑ سے ۱۶۱ قبل مسیح کے درمیان حملے کیے ہیں۔ اُس نے جنوب میں "سندھ" اور "کچھ" تک اور مشرق میں متھرا تک فتح کر لیا تھا

[۳] یعنی گنگا کے کنارے ۱۲

[۴] بحر اسود اور کوہِ قاف اور بحیرۂ کیسپین کے شمال میں جو وحشی قومیں آباد تھیں قدیم زمانہ میں اُن کو "سِتھیا والے" کہتے تھے۔ اب وہ تمام ممالک یورپین روس اور ایشیائی روس میں شامل ہیں۔ ستھیا والوں کے حملے حضرت مسیحؑ سے سَو برس پہلے شروع ہو گئے تھے

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند
جانبِ ہندوستاں "محمود" نے ہانکا سمند
وہ مسلمانوں کے حق میں ابرِ رحمت تھا مگر
ہندوؤں کے دل رہے اُسکے ستم سے دردمند
وہ پہنچتا تھا جہاں۔ ہوتی تھی وہاں آفت بپا
اور چلتا تھا جلو میں اُس کے آسیب و گزند
غش پہ غش آتے تھے ہر ذی روح کو بیم وہاں
سانس لیتا تھا جہاں وہ اژدہائے زورمند
روندتا تھا جسکو۔ وہ کھیتی نہ ہوتی تھی ہری
صلح سے بجھتا نہ تھا۔ ہوتا تھا جو شعلہ بلند
خوف تھا دل میں خدا کا اور نہ کچھ بندوں پہ رحم
قتل اور تاراج تھا اک بازیٔ سلطاں پسند

جب وہ آیا تھا تو سرتاپا گلستاں تھا یہ ملک — جب گیا یہاں سے تو مثلِ دشتِ ویراں تھا یہ ملک[۱]

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) ان وحشیوں کے غول کے غول ہندوستان پر چڑھ آتے اور لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح کی ولادت سے چند سال بعد کشمیر کے قریب اُن کی زبردست سلطنت قایم ہو گئی تھی۔ اُن کا سب سے مشہور بادشاہ کنشکا ہوا ہے جس نے بُدھ مذہب کی چوتھی کونسل منعقد کرائی۔ شمالی ایشیا میں بُدھ مذہب کی جو شکل ہے وہ اِسی کونسل کا نتیجہ ہے۔ "ستھیا کی آگ" سے غالباً اُس کی جہاں سوزی اور تاخت و تاراج مراد ہے جیسا کہ بایزید عثمانی کو ایلدرم کہا گیا ہے اور عرب کی فتوحات کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے ۱۲ (حالی)

سلہ انگریز مورخوں اور شاعروں کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی رحملی اور انسانی

آخر اے دانا حکیمو! کچھ سبب اِس کا بتاؤ
ہے بنی آدم کو کیوں قتلِ بنی آدم کا چاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) ہمدردی پر فریفتہ اور مسلمانوں پر غضبناک اور برافروختہ کریں تو وہ "محمود غزنوی" اور "تیمور" وغیرہ کی سختی اور تشدد کو خوب چھڑک چھڑک کر جلوہ گر کرتے ہیں۔ جس طرح اِس بند میں محمود کی بے رحمی اور ظلم کا بیان کیا گیا ہے اسیطرح ایک اور انگریز نے اُس کی شان میں کچھ اشعار لکھے ہیں۔ جن کا اُردو ترجمہ یہ ہے :-

اے مُلکِ زرنگار! قدم ہے وہ کونسا؟ — حملے سے جسکے ہے ترے ارکان میں زلزلہ
وہ تیرے قصر اور ستون دار سائباں — معبد وہ۔ جو پہاڑوں کے غاروں میں ہیں نہاں
ٹھاکر اور اُن کے مندر۔ راجہ اور اُنکے تخت — حملے سے اُس کے آگے پڑا سب پہ وقتِ سخت
پتلا غضب کا کونسا وہ ہولناک ہے — اے مُلکِ زرنگار! وہ غزنیں کی خاک ہے
آتا ہے لُوٹتا ہوا۔ اِس بزم گاہ میں — پھرتے ہیں بکھرے تاج۔ بہت اسکی راہ میں
کُتّے جو اُس کے ساتھ شکاری ہیں ہشیار — اُن کے گلوں میں ہیں وہ جواہر نگار ہار
بے رحم فوج لائی ہے جو لُوٹ مار کر — مقتول رانیوں کے گلے سے اُتار کر
کرتا ہے قتل لڑکیوں کو وہ۔ گھروں کے بیچ — اور بے گنہ پجاریوں کو۔ مندروں کے بیچ

اگرچہ ان دونوں شاعروں نے محمود کے تشدد کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے اُن کے بعض بادشاہوں کی ظالمانہ کارروائیاں گو وہ کیسے ہی وحشت اور تاریکی کے زمانہ میں کی گئی ہوں ہمیشہ باعثِ شرم و ندامت رہیں گی۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آیا دُنیا میں کوئی ایسی قوم ہے جو اس دھبے سے پاک ہو؟ یورپ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یورپ کی شائستہ قومیں جو آج اپنے سوا تمام دنیا کی قوموں کو وحشی یا نیم وحشی کا خطاب دیتی ہیں۔ محمود کے زمانہ میں بلکہ اُس کے بعد کئی صدیوں تک ایشیا سے بمراتب زیادہ وحشت و خوں ریزی اور بے رحمی میں مبتلا تھیں اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو بنی نوعِ انسان

جبکہ حق اور راستی ہے خاص رحمانی صفت
پھر تعجب ہے کہ جبّاری کا ہو اُس میں لگاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) کی دو خصلتیں نہ کبھی بدلی ہیں نہ آئندہ بدلنے کی امید ہے۔ ایک طمع اور خودغرضی۔ دوسرے زبردستوں کا زیردستوں کو دلنا اور پیسنا۔ جسطرح مگرمچھ مچھلیوں اور مینڈکوں کو یا شیر اور چیتا۔ ہرن اور نیل گائے کو نوش جان کرتا ہے۔ اسیطرح جو انسان قوی اور زبردست ہیں وہ ضعیف اور کمزور انسانوں کو شکار کرنے سے کبھی درگذر نہیں کرتے۔ سولھویں صدی کو جس میں اہل یورپ امریکہ میں جاکر آباد ہوئے کچھ بہت زمانہ نہیں گذرا۔ اس صدی میں یورپ کی بعض قوموں کے ہاتھوں امریکہ کے اصلی باشندوں پر کونسا ظلم اور کونسی بےرحمی ہے جو روا نہیں رکھی گئی۔ "میکسکو" اور "پیرو" جو امریکہ کے دو شائستہ ملک تھے وہاں کے مفتوحین پر جو وحشیانہ مظالم ہسپانیہ والوں نے کیے اُن کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی۔ "کورٹیز" جو ہسپانیہ کا رہنے والا اور "میکسکو" کا فاتح تھا۔ اُس نے اور اُس کے بعد نئے وارد شدہ جرنیلوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ "میکسکو" کو قاطبتہً ویران کر دیجیے اور وہاں ہسپانیہ کی ایک کولونی آباد کیجیے۔ چنانچہ جہاں تک اُن سے ہوسکا وہاں کے قدیم باشندوں کو نیست و نابود کرنیمیں اُنھوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ "کورٹیز" نے میکسکو کے شہنشاہ "مونٹی زوما" کو گرفتار کرکے اُلٹا لٹکا دیا اور اُسکی رعایا کو اُسکی آنکھوں کے سامنے جلایا اور قتل کرایا۔ بڑے بڑے الاؤ لگائے گئے تھے جنمیں ہزارہا بنی آدم عام طور پر بےتکلف جلائے جاتے تھے۔ دیہات اور جنگلوں میں ہزاروں آدمی شکاری کتوں سے پھڑوائے جاتے تھے۔ یہ ہسپانیہ کے وہی مقدس اور بےعیب عیسائی تھے جنھوں نے "کافروں" (یعنی مسلمانوں) کو غرناطہ سے ایک "ناپاک" اور "گنہگار" قوم ہونیکا الزام لگاکر نکالا تھا اور جن کا قول تھا کہ "ظالم اور بددین مسلمان اس لائق نہیں ہیں کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ہمسائے اور ہموطن ہوکر رہیں۔" اندازہ کیا گیا ہے کہ ایک ملین (دس لاکھ) بنی آدم ان مقدس عیسائیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی

جبکہ ہے سرچشمۂ مہر و محبت ذات حق
پھر نہ مانی جائے اُس کی شریعت بے دباؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) عقوبت اور سختی کے ساتھ مارے اور جلائے گئے - یہی حال کچھ دنوں بعد "پیرو" کا ہوا - یہ ملک جنوبی امریکہ میں بحر اکاہل کے کنارہ پر واقع ہے "فرنیسسلو پزیرو" جو غالباً اٹلی کا رہنے والا ایک مجہول النسب آدمی تھا اُس کو جنوبی امریکہ میں فتوحات کرنے اور وہاں سے سونا چاندی رولنے کا مدت سے خیال تھا - اُس نے "پناما" یا اُس کے قریب کسی اور مقام میں ایک جماعت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بڑا جہازوں کا اور کچھ سپاہ اُسکے ماتحت "ملک پیرو" کو جس کے تمول کی بہت شہرت تھی - روانہ کریں - چنانچہ اس سامان کے ساتھ وہ وہاں پہنچا - اور ایک دو پھیرے کے بعد اُس ملک پر قابض ہوگیا - پھر تو کوئی ظلم اور تعدّی ایسی نہ تھی جو "پیرو" کے اصلی باشندوں پر جائز نہ رکھی گئی ہو - اُن سے سونا اور چاندی چھین چھین کر اپنے ملک کو بھیجتا تھا - ہزاروں بندگانِ خدا اُس کے ظلم و ستم سے ملک چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے - جہاں وہ آخر کار فاقے کر کر کے مرجاتے تھے اور ہزاروں قتل کرائے جاتے تھے - تمام مورخوں کا اتفاق ہے کہ ایسی بیرحمی کبھی نہیں ہوئی انگریزوں کا بیان ہے کہ "آسٹریلیا" کے قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں کیگئی - اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہاں سختی کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی - وہ بیچارے اِس درجہ ناہموار - بیڈول - اور ناشائستہ تھے کہ انگریز فاتحوں کی صورتیں اور ٹیپ ٹاپ اور چمک دمک دیکھ کر شرم کے مارے زمین میں گڑے جاتے تھے اور کسی طرح ممکن نہ تھا کہ اُن کے پڑوس میں رہ سکیں جسقدر انگریز مہاجروں کی تعداد آسٹریلیا میں بڑھتی گئی وہ لوگ ملک کے اندرونی حصہ میں غائب ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ وہیں معدوم ہوگئے - اب شاذ و نادر کہیں کہیں اندرونی پہاڑوں کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں - "تسمانیہ" کے قدیم باشندے جو ایک خوش بشرہ مگر اَن سویلائزڈ قوم تھی - وہ یورپ والوں کی ہمسائیگی کے باعث بالکل فنا ہوگئی یہانتک کہ

کیا یہ زیبا ہے؟ کہ دینِ حق کو اے ابنائے جنس
زور سے منواؤ تم اور ندیاں خوں کی بہاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) اب ایک متنفس بھی اُن کی نسل کا باقی نہیں۔ بس آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو انڈیمان والوں سے بھی زیادہ بدقوارہ اور ناشائستہ تھے۔ انگریز جیسی اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم کے پڑوس میں کیونکر ٹھیر سکتے تھے؟ ؎

تو بجلوہ چوں در آئی۔ اجل از سر ترحم — ہمہ جا کند منادی پئے احتراز کردن

اگر فی الواقع انگریزوں نے آسٹریلیا والوں پر سختی نہیں کی تو یہ اُنکی عین دانائی تھی کہ اُنھوں نے مفت کی بدنامی نہیں لی اور تمام براعظم اُن کیلئے خودبخود خس وخاشاک سے پاک ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ نے علم و ہنر میں اس قدر ترقی کی ہے اور وہ دوسرے حصہ کے ابنائے جنس سے اِس قدر آگے بڑھ گیا ہے کہ اگلے زمانہ کے فاتح اور کشورکشا جن ناجائز ذریعوں سے مفتوحین کی دولت و ثروت اور سلطنت کے مالک ہوتے تھے اُن ذریعوں کے کام میں لانے کی اب مطلق ضرورت نہیں رہی۔ جس قدر مال و دولت پہلے قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے حاصل کیا جاتا تھا اُس سے اضعافاً مضاعفہ اب صنعت اور تجارت کے ذریعہ خودبخود کھچا چلا آتا ہے۔ یہانتک کہ جب دو ایسی گورنمنٹوں کے درمیان جنمیں سے ایک شائستہ اور دوسری ناشائستہ ہو تجارتی عہدنامہ تحریر ہوجاتا ہے تو یہ یقیناً سمجھ لیا جاتا ہے کہ شائستہ گورنمنٹ بغیر اس کے کہ ہلدی لگے یا پھٹکری۔ دوسری گورنمنٹ کے تمام ملک و دولت و منافع و محاصل کی بالکل مالک ہوگئی۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لُوٹ بھی لیکن — حذر اس لُوٹ سے جو لُوٹ ہے علمی و اخلاقی
نہ گُل چھوڑے۔ نہ برگ و بار چھوڑے تُو نے گلشن میں — یہ گلچینی ہے یا لُٹس ہے گلچیں؟ یا ہے قزاقی

شاید ان شعروں میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ اگلے زمانہ کی غارتگری نہ لُوٹ کھسوٹ سے جو نتیجہ مترتب ہوتا تھا۔ اُسی نتیجہ کے قریب قریب یہ شائستہ لُوٹ بھی پہنچادیتی ہے

یا یہ بہتر ہے کہ سچی دوستی اور پیار سے
اور اُن باتوں سے جنمیں جلوہ اُلفت کا دکھاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) کروڑوں اہل صنعت وحرفت جن کی دستکاری مکینکس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کرسکتی۔ نانِ شبینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ فلاحت پیشہ لوگوں پر یہ بپتا پڑتی ہے کہ زمین کی پیداوار جسقدر کثرت کے ساتھ غیر ملکوں کو جاتی ہے اُسی قدر ملک میں زیادہ کاشت کا تردد کیا جاتا ہے اور اس سبب سے روز بروز زیادہ لاگت لگانی پڑتی ہے اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا۔ یہ پولیٹکل اکانومی کا مُسلّمہ مسئلہ ہے کہ قدرتی پیداوار کی جسقدر زیادہ مانگ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کے بہم پہنچانے میں زیادہ لاگت اور زیادہ محنت صرف ہوتی ہے اور مصنوعی چیزوں کی جسقدر زیادہ طلب ہوتی ہے اُسی قدر اُن پر لاگت کم آتی ہے اور محنت کم صرف ہوتی ہے۔ ملکی تاجروں کے لیے جو کہ شائستہ ملکوں کی مصنوعی چیزوں کی تجارت کرتے ہیں۔ اول تو اوپر والے نفع کی کچھ گنجائش ہی نہیں چھوڑتے اور اگر قدر قلیل (جیسے آٹے میں نمک) کچھ فائدہ ہوتا بھی ہے تو اپنے ملک کی نہایت ضروری اور ناگزیر اشیار کا خرچ گراں ہونے کے سبب اُن کی کمائی میں سے بہت کم پس انداز ہوتا ہے۔ اور جسقدر ہوتا ہے وہ غیر ملکوں کی آرائشی اور غیر ضروری چیزوں کے خریدنے میں جو کمال نفاست اور لطافت کے باوجود نہایت ارزاں دستیاب ہوتی ہیں۔ صرف ہو جاتا ہے۔ پس اُن کو بھی آزادی اور فارغ البالی کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ اور اگر سو دو سو میں سے دو چار ایسے نکل بھی آتے ہیں جو اپنے ملک میں مرفہ الحال سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کا معاملہ اور لین دین اُن کروڑپتیوں سے ہوتا ہے جن کے مقابلہ میں وہ اپنے تئیں محض مفلس اور قلاش تصور کرتے ہیں۔ اور جن کی مانگ کے خوف سے ہمیشہ دوالہ نکل جانیکا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ طمع اور خودغرضی اور زبردستوں کا زیردستوں کو دلنا اور پیسنا جیسا کہ تاریکی اور وحشت کے زمانہ میں تھا اُسیکے قریب قریب اب بھی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ دولت گھسیٹنے کے لیے پہلے جبری وتعدی

دِل کرو اہلِ جہاں کے پہلے تسخیر اور پھر
حکم پھیلاؤ خدا کے اور یقیں اُن پر دلاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) کی ضرورت تھی - اب اُس کی کچھ ضرورت نہیں رہی - اُن سولائزڈ دنیا کی دولت سولائزڈ دنیا کی طرف خودبخود کھچی چلی جاتی ہے - ایک اژدہا شیر کو بہت بُرا بھلا کہہ رہا تھا کہ تو کیسا بے رحم ہے کہ ہمیشہ جانداروں کا خون پینے کی فکر میں رہتا ہے اور شکار کی دُھن میں دُور دور کے دھاوے مارتا ہے - تمام جنگلوں میں تیری دھاک ہے آج اس ہرن کو پھاڑ ڈالا - کل اُس پاڑھے کے ٹکڑے اُڑا دیے - ایسی خونخواری پر کمر باندھنی اچھی نہیں ہے - شیر نے کہا قبلہ! اگر میرے سانس میں بھی ایسی کشش ہوتی کہ دور دور سے جانور خود گھسٹے ہوئے میرے منہ میں چلے آتے اور میری حرص و آز کی آگ کو بجھا دیتے تو میں بھی ہرگز کسی بے گناہ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کرتا -

مع ذٰلک اگر آزادیٔ تجارت میں کوئی مزاحمت پیش آتی ہے اور بغیر جبر و تعدی کے کام نہیں چلتا تو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم سب کچھ کرنیکو تیار ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادیٔ تجارت کی مزاحمت رفع کرنی عین انصاف ہے - حالانکہ آجتک پولیٹکل اکانومی نے اس بات کا تصفیہ نہیں کیا کہ فری ٹریڈ کا قاعدہ مطلقاً قرینِ انصاف ہے یا خاص خاص صور توں میں خلافِ انصاف بھی ہو سکتا ہے - انگلینڈ کا فائدہ فری ٹریڈ میں ہے - اس لیے وہ اسی کو عین انصاف سمجھتا ہے - فرانس اور یونائیٹڈ اسٹیٹس اسکو اپنے حق میں بالفعل مضر سمجھتے ہیں - اسلیے اسکو جائز نہیں رکھتے لیکن انصاف شرط ہے - جن حکمتوں اور تدبیروں سے آجکل دنیا کی دولت گھسیٹی جاتی ہے اُن پر بخلاف اگلے زمانہ کی جابرانہ لوٹ کھسوٹ کے کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا -

مشہور ہے کہ "حکیم علوی خاں" کے زمانہ میں - جو کہ "محمد شاہ" کا معالج اور ایک نہایت حاذق طبیب تھا - ایک عطار بھی اُس کے نسخے دیکھتے دیکھتے علاج کرنے لگا تھا لوگوں نے اِس کا ذکر علوی خاں کے سامنے بھی کیا - اور یہ کہا کہ جس قدر مریض آپ کے

راہ حق کا خار و خس سے پاک ہونا چاہیئے
گلشن دیں بے خس و خاشاک ہونا چاہیئے

خار ہی خار آتے ہیں مدت سے لیکن یہاں نظر
خون ہے اُستاد اور شاگرد دونوں کا ہدر[۱]
راستی اور امن کی دیتے ہیں جو تعلیم یہاں
راحت و آرام کو کھوتے ہیں اپنے سر بسر
اور لینی چاہتے ہیں اس طرح تعلیم جو
وہ زمانہ کے ستم لیتے ہیں اپنی جان پر
بات حیرت خیز ہے پر شک نہیں اسمیں ذرا
نخل شادی آنسوؤں کے نم سے لاتا ہے ثمر
دمبدم سیراب اگر خونِ شہیداں سے نہ ہو
رہ نہیں سکتا ہرا۔ دُنیا کی راحت کا شجر
بے شہادت مل نہیں سکتی حیاتِ سرمدی
موت ہے در زندگی کا۔ اور اُلم بابِ ظفر

غیر کے زخموں پہ ہرگز رحم ہم کھاتے نہیں
آپ جب تک زخمِ کاری کا مزا پاتے نہیں

اے "جلال الدین" ہے تو ہی وہ شاہِ نامدار
صُلح کل جس کی زمانہ میں رہے گی یادگار
بسکہ آزادی بنی نوعِ بشر کو تو نے دی
رائے پر ہر شخص کی ٹھیرا عقیدت کا مدار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) علاج سے اچھے ہوتے اور مرتے ہیں اُسی کے قریب قریب اُنکے علاج سے بھی اچھے ہوتے اور مرتے ہیں۔ علویخاں نے کہا "بلے! لاکن من باقاعدہ می کشم و آں قرساق بے قاعدہ می کشد" ۱۲ (حالی)
[۱] اُستاد اور شاگرد کی شرح نیچے کے دو شعروں میں کی گئی ہے ۱۲

فہم سے بندوں کے بالاتر تھے جو اسرارِ دیں
بحث کرنے کا ملا بندوں کو اُن میں اختیار
حوصلہ نکلا نراشاہانِ پیشیں سے وسیع
تجھ سے القاب شہنشاہی نے پایا اعتبار
پر۔ تری اولاد نے کی پیروی تیری نہ حیف
ہو گیا اُن کا تعصب خود گلے کا اُن کے ہار
ثمرہ آخر مل گیا اُن کے تعصب کا انہیں
کر گیا رحلت جہاں سے جلد اُن کا اقتدار

دولتِ روئے زمیں کل جلوہ آرا تھی جہاں
خار و خس کے ڈھیر ہیں کھنڈر دکھیں اُنکے آج وہاں

خیر اُن کے ذکر سے اب کیجئے قطع نظر
خوبیاں تھیں عہد میں اُن کے نہ لیکن اس قدر
امن۔ راحت۔ اتفاق اور برکتیں انصاف کی
ملک افزائش سے ہو جن کی بدولت بہرہ ور
اور رعیت کی اطاعت جو نہ مجبوری سے ہو
بلکہ جس سے رغبت اور اخلاص ہو خود جلوہ گر
نعمتیں ہندوستاں کو یہ ہوئیں اُس دم نصیب
چھا رہی تھی جبکہ مایوسی دلوں پر سربسر
امن و راحت کا تصور تک نہ آتا تھا کبھی
جائے حق ناحق کا سکہ چل رہا تھا بے خطر
دیکھ کر آخر بدی کا دَور دَورہ۔ نیکیاں
ہو چکی تھیں یہاں سے رخصت۔ آہ ٹھنڈی کھینچکر

اُس اندھیرے میں اُجالا ناگہاں پیدا ہوا　　(چشمۂ حیواں کا ظلمت میں نشاں پیدا ہوا)

گیا مرہٹے ۔ کیا مغل ۔ سادات کیا ۔ افغان کیا
عہد میں سب کے رہی یہاں بارشِ ابرِ بلا
علم و فن ۔ جرأت ۔ نکوئی ۔ مٹ گئیں سب خوبیاں
دمبدم طوفان بدی اور عیب کا بڑھتا رہا
یاس سے حالت عجب اک ہند پر طاری ہوئی
بحرِ بے پایاں میں گویا سخت طوفاں تھا بپا
بے طرح چھایا ہوا تھا ابرِ ظلمت چار سو
کوکبِ رہبر کا ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا پتا
کوندنا بجلی کا تھا گویا کہ بجلی کی چمک
اِک جھلک آئی نظر اور پھر اندھیرا چھا گیا

جو کہ بزدل تھے وہ غش کھا کھا کے گرتے تھے وہاں　　اور جی چھوڑے ہوئے تھے ہر جری اور مرد وار

ڈوبنے کے جب نظر آنے لگے آثار سے
تب نجات آئی یہاں ساتوں سمندر پار سے
آ کے انگلستان نے طوفان کو للکارا کہ بس!
باز رہ اے فتنہ! اپنی گرمیِ رفتار سے
مدتوں کی سختیوں سے ملک چھوٹا ایک قلم
ہند کو اپنوں نے دی آ کر نجات اغیار[۱] سے
اہلِ ہند اور اہلِ مغرب اصل میں سب ایک ہے
کچھ دنوں بچھڑے رہے پڑ گردشِ ادوار سے

[۱] اپنوں سے مراد یہاں مغربی آریا یعنی انگریز اور اغیار سے مراد مسلمان فاتح ہیں۔ (حالی)

گو رہے چندے جُدا - پر مل گئے انجام کو
کلفتیں بدلی گئیں فرقت کی - آخر پیار سے
اہلِ مغرب کو نہ سمجھیں غیر ہرگز - اہلِ ہند
(آئینہ اور سنگ دونو نکلے ہیں کہسار سے)

اب نہ چھوڑے گا یقیں - وہموں کی لڑ کاٹے بغیر　　دوستی رہتی ہے کب نفرت کی جڑ کاٹے بغیر

دہریوں کا فرقۂ لایعقل و کوتاہ بیں
اپنی کج رائی سے جو تقدیر کا قائل نہیں
اب ہیولی کو نہ سمجھے مصدرِ کُل کائنات
اتفاقِ دہر پر رکھے نہ بُنیادِ یقیں
ورنہ ہم پوچھیں گے اُس سے - کس طرح اک اتفاق
یا ہیولی - لے گیا مغرب تا مشرق زمیں
کچھ جہاز اور چند سوداگر - تجارت کے لیے
تاکہ ہوں پردیسیوں کی طرح وہاں جا کر مکیں
اور پھر اُس کشورِ آباد پر قابض ہوں وہ
ایک مدّت تک رہا مغلوں کے جو زیرِ نگیں

کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا اے اہلِ رائے　　یا مشیت نے تماشے اپنی قدرت کے دکھائے

لیسے ہذیانات بیجا سے یہ بہتر ہے کہ ہم
مان لیں سُر اور[۱] اُسُر کی داستاں بے بیش و کم

[۱] "سُر" دیوتا کو اور "اُسُر" راکشس کو کہتے ہیں - مہا بھارت میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک بار دیوتاؤں اور راکشسوں کی لڑائی ہوئی تھی جسمیں دیوتا فتحیاب ہوئے اور راکشس ہار گئے - راکشسوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم باوجودیکہ دیوتاؤں سے قوی اور زبردست ہیں پھر

گو اک فسانہ ہے - لیکن دہریوں کے قول سے
اُسمیں کچھ باتیں زیادہ دل نشیں پاتے ہیں ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) کیوں اُن سے مغلوب ہو گئے - آخر یہ معلوم ہوا کہ اُن کے پاس علم یعنی منتروں کی طاقت ہے - راکشسوں نے اُن کے منتر اور کتابیں چرالیں - اور ایک راکشس "سنکھاسُر" نام اُن سب کو لیکر سمندر میں غائب ہو گیا - ایشور نے جو یہ حال دیکھا تو خود مچھلی کا روپ بھر "سنکھاسر" کو سمندر میں جاکر ہلاک کر دیا اور دیوتاؤں کے سارے منتر اور پستکیں صاف نکال لائے - ایشور کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندر میں اور بھی بہت سے رتن (یعنی مفید اور نایاب چیزیں) ہیں اُن کو نکالنا چاہیئے - اُنہوں نے کہا کہ میں کچھوا بنتا ہوں - میری پیٹھ پر رئی کی جگہ ہمالیہ پربت کو رکھدینا اور تسمہ کی جگہ باسگی (سانپ کا نام ہے) کو ہمالیہ کے گرد لپیٹ کر اُس کے دونوں سرے "سُر" اور "اَسُر" اِس طرح پکڑیں کہ سانپ منہ کی طرف سے سُروں کے اور دُم کی طرف سے اَسُروں کے ہاتھ میں رہے اور اس طرح سمندر کو بلو ڈالیں اُنھوں نے ایسا ہی کیا - یہاں تک کہ سمندر میں سے چودہ رتن یعنی لچھمی - جواہر - شراب - درخت - بید چاند - گئو - گھوڑا - سفید ہاتھی - تیر کمان - امرت - اور بس وغیرہ برآمد ہوئے - امرت پر سُروں اور اسروں کی باہم تکرار ہو گئی - اُنھوں نے کہا ہم لیں - اِنھوں نے کہا ہم لیں - بالآخر ایشور ایک حسین عورت کا روپ بھر کر اُن پر ظاہر ہوئے - دیوتا اور راکشس دونوں اُسکی صورت پر فریفتہ ہو گئے اور آپس میں یہ قرار دیا کہ یہ عورت جسکو جو کچھ دے وہ اس کو خوشی سے لیلے - چنانچہ اُس عورت یعنی ایشور نے ایک لچھمی تو اپنے واسطے رکھ لی اور باقی تمام رتن فریقین پر تقسیم کر دیے امرت سُروں کے حصہ میں آیا تھا مگر تھوڑا سا تقسیم ہونا باقی تھا کہ ایک راکشس اسے اُٹھا کر پی گیا اس پر دیوتاؤں میں سے ایک نے اُس کا سر اُڑا دیا - لیکن بس کو کسی نے لینا قبول نہ کیا - شیو یعنی مہادیو جی نے کہا "لاؤ اسکو میں کھا جاؤں" وہ اس کو کھا تو نہ سکے مگر اپنے کنٹھ (حلق) میں رکھ لیا جس کے سبب سے اُن کا گلا نیلا پڑ گیا - شاعر اس بند میں قصہ مذکور کی طرف اشارہ کرتا ہے -

اہل انگلستاں کا آنا سمندر پار سے
ہے سمندر کا بلونا فی المثل اے محترم
زندگی۔ جو اُس سے اہل ہند کو حاصل ہوئی
ہے وہ امرت جو کہ پہنچا ہے سمندر سے بہم
اب رہا وہ زہر جس سے حلق شیو کا جل گیا
یہ وہی حق ہے کہ جو ہے واسطے باطل کے سم
جس سے ہوگی محو اگلے دیوتاؤں کی نمود
اور ہوں گے ہاتفانِ غیب گونگے یک قلم

جو شائے جائیگا باطل کی ظلمت کے نشاں　　صبح صادق کی نہ ہوگی روشنی جب تک عیاں
ہند میں پہلے کبھی جو سلطنت یکسو نہ تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹) وہ کہتا ہے کہ برٹش حکومت کا ہندوستان میں قائم ہونا اس قصہ کا مصداق ہے۔ گویا انگریز مثل دیوتاؤں کے ہیں جو اپنے علم کی طاقت سے راکشسوں یعنی ہند کے لٹیروں اور پنڈاروں اور ظالم حکمرانوں پر غالب آئے۔ اور وہ جو انگلستان سے کئی سمندر طے کرکے ہندوستان تک پہنچے۔ یہ گویا سمندر کا بلونا تھا۔ اور اُنکی سلطنت سے جو زندگی یعنی امن و رفاہ و آزادی اور جان و مال کی حفاظت ہندوستان کو حاصل ہوئی یہ وہ امرت ہے جو سمندر سے برآمد ہو۔ اور جس زہر سے مہادیو کا حلق جل گیا یا نیلا پڑ گیا تھا اُس سے خود انگریزی سلطنت کو مثال دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حق باطل کے واسطے زہر ہے اسیطرح یہ سلطنت قدیم سلطنتوں اور اُن کی طرز حکومت کے حق میں زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے۔ اس سے اگلے دیوتاؤں یعنی قدیم بادشاہوں کی حکمرانی کے طریقے سب محو ہو جائیں گے اور اُنکی تائید میں جو غیب سے آوازیں آتی تھیں وہ بند ہو جائینگی اور جبتک کہ ہندوستان میں صبح صادق یعنی علم اور شائستگی کی روشنی نمودار نہ ہوگی اُس وقت تک برابر قدیم زمانہ کی تاریکیوں کو یہ سلطنت محو کرتی رہے گی (حالی)

موجود تھی تب تو ہمنے انکو بہو کہا رکہا۔ اور شہوت رانی سے روکا یہانتک کہ
انہین بدہیئت وبدصورت بناکر اپنے پاس سے نکالدیا اور ان کی صحبت سے
منہ موڑلیا۔ اسلیئے اے شہزادے۔ انکے لئے مفر یہ کرنا کہ پہاڑ کی کسی
کہوہ یا زمین کے کسی گڑہے مین ایک کو دوسرے کے اوپر تودہ کرکے
رکہہ دینا۔ اور اوسکے منہ پر پتہر رکہہ کر مٹی سے بند کر دینا۔ تاکہ درندے و
پرندے اونکی بےحرمتی نہ کرین۔ بس اس سے زیادہ بار مین تیرے
ذمہ نہین رکہتا اور نہ ہم اس سے زیادہ کا استحقاق رکہتے ہین۔ اور تو جو
کئی قسم کے پتہر اور کپڑے میری تعظیم کے لئے اور اس امید سے لایا ہے
کہ دین کی راہ اور ہماری موافقت مین انہین لگائے تو تو نے ہماری موافقت
اور مسرت حاصل کرلی۔ اسلیئے کہ سب سے بڑی چیز یہی ہے کہ تو ان پتہروں
اور چیتہڑون کی کوئی حقیقت نہین سمجہتا اور تیرے نزدیک یہ محض ذلیل
چیزین ہین اور ہماری خوشی بہی اسی مین سب ہے۔ لیکن ہمکو یا دین کو اس کی کوئی
حاجت نہین ہے۔ پس اے شہزادے تو انہین پہینکدے۔ اور انسے
اوسی طرح دور ہو جسطرح آگ سے۔ اور سمجہہ رکہہ کہ جس شخص کو تو یہ چیزین
دیگا اوسکے ساتہہ بڑی بدسلوکی اور اوس کا سخت گناہ کرے گا۔ کیونکہ انکے
گناہ اور فساد کو تو اوس کی گردن پر ڈالیگا اور جو شخص انہین قبول کرے گا
وہ اپنے نفس کے اوپر ایک زور آور دشمن اور باولے کتے کو مسلط کریگا
جو اوس کی طبیعت کو خواہشات نفسانی کی طرف کہینچکر لیجائینگے
اور تجکو یہ خوف پیدا ہوا ہے کہ جو اذیتین ہمکو تیرے باپ سے پہونچین

سایۂ عدل دنکوئی - پرتوِ امن و رفاہ
ہم نے یہ مانا کہ پتھر پر ہیں کندہ جو حروف
وہ رہیں گے منقش اُس پہ ہزاروں سال و ماہ

نقش ہر اک صفحۂ دل پر ہے جس کا اُستوار نام ہے وکٹوریا کا اُن سے بڑھکر پائیدار

مشرقی تاج آج تک تھا پیشِ ربِّ ذوالمنن
اِک امانت جس سے محرم تھا نہ فرقِ مرد و زن
قبضۂ تقدیر میں اب تک رہا محفوظ وہ
مر گئے اُسکی تمنا میں سلاطینِ زمن
ہاں مگر اے فخرِ شاہانِ جہاں وکٹوریا
تھی ترے فرقِ مبارک سے لگی اُس کی لگن
گر کہے کوئی کہ اوروں نے نہ کیوں پایا یہ تاج
اُس سے کہدو لائقِ حلوا نہیں ہے ہر دہن
گو بہت دنیا میں شاہ و شاہ بانو ہیں مگر
بانوئے برطانیہ کا سب سے بالا ہے چلن
ماں کسی اولاد کو ایسی نہیں ہوتی نصیب
اور نہ ماں کو ایسی بیٹی - اور نہ دولھا کو دُلھن

رنج سہنے کے لیے ایسے جگر ہوتے نہیں نیک طینت - پاک دل ایسے بشر ہوتے نہیں

وہ جزیرہ جو کہ روئے بحر پر ہے مثلِ خال
دھوپ کا اور روشنی کا جسکی سرحد میں ہے کال
جس سے آگے بڑھ کے ہیں آثارِ قدرت ناپدید
کچھ نہیں آتا نظر جز ذاتِ ربِّ ذوالجلال

یعنی انگلستاں ۔ ہے جس کی حقیقت اسقدر
شاید اس کے باب میں کوئی یہ کر بیٹھے سوال
کیا ضرورت ہے کہ وہ مختار اور قابض رہے
سرزمینِ ہند پر۔ ہے جسکی وسعت کا یہ حال
اُس سے کہدو ۔ خوں بہے اولاد کا اُسکی یہاں
آبِ باراں کی طرح ۔ اور بحر و بر ہو جائیں لال
جس کے لینے اور بچانے کیلئے لاکھوں شجاع
جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہوے ہوں پائمال
مفت اُسے ہاتھوں سے کھودینا روا ہو کسطرح　　خون بہا اُن سورماؤں کا ادا ہو کس طرح
اور سب جانے دو۔ کیا عظمت کی کچھ قیمت نہیں
یا فتوحاتِ نمایاں لائقِ وقعت نہیں ؟
پے بہ پے فتح و ظفر کی قیمتی زنجیر کیا ؟
دوش پر اک قوم کے پیرایۂ عزت نہیں ؟
واسطے اولاد کے میراث جس کو چھوڑ جائیں
اسقدر بھی دولت و عزت میں کیا برکت نہیں ؟
سمجھے اس دولت کو جو ناچیز ۔ اُسکی رُوح کو
جسمِ خاکی سے جو سچ پوچھو تو کچھ نسبت نہیں
بحث کرنی اُس سے لاحاصل ہے ۔ سمجھا دو اُسے
تجھ کو انگلستاں کی شہرت سے کچھ نسبت نہیں
ناحق ایسے شخص کے کہنے کا تم مانو بُرا
جسکی فطرت میں کرمیوائوں سے کم خسّت نہیں

ننگ ذلت ہے نہ کچھ پروائے عزت ہے جسے — ہر مذلت اور پستی پر قناعت ہے جسے

جرأتیں اسپارٹا سے یہ نہ ہوتیں آشکار
گر بزرگوں کی مہمیں وہاں نہ ہوتیں یادگار
جب بڑوں کے اپنے سا کے یاد آتے تھے انہیں
آبرو پر جان و تن بڑھ بڑھ کے کرتے تھے نثار
سورما تھرموپلی کا نام سُن پاتے ہیں جب
جوش میں آتے ہیں کیا کیا اُن کے دل بے اختیار
آئے ہیں اس معرکہ میں کام تیغ و شمشیر جری
نسل میں انکی وہی عزت رہے گی برقرار
جو کہ دہلی یا اسائی میں ہوئے ہیں فتحیاب
ہموطن بھائی ہوں انکے یا عزیز اور دوستدار
جی چرائیں گے نہ ہرگز جان دینے سے کہیں
فی المثل گردش گئی طاقت سے بھی ہونگے دوچار

تاکہ فتح دہلی و فتح اسائی کا شرف — قوم میں باقی رہے۔ گو اپنی جانیں ہوں تلف

یاد ہوگا سب کو وہ حق کا عتاب اولیں
جس نے ڈالی تھی بشر کی ذات میں بنیاد کیں
تفرقہ نے توڑ کر پھینکا تھا سب کو دور دور
تھی پڑی جسوقت بن بوئی جتی ساری زمیں
کون ہوگا جس کے دل میں یہ تمنا ہو کہ پھر
ہو وہی پہلا عتاب انساں پر نازل کہیں
قومیں آپسمیں بہت رکھتی ہیں یہاں جو میل جول

اُن کی عقلیں ہوتی جاتی ہیں زیادہ دُور بیں
ایک حاکم کی رعیّت دوست ہوتی ہے سدا
گر نہ ہو تو ایک دن ہو جائے گی وہ بالیقیں
قوت اور امن و خوشی ہیں ثمرہ ہائے اتفاق
ثمرۂ نا اتفاقی جز ہزیمت کچھ نہیں

نوعِ انساں میں بدی سے جو کہ پھیلا تھا نفاق ۔۔۔ کرتا جاتا ہے زمانہ اُس میں پیدا اتفاق

ہے زبردستوں کا یارو بول بالا آج کل
پودنے کی اصل کیا۔ دیووں کا ہو جس جا عمل[1]
اِک ذرا سی ٹھیس میں ہوتا ہے کام اُسکا تمام
دیو کی جُنبش ہے اُس کے حق میں پیغامِ اجل
دے۔ گر انگلستاں کا ساری رعیت مل کے ساتھ
تنگ ہو جائے عدو پر عرصۂ جنگ و جدل
ورنہ وہ مِلّت کہ جو دو برّ اعظم پر ہے آج
سایہ افگن صورتِ نخلِ تناور فی المثل
کیا تعجب ہے کہ اُس کا سایۂ دُور و دراز
رفتہ رفتہ جائے باہر اپنی سرحد سے نکل
سامنے اس قوم کے انگلینڈ کی ہے وہ مثال
جیسے اِک بالشتیا آجائے پیشِ مردِ یَل

وقت پر سب مل کے گر اُسکا نہ دینگے ساتھ یہاں ۔۔۔ اک طرف ہو جائیگا پلّہ ترازو کا گراں

نوعِ انساں کو ملی ہے جبکہ عقلِ ناتمام

[1] یہ روس کی طرف اشارہ ہے۔ انگلینڈ کو پودنے سے اور روس کو پودنے سے تشبیہ دی ہے

پھر حماقت ہے کہ کیجے آج ۔ کل کا اہتمام
بات جو کل ہو چکی ۔ اُسکی بھی حسرت ہے عبث
رہتے ہیں آج اس لیے ہر حال میں ہم شادکام
جبکہ ایک ہموار رستے پر چلے جاتے ہیں ہم
دائیں بائیں کے بلند و پست سے کیا ہم کو کام
کچھ دنوں سے چڑھ رہے ہیں ہم بلندی کیطرف
کر چکے قطع ۔ تھے یہاں پُرخطر جتنے مقام
آن پہنچے جب بلندی پر تو لازم ہے کہ اب
خوف کا ہرگز رہے باقی نہ دل میں اپنے نام
جب بلندی پر سے دیکھیں جھک کے پستی کیطرف
شکرِ حق لائیں بجا ۔ اور بخت کو بھیجیں سلام

جو خوشی دی ہے خدا نے اُس سے جی ٹھنڈا کریں
یاد ایّامِ گذشتہ سے نہ دل میلا کریں

راگنی اب وقت کی ہم چھیڑتے ہیں برملا
جس سے ظاہر ہو کہ حالت ہند کی ہے آج کیا
اتفاق اور دوستی نے کر دیا ہے سب کو ایک
اور آزادی[۱] نے کر رکھا ہے ہر اک کو جُدا
مملکت فوجوں سے اور قلعوں سے ہے معمور سب
پایۂ نظم و نسق پہنچا ہے تا فوق السّما

[۱] یعنی سب کو رائے کی آزادی حاصل ہے ۔ ہر شخص ایک ۔ دوسرے کے اور خود گورنمنٹ کے خلاف رائے دینے کا مجاز ہے ۔ گویا آزادی کی حیثیت سے سب جدا جدا ہیں ۔ اور اتفاق کی حیثیت سے سب ایک ہیں ۱۲ (حالی)

سر پہ دو تاج ہمایوں ہند کے رکھے گئے
واجبی حق الغرض مدت کے بعد اسکو ملا

برخلاف اُس ملک کے جو ڈھک رہا ہے برف سے[۵۱]
ہر طرف ہے بن ہی بن اور قحط ہے جاندار کا

بھیڑیوں کے غول پھرتے ہیں بنوں میں چیرتے
تاکہ جو ملجائے وہاں آوارۂ دشتِ بلا

کرکے چھوڑیں اسکو ایسا بیکس و بے خانماں
حشر تک پیارے رہیں فرقت میں اُسکی نوحہ خواں

بارے ایسی ہند کی حالت نہیں زار و نزار
ہے موافق اُس کی وسعت کے رعیّت کا شمار

فرض کیجے کُل بنی آدم کے چھ حصے اگر
ایک حصہ اُس میں اہلِ ہند پائیں گے قرار

ہے یقیں مقدار اسکی اس سے بھی بڑھ جائے کچھ
کیونکہ فتنہ کو نہیں مدت سے ملتا اس میں بار

زندگی کی ریت اب ٹھیرے گی شیشے میں سوا
پیشتر جس کے نکلنے کا بندھا رہتا تھا تار

اس قدر بندوں کی روزی کا ہمیں کیوں فکر ہو
ہے خدا کے حکم پر سب کی معیشت کا مدار

کچھ نہیں تو قحط کا دورہ[۵۲] سلامت چاہیئے
بڑھنے پائیگا نہ آدم زاد کا حد سے شمار

[۵۱] یہ روس کے غیر آباد اور ویران مُلک کی طرف اشارہ ہے ۱۲ (حالی)

[۵۲] اس خیال سے مترشح ہوتا ہے کہ شاعر کے نزدیک غریب ہندوستانیوں کی جانیں ضرائے دمن

باد رکھ اے منکرِ حق - ہے یقیں اصلِ نجات　　وسوسوں سے اور کھل جاتی ہے راہِ مشکلات

ہر کرن سورج کی اور ہر بوند پانی کی یہاں
لاکھوں جانداروں کے رہنے کو علیحدہ اک جہاں
وہ خدا جس نے بنایا اور پھر پالا انہیں
کیا تجھے اور نسل کو تیری نہ دیگا قوت و ناں
ہند کا دریا جو چڑھتا ہے تو چڑھنے دے اسے
تو یقیں کو اپنے رکھ مضبوط بے وہم و گماں
ہے اگر غلبہ کا کثرت پر[۵] رعایا کی مدار
ہند ہو سکتا ہے آدھے ایشیا پر حکمراں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وحشرات الارض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ کاش وہ ہندوستان کی آبادی گھٹنے کے لیے یہ امید ظاہر کرتا کہ جسقدر تجارت۔ سیاست اور علوم و فنون کی ملک میں ترقی ہوتی جائیگی۔ اُسیقدر یہاں کے باشندے ترکِ وطن اختیار کرتے جائیں گے۔ اور اِس طرح رفتہ رفتہ ملک کے باشندوں کی تعداد ایک مناسب مقدار پر ٹھیرے گی۔

اِس بیان میں ایک اور بھی خلل ہے۔ وہ یہ کہ اوپر کے شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی مردم شماری زیادہ ہونیسے اِس بات کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستانیوں کی خوراک کے لیے کافی نہ ہو۔ اور اِس سببسے بہت سے لوگ بھوکے مرنے لگیں۔ اِس اندیشہ کو وہ اِس طرح رفع کرتا ہے کہ جب قحط سالیوں میں لوگ بھوکے مرتے رہینگے تو مردم شماری بڑھنے نہ پائیگی اور ملک کی پیداوار ملک والوں کو کافی ہوگی۔ گویا بھوک سے مرنیکا علاج بھوک ہی سے مرنا بتایا ہے

۵ غلبہ کا مدار کثرتِ رعایا پر نہیں ہے بلکہ رعیت کے ذہن میں یہ بات دلنشین ہونی چاہیئے کہ ہمارے اور گورنمنٹ کے مقاصد متحد ہیں اور ہم پر ہماری ہی بہبودی کے لیے حکومت کی جاتی ہے کیونکہ جب تک رعیت کو اس بات کا یقین نہ ہو۔ کیونکر امید کی جاسکتی ہے کہ وہ سلطنت کی جاں نثار ہوگی (حالی)

کچھ بھی ہمت ہو اگر اس میں تو پھر ممکن نہیں
آنکھ اُٹھا کر دیکھ لے کوئی سوئے ہندوستان
بلکہ خود لے جائے وہ فوج اور لشکر اپنے ساتھ
اور گاڑے جا کے حد میں غیر کی اپنا نشان

اور اگر کچھ بھی ہو تو یوں کیسے جائے بسر عزت-آزادی و بزرگی آبرو سے اپنے گھر

مملکت اتنی ہو جس کی اور رعیت اس قدر
ہو زمیں ساری خدا کی برکتوں سے بہرہ ور
ایسے سلطانِ بلند اقبال فرخ فال کو
اور پھر کیا چاہیئے ؟ کچھ بھی قناعت ہو اگر
ہے کوئی وادی جہاں میں ہمسرِ کشمیر آج
یا کوئی گنگا کے میداں سے زمیں زرخیز تر
شہر ہے جو مرکزِ کشمیر[۱] مانندِ طلسم
طرفہ کیفیت سے ہے لہروں میں ڈل کی جلوہ گر
دیکھتے ہیں آبِ صافی میں جب اُسکا انعکاس
وہ سراد یس کا نقشہ صاف آتا ہے نظر
باغِ شالامار جو رونق فزا ہے اُس کے پاس
ہے وہ اک نیرنگِ قدرت کا تماشا سر بسر

سبزہ و نسرین و گل کی زمیں کہیئے اُسے صفحۂ گیتی پہ یا خُلدِ بریں کہیئے اُسے

فی المثل تختہ زمرد کا ہے وہاں اک سبزہ زار
سایہ افگن اس طرح ہیں ہو بہو اُس پر چنار

[۱] مرکزِ کشمیر سے مراد شہر "سری نگر" ہے ۱۲

جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر
زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار
تھی بنانے سے غرض تیرے یہ اے باغِ نسیم
باغِ جنّت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار
چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئیں
جابجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن پہرہ دار
اُنکی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا
سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائیں گے پار
روزِ روشن میں جب اُن کا جھیل پر پڑتا ہے عکس
نقرئی پانی کی اُس کی پھر کوئی دیکھے بہار

اور پھر جمگھٹ زنانِ مہ لقا کا ہر طرف (سامنا آفت کا - فتنہ کا - بلا کا ہر طرف)

جنّت اے کشمیر کوئی تجھ سی دنیا میں نہیں
تو نہیں دیتی بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں
ہر چمن یہاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے
ہر چمن میں یہاں مہیا ہیں مکاں بہرِ مکیں
اِن مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے
پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں
جیسے ہوتا ہے ابد پر وقت جا کر منتہی
ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آ کر یونہیں
یعنی اقلیمِ اَبد اور یہ جہانِ خامشی
طاقتِ انساں کی حد سے ہیں پرے دونو کہیں

طرفہ سناٹا ہے اِس سنسان کوہستان پر
جس کی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دل نشیں

ہیں سراسر ناپدید آثار انسانی یہاں　　　سنہ لپیٹے ہیں پڑے اسرارِ یزدانی یہاں

ڈھونڈیے گر ان پہاڑوں کی بلندی کی مثال
ظاہرا ان کا اور انگلستاں کا ہے ایک حال
جیسے وادی کی زمیں سے تا فلک پہنچے ہیں یہ
وہ بھی پستی سے پہنچا ہے تا اوجِ کمال
ہے یقیں رستے ہی میں ہو جائے کام اُن کا تمام
ہو جنہیں اس کی بلندی تک پہنچنے کا خیال
تابتی پر آکے انگریزوں نے جب کھولی دوکاں
اک مدت تک ترقی نے نہ بدلی اپنی چال
یعنی اُس دم تک کہ سکھوں سے ہوا گھر ابگاڑ
اور دریا ہو گئے پنجاب کے سب خوں سے لال
لشکرِ مقدونیہ کی قتل گاہوں پر ہوا
بعدِ مدت گرم پھر ہنگامۂ جنگ و جدال

اہلِ انگلستاں کو جھگڑوں سے فرصت کم ملی　　　امن کو فتنہ کے ہاتھوں سے فراغت کم ملی

جب بغاوت نے اٹھایا سر تو اس سے بھی سوا
آگ بھڑکی مرگ کی اور خوں کا دریا بہا
عورتیں اور اُن کے بچے بے گنہ مارے گئے
گھر جلے اور دشمنِ جاں ہو گئے خود دست و پا
بھائی بندوں کی جفائیں دیکھ کر غمگیں ہوئے

اہلِ انگلستاں کے ساتھی تھے جو اہلِ وفا
اور ہزاروں نے یہ باندھے مل کے منصوبے کہ بس
عزتِ انگلستاں کی اب خاک میں دیجیے ملا
صفحۂ ہستی سے نام اُن کا مٹانے کے لیے
ہوگیا تیار جان و دل سے ہر چھوٹا بڑا
لیکن اُن کی گھات میں تھا شحنۂ قہر و غضب
پھنس گئے پنجہ میں اُس کے یک بیک اہلِ خطا
پلّۂ انگلستاں کا ہو کر رہا آخر گراں گرتے گرتے تھم گیا اقبال کا اُس کے نشاں
گو ہوئی دِلّی پہ حاصل برملا فتح و ظفر
پرچمِ اقبال لہرانے لگا پھر بے خطر
پر نہ اِس فتحِ نمایاں کا ہوا اعلان کچھ
وسوسوں سے دل رہے سب اسلیے زیر و زبر
چونک چونک اُٹھنے لگے راتوں کو بدخوابی سے لوگ
کر گئی دُنیا سے گویا فارغ البالی سفر
صبح کے ہوتے ہی سب کافور ہوجاتی تھیں وہ
شکلیں ہیبت ناک جو راتوں کو آتی تھیں نظر
رائے یہ ٹھیری کہ پائے اب وہ قیصر کا لقب
تابع فرماں ہیں جس فرمانروا کے بحر و بر
قوتِ بازو سے جو حاصل کیا ہے قوم نے
وہ ہمایوں تاج رکھا جائے اُس کے فرق پر
تاکہ سب جانیں کہ رخصت ہند سے فتنہ ہوا عہد انگلستان کا جو کچھ کہ تھا پورا ہوا

راس نویدِ روح پرور کی اشاعت کے لیے
ہند میں آیا پرنس آف ویلز انگلستان سے
البرٹ ایڈورڈ جس کے دودۂ اقبال میں
تسو جلیل القدر سلطاں اب سے پہلے ہو چکے
جس کے دادا نے کیا زیر و زبر نظمِ فرانس
اور بتاتا ہے لقب جس کا پتے اُس جنگ کے
دی فرانسیسیوں کو جس میں زک وہ انگلستان نے
جس سے واقف ہیں فرنگستاں کے چھوٹے بڑے
حاکمِ بوہیمیا کی چھین لی تھی جس میں ڈھال
خود ولیعہدِ زماں نے یاریٔ اقبال سے
جس پہ لکھے اعترافِ بندگی کے برملا
حاکمِ بوہیمیا کے دستخط سے ثبت تھے

جمع تھے جس ذاتِ والا میں فضائل اس قدر
وہ ہوا مامور اِس کارِ عظیم الشان پر

وہ مبارک وقت جب لنکا سے لیکر تا عدن
اُس کے آنے کی خوشی میں محو تھے سب مرد و زن
راگ گائے جاتے تھے ہر سُو مبارکباد کے
جوشِ شادی میں در و دیوار تک تھے نغمہ زن
شہر میں جنگل میں ۔ ہر میدان میں ۔ ہر راہ میں
جمع تھی اُس کے لیے خلق انجمن در انجمن
وہ سہانے بول شہنا کے ۔ وہ باجوں کی جھڑی
پڑ رہی ہے جن کی گویا کان میں ابتک بھرن

کھچ چکے ہیں اُس ہمایوں جشن کے نقشے بہت
میں بھی اے وکٹوریا اے فخرِ شاہانِ زمن
چاہتا ہوں کھینچنا خاکہ اک اُس دربار کا
جس میں کی تو نے قبائے قیصری زیبِ بدن
جس میں تیرے نام کا ڈنکا بجایا قوم نے　　جو کہا تھا مُنہ سے آخر کر دکھایا قوم نے
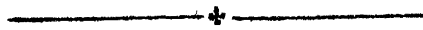
مدرسۃ العلوم مسلمانان

مرتبہ ۱۸۸۰ء

جھٹ پٹے کے وقت گھر سے اِک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا
تاکہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گذر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے اُن جھاڑوں سے اور اُس لیمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھیے
ہے اندھیرا گھپ ۔ درودیوار پر چھایا ہوا

سُرخرو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

ہم نے اُن عالی بناؤں سے کیا اکثر سوال
آشکارا جن سے اُن کے بانیوں کا ہے جلال
شان و شوکت کی تمہاری دھوم ہے آفاق میں
دور سے آ آ کے تم کو دیکھتے ہیں باکمال
قوم کو اِس شان و شوکت سے تمہاری کیا ملا
دو جواب اِس کا۔ اگر رکھتے ہو یارائے مقال

سرنگوں ہو کر وہ سب بولیں زبانِ حال سے
ہو سکا ہم سے نہ کچھ۔ الانفعال الانفعال

بانیوں نے تھا بنایا اِس لیے گویا ہمیں
ہم کو جب دیکھیں خلف۔ اسلاف کو رویا کریں

شوق سے اِس نے بنایا مقبرہ اِک شاندار
اور چھوڑا اُس نے اِک ایوانِ عالی یادگار
ایک نے دنیا کے پودے باغ میں اپنے لگائے
ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بےشمار
اِک محبِّ قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے
قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی اُستوار
ہو گی عالم میں کہو۔ سرسبز یہ پچھلی مراد
یا وہ اگلوں کی اُمیدیں لائیں گی کچھ برگ و بار

چشمہ سرجیون ہے جو۔ بہتا رہے گا یہاں وہی
سب اُتر جائیں گی چڑھ چڑھ ندیاں برسات کی

دور سے امید نے جھلکی سی اِک دکھلائی ہے
ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے
قوم کے پیر و جواں سب ہو گئے تھے مُردہ دل
دردمندی جوش میں چند اہلِ دل کو لائی ہے
پاؤ گے تاریخ میں ہرگز نہ تم اس کی مثال
سلطنت نے قوم کی جو یہاں مدد فرمائی ہے
غیر قوموں نے بھی کی ہے شرطِ ہمدردی ادا

یہ بنا چلتی ہوا تک کو بھی دل سے بھائی ہے

آؤ ہم بھی اے عزیزو! مغتنم سمجھیں اسے
اک ضروری کام اپنا۔ کم سے کم سمجھیں اسے

یہ مبارک گھر۔ نزولِ خیر و برکت ہے جہاں
جس کی پیشانی سے ظاہر ہیں سعادت کے نشاں
یہ نہالِ تازہ جس کو اک زمینِ شور میں
خرّم و سرسبز کرنا چاہتے ہیں باغباں
یہ مسیحائی علاج اُس دردِ بے درماں کا
لادوا ٹھیرا چکے تھے جس کو اطبّائے زماں
یہ نمونہ اُس عزیزِ مصر کا جس نے ستم
جن کے ہاتھوں سے سہے۔ دی قحط سے اُنکو اماں

عہد و پیماں اے عزیزو! تم سے کچھ لینے کو ہے
قوم کو پھر برکتیں بے انتہا دینے کو ہے

آرہی ہے اِس مکاں کے گوشہ گوشہ سے صدا
قوم اگر سمجھے تو ہوں میں بھی قوم کا حاجت روا
ہے کوئی اکسیر دنیا میں۔ تو ہوں اکسیر میں
اور اصل کیمیا کچھ ہے۔ تو میں ہوں کیمیا
ہاتھ آجاتا سکندر کو اگر میرا سراغ
چھوڑ دیتا جستجوئے چشمۂ آبِ بقا
میرے جو حامی ہیں اُنکی یوں پھیلیں گی کوششیں
ایک دانہ سے ہوں خوشے جس طرح بے انتہا

سے عبث - گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے
برکتیں اُن پر جنھوں نے وقت پر جانا مجھے

اُن سے کہدو - قوم میں ہیں جو کہ عالی خانداں
یا جنھیں جاگیر و منصب پر ہے نازِ بیکراں
کیا لیے بیٹھے ہو فخرِ منصب و جاگیر کو
منصب و جاگیر ہیں سب - کوئی دن کے میہماں
تم نہیں رتبہ میں بڑھ کر تغلق و تیمور سے
تنگ ہے آج اُن کی نسلوں پر زمین و آسماں
چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپر
ورنہ وار اپنا کرے گی - گردشِ دورِ زماں

آؤ باندھو عہد مجھ سے اور میرا ساتھ دو
میرا سودا نقد ہے - اِس ہاتھ دو اُس ہاتھ لو

میں تمھیں پستی سے پہنچاؤنگا تا اوجِ کمال
میں تمھیں دیکھونگا جب گرتا ہوا - لونگا سنبھال
میں بناؤں گا تمھارے کام سب بگڑے ہوئے
میں سجھاؤں گا زمانہ کی تمھیں سب چال ڈھال
جو کریں گے آج میری دست و بازو سے مدد
میں سدا کرتا رہوں گا اُن کی نسلوں کو نہال
قوم کا حامی ہوں اور اسلام کا یاور ہوں میں
چاہو دار الکفر سمجھو مجھ کو - یا دار الضلال

مَیں دکھادوں گا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے

تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک میں عزت سے رہنا میں سکھاؤنگا تمہیں
سلطنت کا معتمد بننا۔ بتاؤں گا تمہیں
قابلیت تم میں بڑھنے کی ہے دیکھوں کسقدر
بڑھ سکوگے جس قدر اُتنا بڑھاؤں گا تمہیں
تب یہ سمجھوگے کہ ہم سوتے تھے کب کے بیخبر
دفعتہً جب خوابِ غفلت سے جگاؤنگا تمہیں
یاد ہوگا تم کو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب
پھر مخاطب "خیرِ اُمت" کا بناؤنگا تمہیں

مجھ کو دیکھو گر مرے دعووں میں ہو کچھ اشتباہ
روزِ روشن آپ اپنی روشنی پر ہے گواہ

بارک اللہ! اے ریاضِ علم! اے عین الحیات
ہے ہمارے بخت و دولت کی عناں اب تیرے ہاتھ
ہو تو ہو اب روشنی تیری دلیلِ کارواں
چارسُو کالی گھٹا چھائی ہے اور کالی ہے رات
قوم سے تو بھی یونہیں جہل اور تعصب کو مٹا
جس طرح دینِ حنیفی سے مٹے لات و منات
چھوڑ جائیں گے جہاں میں جو کہ تجھ جیسے نشاں
چھوڑ جائیں گے وہی کچھ باقیات الصالحات

ایک باہمت جماعت جب سے تیرے ساتھ ہے
ہم سب سمجھتے ہیں ترے سر پر خدا کا ہاتھ ہے

تو سدا آباد رہ اے قوم کی اُمید گاہ!
اے یگانوں اور بیگانوں کے یکساں خیرخواہ
دیکھتے ہیں غیر۔ حیرت اور تعجب سے تجھے
قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھ کو۔ آہ! آہ!
اپنے حامی آپ پیدا کر۔ کہ کوہ سربلند
اپنی پونجی سے ہے آپ اپنے لیے پشت وپناہ
خیر کی امید رکھنی ہے عبث۔ اُس قوم سے
آپ کو جس نے کیا ہو اپنے ہاتھوں سے تباہ

چارہ آخر کچھ نہیں حالی بجز صبر و سکون
کر دعا اب اِهْدِ قَوْمِي اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْن

یہ پُرزور اور پُراثر ترکیب بند ۱۸۸۸ء کی تصنیف ہے۔ اسمیں مولانا نے کمال عمدگی کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی حالت کا حالتِ موجودہ سے موازنہ کرکے بتایا ہے کہ ہماری پہلی حالت اور ہماری اس حالت میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلے کونسی اچھی عادت اور عمدہ اخلاق تھے جو ہم میں نہ تھے اور اب کونسی بُری خصلت اور افعالِ شنیعہ ہیں جن کے ہم مرتکب نہیں یہ ترکیب بند اپنے پُرزور طرزِ بیان اور اپنی سلاست و روانی کے لحاظ سے مولانا کی نہایت مشہور نظموں میں سے ایک ہے۔ (اسمٰعیل)

بندِ اول

(احساناتِ ہند بر مسلمانان)

رخصت اے ہندوستاں! اے بوستانِ بیخزاں
رہ چکے تیرے بہت دن ہم بدیسی میہماں
آج گو شکووں سے ہیں لبریز ہم اے خاکِ ہند
ہیں مگر احسان اگلے تیرے سب خاطر نشاں
تو نے بیگانوں کی خاطر کی یگانوں سے سوا
میہمان تھے۔ پر بنایا تو نے ہم کو میزباں
تیرے باغوں کی فضاؤں نے دیئے دل سے بھلا
شعب بوّان و سمرقند و دمشق و اصفہاں

یاد کچھ جیحوں رہا ہم کو - نہ دجلہ اور فرات
تیرے گنگا جل نے جب سے تر کیے کام و زباں
تیری کاشی کی کشش نے کر دیے ہم سے جدا
یثرب و بطحا و صنعا و زَبَید و نہرواں
تیرے ذوقِ نیشکر نے کر دیے سب دل سے محو
بصرہ و طائف کے نارستاں اور خراساں
فصلِ گُل میں دیکھ کر جوبن مہابن کا ترے
مَرو اور شیراز کے بھولے چمن اور گلستاں
تیرے سر جیون پہاڑوں نے دیا جی سے اُتار
نہرِ رُکنی اور گلگشتِ مُصلّٰی کا سماں
دعوتیں بھولیں سمرقندی و شیرازی تمام
اِس قدر الوانِ نعمت کے لگائے تو نے خوان

نقش ہیں دل پر ہمارے سب مداراتیں تری
ہم نہ بھولیں گے کبھی دن تیرے اور راتیں تری

بندِ دوم

(انجامِ عنایت)

تھی ہماری قوم و ملّت رسم و عادت سب جدا
رشتہ و پیوند کوئی ہم میں اور تجھ میں نہ تھا
بول چال اپنی الگ تھی اور زباں تیری الگ
تجھ سے ہم تھے اجنبی - اور ہم سے تو ناآشنا

ہم میں اے ہندوستاں! گو بوئے جنسیت نہ تھی
تو نے لیکن اپنی آنکھوں پر لیا ہم کو بٹھا
تو نے سونپی مُہر و دولت ہم کو اور طبل و نشاں
تو نے بخشے قصر و ایواں ہم کو اور بُستاں سرا
تو نے ثروت دی۔ حکومت دی۔ ریاست دی ہمیں
شکر کس کس مہربانی کا کریں تیری ادا!
نبھ سکیں لیکن نہ آخر تک یہ خاطر داریاں
جو دیا تھا تو نے آخر کو سب رکھوا لیا
خیر۔ اپنے مال کا تو ہر طرح تھا اختیار
جس سے چاہا لے لیا۔ اور جس کو چاہا دیدیا
کھینچ لیں اپنی۔ اُسی دم اُٹھ کے گدّی سے زباں
بھول کر بھی گر زباں پر اس کا آجائے گِلا
پر۔ گِلا یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ
وہ بھی تو نے ہم سے لیکر کر دیا بالکل گدا
آدمیّت کے تھے جوہر جو ہماری ذات میں
خاک میں آخر دیے اے ہند! سب تو نے ملا

یاد ہو گا تجھ کو یہاں آئے تھے ہم کس شان سے
تجھ کو سوگند اپنے ست جُگ کی بتا ایمان سے

بند سوم

(فہرست فضائل مسلمانان)

ترکمانی صولت اور مغلی جلادت ہم میں تھی

عزم کردی ہم میں تھا۔ بدوی حمیت ہم میں تھی
ہاشمی آداب و عباسی فضائل ہم میں تھے
نطق اعرابی و عدنانی فصاحت ہم میں تھی
ضرب کراری اور حرب خالدی رکھتے تھے ہم
سطوت حمزی و فاروقی جلالت ہم میں تھی
عرق غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی۔ نہ مال
جھینپتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی
آج خاور تھا مقام اپنا۔ توکل تھا باختر
عیش و عشرت کی نہ فرصت تھی نہ عادت ہم میں تھی
ننگ تھا ہم کو مشقت سے۔ نہ مزدوری سے عار
جو بزرگی تھی مشقت کی بدولت ہم میں تھی
ہم شتربانی سے پہنچے تھے جہانبانی تلک
اس لئے باقی شتربانوں کی خصلت ہم میں تھی
جو نشان اقبالمندی کے ہیں وہ سب ہم میں تھے
حب دینی ہم میں تھا۔ قومی مودت ہم میں تھی
گھر ہمارے اور ہم سب۔ وقف مہمانوں پہ تھے
یثربی مہمان نوازی و ضیافت ہم میں تھی
پھوٹ سے واقف نہ تھے ہم تیری ای ہندوستان
احمدی اخلاق و اسلامی اخوت ہم میں تھی

چھین لی سب ہم سے یہاں شان عرب آن عجم
تو نے اے غارت گر اقوام و اکال الامم

بندِ چہارم

(حالاتِ موجودہ)

آئے تھے اے ہند! یہاں ایسے ہی ہم نار و نزار
ہے عرب کو جن سے ننگ اور ہے عجم کو جن سے عار
ہم اُنہیں اسلاف کے معلوم ہوتے ہیں خلف ؟
جن کی تھی محکوم نسلِ رُستم و اسفندیار
ہم اُنہیں باپوں کے بیٹے تجھ کو آتے ہیں نظر ؟
جن کی جولانگاہ تھی تاتار سے تا زنجبار
ہیں ہمیں اے آریاورت! اُن سواروں کے سپوت ؟
جن کی دوڑوں سے ہیں واقف تیرے دشت و کوہسار
ہم سدا سے خاکسار ایسے ہی تھے اے خاکِ ہند ؟
اُڑتی پھرتی تھی زمانہ میں یہی مشتِ غبار ؟
تھیں یہی شکلیں ہماری - تھا یہی رنگ و روپ ؟
تھی یہی سیرت ہماری ؟ تھا یہی اپنا شعار ؟
گر سلف دیکھیں ہمارے زندہ ہو کر اب ہمیں
آئے نسبت اور قرابت سے ہماری اُن کو عار
سیرتیں تو نے بدل دیں - مسخ کر دیں صورتیں
آبرو تو نے ڈبو دی - کھو دیا تو نے وقار
کر دیا شیروں کو تو نے گوسفند اے خاکِ ہند
جو شکار افگن تھے - آکر ہو گئے یہاں خود شکار

نکبتیں یہ سب۔ جبھی سے ہم کو آتی تھیں نظر
آئے تھے یہاں۔ جبکہ اپنا چھوڑ کر ملک و دیار

تھا یقیں ہم کو کہ شامت رفتہ رفتہ آئے گی
ہم کو تو۔ اے خاکِ ہند! آخر یونہیں کھا جائیگی

بند پنجم

(نتیجۂ حرص)

دیکھتے ہیں اب وہی آنکھوں سے صبح و شام ہم
جو بداراتوں کا سمجھے تھے تری۔ انجام ہم
توڑ ڈالے جلد تونے عہد اور پیمان سب
"بے وفا" سنتے تھے سچ اے ہند! تیرا نام ہم
"دیر تک رہتا ہے جو انساں۔ نہیں رہتا عزیز"
سنتے ہیں دیوار و در سے ترے یہ پیغام ہم
عیب جو دنیا میں ہیں وہ ہم پہ تھپ جاتے ہیں سب
کیا زمانہ میں ہمیشہ سے یونہیں بد نام ہم؟
سب کو ہو جاتا ہے ناکامی کا پہلے ہی یقیں
اُٹھتے ہیں کرنے کو جب ہمت کا کوئی کام ہم
تونے دیکھا تھا کبھی اسلامیوں کا حال یہ؟
کیا عرب سے لے کے نکلے تھے یہی اسلام ہم؟
بس! زیادہ پیسنے سے اپنے کیا حاصل تجھے؟
پس چکے اے آسیائے گردشِ ایام ہم

شکوہ قسمت کا ہے جو یہاں کھینچکر لائی ہمیں
تجھ کو اے ہندوستاں! کس منہ سے دیں الزام ہم
پھر گئی سرحد سے تیری فوجِ یوناں جس طرح
کاش! پھر جاتے یونہیں در سے ترے ناکام ہم
رہتے قانع اپنی محنت اور مزدوری پہ کاش
آکے یہاں پاتے نہ ذوقِ راحت و آرام ہم

دشمن اپنا ہوگیا سودا اے مال و جاہ حیف
حرص نے طمع کی شیروں کو کیا روباہ ۔ حیف

بند ششم

(یادِ ایامِ گذشتہ)

وہ مسلمانوں کی ہر بازی میں سبقت کیا ہوئی
وہ حجازی غیرت اور ترکی حمیّت کیا ہوئی؟
ہم مسلمانوں سے ہے اے ہند! ننگ اسلام کو
تھا لقب "خیرالامم" جس کا ۔ وہ اُمت کیا ہوئی
جی کسی کی عزت افزائی سے خوش ہوتا نہیں
دل گواہی جس پہ دیتا تھا ۔ وہ عزت کیا ہوئی
دین و دولت ۔ علم و دانش ہم میں کچھ باقی نہیں
حق نے پوری کی تھی جو ہم پر ۔ وہ نعمت کیا ہوئی
ملک و مال و سلطنت ۔ اِک آنی جانی چیز تھی
جو ہمیشہ رہنے والی تھی وہ دولت کیا ہوئی؟

قریہ قریہ ترے علم و فضل سے معمور تھا
اب وہ اے اسلام! تری خیر و برکت کیا ہوئی؟
جس نے مغرب کو کیا مشرق۔ وہ سورج کیا ہوا؟
جس سے گھر گھر بن گیا "یوناں"۔ وہ حکمت کیا ہوئی
کوہ و دریا جن کے ہوتے تھے نہ ہرگز سدِّ راہ
وہ ارادے کیا ہوئے؟ اور وہ عزیمت کیا ہوئی
کوئی مشکل ہم کو میداں سے ہٹا سکتی نہ تھی
وہ ثبات اور پائیداری اور وہ ہمت کیا ہوئی؟
ہو گی اے ہندوستاں! آمد ہماری تجھ کو یاد
وہ مسلمانوں کی ہیبت اور وہ صورت کیا ہوئی

وہ برو دوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے
وہ قد و بالا و چہرے ارغوانی کیا ہوئے؟

بند ہفتم

(خصائص اہل اسلام۔ غیرت و حمیت)

جب تک اے ہندوستاں! ہندی نہ کہلاتے تھے ہم
کچھ ادائیں آپ ہیں۔ سب سے جدا پاتے تھے ہم
اپنی خود کرتے تھے عزت۔ گر نہ کرتا تھا کوئی
سر ہر اک فرعون کے آگے نہ نہواڑتے تھے ہم
حاجتیں ہوتی تھیں جو اپنی۔ روا کرتے تھے آپ
ہاتھ آگے میر و سلطان کے نہ پھیلاتے تھے ہم

تھے نہ اس کے نعمائے سلطانی سے ہم جیتے
اپنی محنت سے اگر نانِ جویں کھاتے تھے ہم

تھے نہ کرگس اور زغن کی طرح ہم مردار خوار
تھا وہی قوت اپنا۔ جو خود مار کر لاتے تھے ہم

تھی اُولوالعزمی و ہمت اپنی مفتاحِ ظفر
چار سو راہیں معیشت کی کھلی پاتے تھے ہم

جب کبھی۔ جس کام کیخاطر۔ جدھر منہ اُٹھ گیا
پھر پلٹ کر وہاں سے خالی ہاتھ کم آتے تھے ہم

جی چراتے تھے نہ مکروہاتِ عالم سے کبھی
اور خلافِ چرخِ دوراں سے نہ گھبراتے تھے ہم

اسپِ تازی کیطرح تھی قومِ تازی بھی غیور
جب کوئی بڑھتا تھا ہم سے۔ تلملا جاتے تھے ہم

ہے حمیّت کو ہماری اِک زمانہ جانتا
سرد ہو جاتے تھے سب جسوقت گرماتے تھے ہم

حال اپنا سخت عبرتناک تو نے کر دیا
آگ تھے اے ہند! ہم کو خاک تو نے کر دیا

بندِ ہشتم

(خدمتِ مہمان و ہمسایہ)

کھا کے نعمت۔ دِل ہمارا شاد ماں ہوتا نہ تھا
ساتھ دسترخوان پر گر میہماں ہوتا نہ تھا

کرتے تھے مہمانی نہایت ماحضر پہ اکتفا
تنگ دل مہماں سے کوئی میزباں ہوتا نہ تھا
ہم کو پہنچی تھی "خلیل اللہ" سے خوانگستری
عسرت اور تنگی میں بھی سمٹا اپنا خواں ہوتا نہ تھا
رکھتے تھے بچوں کو بھوکا اپنے مہماں کے لیے
خرچ سے گھر کے سوا کھانا جہاں ہوتا نہ تھا
تھا مسافر کے لیے ایک ایک گھر مہماں سرا
ہم کو کچھ غربت میں فکر آب و ناں ہوتا نہ تھا
میہمانوں کو تھے اپنے گھر کی برکت جانتے
ٹھیرنا مہماں کا ہرگز گراں ہوتا نہ تھا
جانتے تھے ہم کہ ہے اس پر خدا نامہرباں
جو کہ ہمسائے پہ اپنے مہرباں ہوتا نہ تھا
ہم ہر اک آفت میں ہمسایوں کی رہتے تھے سپر
دشمنوں سے اپنے اُن کو خوفِ جاں ہوتا نہ تھا
چپکے چپکے حاجتیں کرتے تھے سب اُنکی روا
فقر و فاقہ اُن کا خلقت پر عیاں ہوتا نہ تھا
پیٹ بھر لیں اپنا۔ اور ہمسایہ فاقہ سے رہے
اتفاق آگے یہ اے ہندوستاں! ہوتا نہ تھا

یوں نہ ہمجنسوں سے کرتی تھیں یہ آنکھیں چوریاں
تو نے اپنی سی سکھا دیں ہم کو تنہا خوریاں

بند نہم
(محبت و صداقت)

جن سے کرتے تھے محبت - بے ریا کرتے تھے ہم
جس سے ہوتی تھی شکایت - برملا کرتے تھے ہم
شکوہ ہوتا تھا تو اکثر منہ پہ کہہ دیتے تھے ہم
شکر کرتے تھے تو غیبت میں سوا کرتے تھے ہم
دوست بن جاتے تھے جسکے - اُس سے کرتے تھے نباہ
عہد کرتے تھے تو عہدوں کو وفا کرتے تھے ہم
جن کے ہو جاتے تھے ساتھی - اُنکا ہم دیتے تھے ساتھ
رنج و راحت میں شریک اُنکے رہا کرتے تھے ہم
کرتے تھے محنت میں اُنکے واسطے فکرِ معاش
اُن کی بیماری میں تدبیر اور دوا کرتے تھے ہم
کام میں یاروں کے - اپنے کام سب دیتے تھے چھوڑ
اس میں روزے اور نمازیں تک قضا کرتے تھے ہم
یار کوئی مر کے اپنے سے بچھڑ جاتا تھا جب
یار کی اولاد پر جانیں فدا کرتے تھے ہم
سنتے تھے اپنے بڑوں کا جن سے پیار اور اتحاد
اُن کی نسلوں سے وہی رسمیں ادا کرتے تھے ہم
دشمنوں کی زد میں دیتے تھے نہ آنے ہم کو دوست
ٹوک دیتے تھے ہمیں جب کچھ خطا کرتے تھے ہم

آج وہ کام آئے اپنے - کل ہم اُن کے آئے کام
بارہا باہم سلوک ایسا کیا کرتے تھے ہم
تو نے اے ہندوستاں! کھودیں کہاں وہ یاریاں
یاریاں ہم میں رہیں باقی - نہ غمخواریاں

بندِ دہم

(ایک رنگی و برادرانہ مساوات)

تیرے سایہ سے رہے اے ہند! جبتک دور ہم
اپنی یکرنگی رہی ضرب المثل بینُ الاُمم
مِل گیا جو ہم میں آکر - پھر نہ تھے ہم پوچھتے
روم ہے یا ترک؟ ارمن ہے؟ عرب؟ یا ہے عجم؟
ملّتِ بیضا نے قوموں کی مٹادی تھی تمیز
تھے بلالؓ و جعفرؓ و سلمانؓ برابر محترم
ایک رنگت میں اُخوّت کی- تھے سب رنگے ہوئے
اسود و احمر تھے جو اسلام کے زیرِ علَم
زنگی و خوارزمی و تاتاری و مازندری
ایک دسترخوان پر کھاتے تھے سب ملکر بہم
گو سدا آپس میں لڑتے اور جھگڑتے تھے - مگر
وقت جب پڑتا تھا آکر- ایک ہو جاتے تھے ہم
فرق رکھا تھا کہ دمہ میں نہ کچھ اسلام نے
تھے برابر نفقہ و کسوت میں آقا اور خدم

حق خلیفہ کا نہ تھا اُس میں رعیّت سے سوا
جمع بیت المال میں ہوتی تھی جو آکر رقم
ٹوک دیتا تھا سرِ دربار۔ بڑھ کر اک غلام
گر کہیں بے راہ اُٹھ جاتا تھا حاکم کا قدم
شوکتِ دیں کے سوا۔ شوکت نہ تھی کوئی پسند
مُلک جم لیکر نہ پاس آتا تھا اپنے کبرِ جم
صحبتوں میں تکیہ و مسند کا آئیں کچھ نہ تھا
مجلسوں میں امتیازِ صدر و پائیں کچھ نہ تھا

بندِ یازدہم

(راستی و صدقِ عہد)

راستبازی میں ہماری لوگ دیتے تھے نظیر
فردِ تھے پاسِ سخن میں قوم کے برنا و پیر
دوست دشمن کو ہمارے قول پر تھا اعتماد
دے چکے جب ہم زباں۔ پھر تھی وہ پتھر کی لکیر
تھے ثقہ بھی ہم میں۔ بد اطوار بھی۔ اوباش بھی
تھا سخن کا اپنے لیکن پاس سب کو ناگزیر
کوئی بدعہدی سے بڑھ کر۔ نہ تھا عیب اُن کیلئے
حق جنہیں کرتا تھا ہم میں۔ وارثِ تاج و سریر
جیسے رہزن اور لٹیرے تھے ہمارے راستباز
رہنماؤں میں نہیں پاتے ہم آج اُن کی نظیر

دل میں کچھ ہو اور زباں پر کچھ - یہ خاصیت نہ تھی
خاک میں اُس سرزمیں کی جس سے تھا اپنا خمیر
جنگ تھی تو برملا تھی - صلح تھی تو بے ریا
ہم کو زہر آتا نہ تھا دینا - بنا کر جامِ شیر
منہ سے جو کہہ بیٹھتے تھے - کر دکھاتے تھے وہی
بے گرج کر پھر برستا جس طرح ابرِ مطیر
چھاؤں میں ہم جا کے تلواروں کے کہہ آتے تھے حق
غالب آتا تھا نہ ہم پر خوفِ سلطان و امیر
پر بنایا جب سے ہم نے ملجاء و ماویٰ تجھے
راستبازی ہو گئی اے ہند! ہم سے گوشہ گیر
کر دیے تو نے تمام اسلام کے ارکان سست
ہو گئے بودے ہمارے عہد - اور پیمان سست

بندِ دوازدہم
(وفورِ علم و حکمت)

شرق سے تا غرب جب عالم میں تھا قحط الرجال
تھی ہماری قوم میں ارزانئ اہلِ کمال
علم و حکمت نے ہماری آن کر لی تھی پناہ
روم اور یونان پر جب چھا گیا جہل و ضلال
جاہلوں کا تھا ہماری قوم میں گھاٹا یونہیں
جیسے اب لکھے پڑھے ملتے ہیں ہم میں خال خال

شرع، استدلال، یا توجیہ، یا تحقیق فن
تھی یہی اکثر ہماری مجلسوں میں قیل و قال
ترک میں رشتہ پڑی تھی اور جھگڑا عجمیوں
دور بیٹھے نہ رہا تھا آگے ہم تک ساتھ ان کا حال
نظم کو بے جا تھا جانتے تھے جاں پہ ہم ساتھ ساتھ
نظم نے اسلام سے باندھا تھا پیمانِ اتصال
سیم و زر کم تھیں کہ کر جاتے تھے ہم میراث میں
تھی کتاب اپنی بضاعت اور دبا اپنا تھا مال
شافعی کوئی تھی ہماری ریس، رسم و راہ میں
کر دیا تھا علم نے سب کے لیے ہم کو مثال
آج جس علم و ہنر سے ہے چراغاں بزمِ عصر
ہم نے بنیاد اُس کی دی تھی پختہ دنیا میں ڈال
تھی ہماری دولت اے ہندوستاں! علم و ہنر
آ گیا تیری بدولت اپنی دولت کو زوال

ہم کو ہر جوہر سے یوں بالکل معرا کر دیا
تو نے اے آب و ہوائے ہند یہ کیا کر دیا

[illegible]
(آخری نظم)

ہم نے یہ مانا کہ جب گلشن میں ہے فصلِ خزاں
بے محل ہے چھیڑنی واں عہدِ گل کی داستاں

ہر طرف پر اب ہے چھایا ہوا ادبار کا
پھر سلطنت کی شان و شوکت کیجئے کس منہ سے بیاں
ملک یہ باتیں بھول جائیگی - مگر کیونکر کوئی ؟
بھول جائے رات کا سب صبح ہوتے ہی سماں
بزم کو برہم ہوئے مدت نہیں گذری بہت
اٹھ رہا ہے گُل سے شمع بزم کے اب تک دھواں
کہہ رہے ہیں نقش پائے رہرواں اے خاک ہند!
"یہاں سے گذرا ہے ابھی اک با تجمل کارواں"
گو یقیں ہے رفتہ رفتہ یادِ ایام سلف
دل سے چھوڑے گی مٹا کر گردشِ دورِ زماں
بھول جائیں گے کہ تھے کن ڈالیوں کے ہم ثمر
ٹوٹ کر آئے کہاں سے ؟ اور بکے آکر کہاں ؟
پر زمانہ میں رہیں گے تا قیامت یادگار
جو کیے برتاؤ تو نے ہم سے اے ہندوستاں!
ماجرا ہوگا ہمارا عبرت - اوروں کے لیے
جیت جائیں گے بہت - سن کر ہماری داستاں
آگ سے رہتا ہے جیسے دور دور آتش پرست
حکمراں تیرے یونہیں تجھ سے رہیں گے برکراں
برکتیں یہاں چھوڑ کر ہم اپنی جائیں گے بہت
ہم نہ ہوں گے پر نصیحت ہم سے پائیں گے بہت

مسلمانوں کی تعلیم

مرتبہ ۱۸۸۹ء

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چوتھے اجلاس میں بمقام علیگڈھ
پڑھا گیا تھا

بندِ اوّل

زمانہ دیر سے چلا رہا ہے اے مسلمانو!
کہ ہے گردش میں میری غیب کی آواز۔ پہچانو
سنے ہوں گر نہ معنی لاتسبوا الدھر[1] کے تم نے
تو اب سن لو کہ ہوں میں شانِ ربانی سمجھے مانو
وہ ناصح اور ہوں گے جن کا کہنا ٹل بھی جاتا ہے
اگر میری نہ مانوگے تو پچھتاؤگے نادانو!
مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یارو
خبر تم کو بھی ہے کچھ۔ اے مری چالوں سے بیگانو!

گئے وہ دن کہ نفریں کرتے تھے دیندار دُنیا پر
بقائے دین و ملّت منحصر دُنیا پہ اب جانو

[1] یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں لاتسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ یعنی زمانہ کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ بھی ایک شان ہے شیونِ الٰہی میں سے اور زمانہ کے جو واقعات تم کو ناگوار گذرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہیں ۱۲ (حالی)

گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے
بس اب ثروت ہے مزدوروں کا حصہ سُنے فرمانو
گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر یاں عیش کرتے تھے
ہوا ہے بے ہنر جینا بھی اب مشکل بغیر اس کے جانو
سے ہو جس نے ہنر اور فن پہ تم۔ وہ بسنے والے ہیں
یہ سودا کب تک اے شمع سحرگاہی کے پروانو
بھرا سمجھے ہو جس گھر کو۔ نہیں ذرّا نہ وہاں کوئی
کہاں بیٹھے ہو تم۔ اے قافلہ ویراں کے دربانو
نصیحت میری مانو۔ اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جس وقت دیکھو میری چتون۔ تم بھی پھر جاؤ

بند دوم

گیا دورہ حکومت کا۔ بس اب حکمت کی ہے باری
جہاں میں چار سُو علم و عمل کی ہے عملداری
جنہیں دُنیا میں رہنا ہے۔ رہے معلوم یہ اُن کو
کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری
ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم تجاری نہ معماری
جہاں علم تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت۔ گرم بازاری

نہ آئے گی پسند اُن نوکروں کی خدمت و طاعت
جنہیں پائیں گے آقا زیورِ تعلیم سے عاری
اگر چاہیں گے کرنی آدمی گھوڑوں کی سائیسی
تو دینا ہوگا اُن کو امتحانِ علمِ بیطاری
نہ مستغنی ہوکا دل علم سے ہوا اب - زمانہ پیچھے
پڑا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری
یقیں جانو کہ آئندہ ملے گی درسگاہوں میں
مگر آٹا پیسنے کو چاہیئے گی - اک پنساری
کوئی پیشہ نہیں اب معتبر - بے تربیت ہرگز
نہ فصادی - نہ جراحی - نہ کحالی - نہ عطاری

جہاں تک دیکھیے تعلیم کی فرماں روائی ہے
جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے - اوپر خدائی ہے

بند سوم

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انسان کا زیور
ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر
کوئی بے علم - روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
نہ زرگر اور نہ آہنگر - نہ بازی گر - نہ سوداگر
ونہ بس چاہیئے مزدور اب - اور راج اقلیدس
بس اب دنیا میں بے علموں کا ہے اللہ ہی یاور

نہ پہنے گا کوئی جاہل کی شاید سی ہوئی جوتی
بس اب سوچی فلاطوں سے یونہیں کچھ ہو تو ہوں کمتر
جہانداری میں آج ایک ایک عامل ہے جم و کسریٰ
جہانگیری میں ہے ایک اک سپاہی طغرل و سنجر
گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انسان کے سارے
برابر تھا بئے کا گھونسلا۔ اور آدمی کا گھر
یہ دورہ ہے بنی آدم کی روز افزوں ترقی کا
جو آج اک کام ہے اعلیٰ تو کل اس سے اعلیٰ تر
کوئی دن میں خسارہ سب سے بڑھ کر اسکو سمجھیں گے
کہ دو دن آدمی ٹھیرا رہے یہاں ایک حالت پر
نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انساں و حیواں میں
دیا ہے امتیاز انساں کو یہ تعلیم نے آکر

زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دوں گا
کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے۔ نام اُن کا مٹا دونگا

بند چہارم

ہمارے شکر سے اے قوم احسان اُسکا بالا ہے
کہ جس نے قوم کی تعلیم کا یہاں ڈول ڈالا ہے
خدا کی برکت اور رحمت ہو نازل تجھ پہ اے سیّد
کہ تو نے بھائیوں کا ڈوبتا بیڑا سنبھالا ہے

خدائی قوم کے تجھ سے ہی گذرے ہونگے دُنیا میں
کہ دلسوزی کا جن کی آج قوموں میں اُجالا ہے

بھلائی کا تری احسان مانیں یا نہ مانیں ہم
بھلائی کرنے والوں کا ہمیشہ بول بالا ہے

کریں کیا۔ گر نہ ابنائے زماں ہوں بدگماں تجھ سے
کہ دردِ دل کی کیفیت سمجھ سے اُن کی بالا ہے

نمونہ کوئی ہمدردی کا دیکھا تھا نہ یاروں نے
ترے کاموں نے اُن کو اس لیے حیرت میں ڈالا ہے

کیا ہے کام جو تو نے۔ نہ ڈر انجام سے اُس کے
کہ نیکی کا نشاں قائم خدا خود رکھنے والا ہے

کیا گو تو نے سب کچھ۔ پر بہت کچھ ہے ابھی کرنا
ہے آخر قوم کی تعلیم یا مونھ کا نوالہ ہے

جسے احباب اِک قصرِ رفیع الشان سمجھے ہیں
نہ ہو تو اُسکا پشتیبان تو اِک مکڑی کا جالا ہے

عزیزوں کو خدا وہ نامبارک دن نہ دکھلائے
کہ سایہ تیری ہمدردی کا اُن کے سر سے اُٹھ جائے

بندِ پنجم

ترے احسان رہ رہ کر سدا یاد آئیں گے اُن کو
کریں گے ذکر ہر مجلس میں۔ اور دُہرائیں گے اُنکو

تری کوشش ہیچ تیری زندگی بیجا جو کہتے ہیں
نتائج اس کے تیرے بعد خون رلوائیں گے اُن کو *

ترے کاموں کو خود رائی پہ جو محمول کرتے ہیں
دل اُن کے کوئی دن جاتا ہے خود جھٹلائیں گے انکو

اُنہوں نے خود بغرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید
وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم دکھلائیں گے انکو

بہت مشکل ہے جانی سرد مہری قوم کے دل سے
مگر تیرے ہی دل کے داغ کچھ گرمائیں گے اُنکو

اگر ہیں بھی کہیں کچھ کچھ دبی چنگاریاں باقی
لگائیں گی وہ گھر میں آگ جب سلگائیں گے انکو

بہت ہیں مدعی ہمدردیٔ اسلام کے - لیکن
ٹٹولیں گے انہیں جب یار خالی پائیں گے انکو

کبھی تسبیح گر انکی - ملی فرصت وظائف سے
تو تیری خدمتیں اسلام کی گنوائیں گے اُن کو

ملا گو قوم سے اب تک نہیں اصلا ثمرا تجھ کو
نہیں امید پر تجھ سے کہ ہو اس کا گلا تجھ کو

بند ششم

جنہوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے
اُنہوں نے پھل سدا محنت کا کم دنیا میں پایا ہے

* تری رائوں کو جو منسوب کرتے ہیں ضلالت سے
زمانہ کے حوائج جلد تر شرمائیں گے اُن کو

یہ تیری خوش نصیبی تھی کہ ثمرہ تیری کوشش کا
خدا نے زندگانی میں تری۔ تجھ کو دکھایا ہے
بہت جھکڑ چلے اور آئیں اکثر آندھیاں۔ لیکن
رہا گلزار ہو کر باغ جو تو نے لگایا ہے
رہا ہے ساتھ بھی تیرا۔ ہزاروں نے دل وجاں سے
اگر دو چار نے کچھ کر کے۔ تیرا دل دکھایا ہے
ادھر پورب سے پچھم تک۔ ادھر اُتر سے دکھن تک
مددگار اپنا جس گوشہ میں ڈھونڈا تو نے۔ پایا ہے
ادھر سے سندھ تک۔ کشمیر سے راس کماری تک
دلوں میں تو نے سکہ شہر شہر اپنا بٹھایا ہے
دکن میں تیرے یاور ہیں۔ دعا گو ہیں ترے ساتھی
ترا مداح ملکوں میں ہر اک اپنا پرایا ہے
خصوصاً وہ مبارک ملک۔ جس نے ہند بھر کا دل
رکاب اسلام کی تھامی۔ اور اس پر سر جھکایا ہے
خدا کی برکتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر
جنہوں نے ہر سفر میں تجھ کو آنکھوں پر بٹھایا ہے
جنہوں نے قوم کا ہمدرد دل سے تجھ کو مانا ہے
تری نصرت میں اخلاصِ مسلمانی دکھایا ہے

نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فیض اپنا رکھ جاری
کہ اک ہمت سے تیری بندھ رہی ہیں ہمتیں ساری

بندِ ہفتم

ہوئے ہیں سرد دل یاروں کے۔ تو ڈھارس بندھاتا رہ
اُمیدیں اُنکی استقلال سے اپنے بڑھاتا رہ
ہوا پروا ہو یا پچھوا۔ نہ کر تو اس کی کچھ پروا
لگایا ہے چمن جو تو نے۔ پَود اس میں لگاتا رہ
امیدیں ہیں بہت وابستہ۔ تیری زندگانی سے
دعائیں قوم کی لے لے کے عمر اپنی بڑھاتا رہ
ابھی سیراب کم ہیں۔ اور بہت ہیں تشنہ لب باقی
سبیل آخر لگائی ہے۔ تو پیاسوں کو پلاتا رہ
نہیں تعلیم بے علموں کی کم اَحیاءِ مَوتیٰ سے
جہاں تک تجھ میں دم باقی ہے مُردونکو جِلاتا رہ
زبانیں تو نے گر اپنے پہ کھلوائی ہیں حق کہہ کر
تو خاموشی سے اپنی۔ نکتہ چینوں کو تھکاتا رہ
فرو ہوتی نہیں آتش سے۔ جب آتش بھڑکتی ہے
ہر اک شعلہ کو آبِ بُرد باری سے بجھاتا رہ
کیا ہے زندہ قوموں کو سدا قومونکے کُشتوں نے
مہم گر فتح کرنی ہے تو چوٹیں دل پہ کھاتا رہ
شدائد میں تحمل خاص میراث انبیاء کی ہے
جو تو آلِ محمدؐ ہے تو سب ضد سے اُٹھاتا رہ

کوئی دن اور اس دار المحن میں رنج سہنا ہے
پھر اس کے بعد تجھ کو زندۂ جاوید رہنا ہے

بند ہشتم

عزیزو! حق کی رحمت ہے یہ پیر ناتواں ہم میں
پھر ایسا پیر ہے ہم میں۔ نہ کوئی نوجواں ہم میں
ہزاروں ہم میں ہوں گے بیچلر اور ماسٹر پیدا
مگر اے قوم! پھر یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں
جو ہم میں قوم کا ہمدرد۔ یہ قدرت خدا کی ہے
نہیں رشتہ کوئی مدت سے باقی درمیاں ہم میں
ہمارے تفرقوں نے کردیے تحلیل سب اجزا
نہ پاؤ گے کہیں ترکیب قومی کا نشاں ہم میں
ابھی اُٹھ کر فلاح قوم پر کوئی کمر باندھے
ہزاروں اُس سے ہو جائیں گے پیدا بدگماں ہم میں
ابھی سُن لیں کسی قومی جماعت میں شکر رنجی
ہزاروں ہوں گے یہ بدفال بن کر شادماں ہم میں
بن آئے قوم کی خدمت تو کیونکر ہم سے بن آئے
نہ دور اندیشیاں ہم میں۔ نہ خیر اندیشیاں ہم میں
اگر بوجھ اس پہیلی کی نہ سیّد ہم کو بتلاتا
تو اسلامی اخوت تھی فقط اک چیستاں ہم میں

نہ کی سیّد کے منصوبوں کی گر نا بید یاروں نے
تو پھر ہرگز سنبھلنے کی نہیں تاب و تواں ہم میں
بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے منزل کا نشاں یارو
پہنچنے دو سلامت تا بمنزل کاروان یارو

بندِ نہم

رہو جیسے رہے ہو قوم کے غمخوار و یار اب تک
کرو دھندلا۔ نہ اس رستے کو جو ہے بے غبار اب تک
جماعت کو تمہاری دیکھتے ہیں لوگ حیرت سے
تمہارے دم سے ہے کچھ قوم کا باقی وقار اب تک
تمہاری کوشش اور ہمت کا چرچا ہے زمانہ میں
تمہاری خدمتوں کی قوم ہے منّت گذار اب تک
جو کام انجام کرنا ہے تو سیّد کے رہو حامی
کہ قومی کامیابی کا اُسی پر ہے مدار اب تک
ورنہ دوستو! سن لو کہ ہے آپس کی اَن بَن کا
وہی انجام - جو ہوتا رہا ہے آشکار اب تک
پڑے ہیں جا بجا بکھرے ہوئے اطرافِ عالم میں
کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقوں کی یادگار اب تک
ہزاروں باغ ویراں ہو گئے آپس کے جھگڑوں میں
پلٹ کر پھر نہیں آئی جہاں فصلِ بہار اب تک

سفینے غرق لاکھوں کر دیے بادِ مخالف نے
زمانہ کو نہیں معلوم خود جن کا شمار اب تک
نہ سمجھو یہ کہ فارغ ہو گئے ہم خاک میں مل کر
ہماری گھات میں ہے انقلاب روزگار اب تک
نظر آتا نہیں یہاں حملۂ دوراں سے بچنے کو
سوا اک درسگاہِ قوم کے کوئی حصار اب تک

کرو پورا حصارِ قوم کو سر جوڑ کر یارو
ہٹاؤ حملۂ دوراں کو سب جی توڑ کر یارو

بند دہم

یہ دار العلم سدِّ راہِ آسیبِ زماں ہو گا
اسی دار الشفا میں بختِ پیر اپنا جواں ہو گا
نہیں صورت ابھرنے کی ہماری کوئی پستی سے
اگر ہو گا۔ اسی گھر سے بلند اپنا نشاں ہو گا
کمی نے کر دیا ہے علم کی۔ ہم کو سبک سب سے
اسی پاسنگ سے ہو گا تو یہ پلہ گراں ہو گا
یہ بیت العلم روز افزوں ترقی کا ہے سرچشمہ
اسی چشمہ سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہو گا
یقیں ہے ٹہنیاں پھیلیں گی طوبیٰ سے سوا اسکی
ہمارے واسطے دنیا میں یہ باغِ جناں ہو گا

اگر راس آگئی آب و ہوا اِس کھیت کی ہم کو
تو جو اُٹھے گا پودا اِس زمیں سے آسماں ہوگا
اگر اسلام میں باقی ہے خصلت حق شناسی کی
تو ایک اک نونہال اس باغ کا خود باغباں ہوگا
جو حق نے عالَمِ اسباب دنیا کو بنایا ہے
تو جو نکلے گا یہاں سے کامیاب وکامراں ہوگا
بہت مدت سے ہے قحط الرجال اے قومِ اُمت میں
اِسی کھیتی سے اُس میں جنسِ مردم کا سماں ہوگا
بِنا اسلام کی ۔ کہتے ہیں یہ تعلیم ڈھادے گی
نہ ڈھینے دیگا حق ۔ اِسلام پر گر مہرباں ہوگا
کسوٹی ہے یہ دارُالعلم ۔ اِسلامی اخوت کی
ہم اُس سے بدگماں ہوں گے جو اس سے بدگماں ہوگا

کبھی یہاں آکے کچھ دیکھا بھی ہے اے نکتہ چیں یارو
بُرا کہنا گھروں میں بیٹھ کر اچھا نہیں یارو

بند یازدہم

اگر رکھتے ہیں دل پہلو میں ۔ آکر یہ چمن دیکھیں
ریاضِ قوم کا فصلِ خزاں میں بانکپن دیکھیں
وطن کو جو سمجھتے ہیں کہ ہے ترجیح غربت پر
وہ آکر شامِ غربت ۔ بہتر از صبحِ وطن دیکھیں

ہوئے ہیں جمع یہاں جو نہال۔ اطراف سے آ کر
بہم سب کو شریکِ شادی و رنج و محن دیکھیں
محبت اُنہیں جب دیکھیں تو سمجھیں بھائی ماں جائے
وطن پوچھیں تو ہند و سند و پنجاب و دکن دیکھیں
اگر غیبت میں پوچھیں ایک کا حال ایک سے آ کر
تو ہر طفل و جواں میں حفظِ غیب و حسنِ ظن دیکھیں
تکلف سے بری ایک اک کو دیکھیں اور بناوٹ سے
سخن میں راستی دیکھیں بیاں میں سادہ پن دیکھیں
تواضع منعموں کی دیکھیں۔ اور غیرت غریبوں کی
ادب بچوں کا دیکھیں۔ نوجوانوں کا چلن دیکھیں
تامل رائے میں دیکھیں۔ تو دیکھیں کام میں پھرتی
لڑائی فیلڈ میں دیکھیں۔ کلب میں یونین دیکھیں
اطاعت سلطنت کی۔ احترام اہلِ حکومت کا
وفاداری کی گردن میں بندھی سب کے رسن دیکھیں
نہ بو اُنمیں غلامی کی۔ نہ بیباکی کی خو اُن میں
ادب اور معتدل آزادگی اُن کا چلن دیکھیں
زباں سے قیصرِ ہندوستاں کا نام لے کوئی
تو اک دریا محبت کا دلوں میں موجزن دیکھیں
سلف پر فخر دیکھیں۔ اور تاسف اپنی حالت پر
لگن اسلام کی۔ اور قوم کی دل میں چبھن دیکھیں
نمازوں کی تقید دیکھیں۔ اور روزوں کی پابندی

اجازت نیک کرداری کی اور ہر کام کی بندی

بند دوازدہم

کلب میں آ کے گر احباب - رنگِ انجمن دیکھیں
تو زیبِ کرسیِ صدر اک مجسم یونین دیکھیں
نہ دیکھی ہوں جنھوں نے شفقت و طاعت کی تصویریں
وہ بک اور اُسکے شاگردونکو باہم ہم سخن دیکھیں
تاسف کرتے ہیں جو ہند کی نا اتفاقی پر
کلب میں ہندیوں کے آئینِ وہ اور یونین دیکھیں
اگر باور نہ ہو اخلاص سُنّی اور شیعی کا
بہم شیر و شکر یہاں چار یار و پنجتن دیکھیں
نہ دیکھا ہو جنھوں نے پیار ہندو اور مسلماں میں
وہ آ کر مسلم اور ہندو کو یکجان و دو تن دیکھیں
مسیحی پوششیں دیکھیں مسلمانوں کے بچوں کی
مسیحی کو مسلمانی قبا زیبِ بدن دیکھیں
مجسم دیکھنی ہو شکلِ مہرِ مادری جن کو
وہ بچوں سے سلوکِ آرنلڈ و ماریسن دیکھیں
اگر ہو دیکھنی تقریر میں تصویر معنی کی
تو والس کا بوقتِ درس اندازِ سخن دیکھیں
اگر اسکول میں چاہیں کہ دیکھیں تو رسٹ کو آ کر

فرائض میں تمام اوقات اُس کے مرتہن دیکھیں
دمِ تدریس دیکھیں چکر وردی کو اگر برسوں
نہ پیشانی پہ بل دیکھیں۔ نہ ابرو میں شکن دیکھیں
ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شبلی سا دحیدِ عصر و یکتائے زمن دیکھیں
اگر بوجعفر طوسی کو زندہ دیکھنا چاہیں
تو عباس ابنِ جعفر سا محیطِ علم و فن دیکھیں
سخن کوتاہ۔ دارالعلم پر یوں قوم کے نازاں
جو آ کر اس کا ایک اک دُرِّ مکنوں من وعن دیکھیں
پھر اُن کے بعد دیکھیں گر مربّی اپنے بچوں کا
تو اِک۔ بچوں سے بڑھ کر زندہ دل۔ پیرِ کہن دیکھیں
خوشی میں رنج میں۔ صحت میں۔ بیماری میں دُکھ سکھ میں
اُسے جب آ کے دیکھیں قوم کی دُھن میں مگن دیکھیں
رہیں چُپ کس طرح ہم باغباں کی مدح و تحسیں سے
جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چمن دیکھیں
نہ سمجھیں یہ کہ ہے اُس کو ہماری مدح کی پروا
اگر سیّدؔ کا استحقاق اہلِ انجمن دیکھیں
محبِّ قوم سنتا ہے در و دیوار سے تحسین
جنھیں یاور نہ آئے وہ محبِّ قوم بن دیکھیں

ادا سیّدؔ کا حق تو ہم سے ہو سکتا ہے کیا حالی
مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا حالیؔ

قوم کا متوسّط طبقہ

مرتبہ ۱۸۹۱ء

اس نظم میں متوسط درجہ کے لوگوں کی حالت کو فقرا اور اغنیا دونوں کی حالت سے بہتر بتایا گیا ہے۔ متوسطین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی کوشش اور سلف ہلپ سے دولت۔ عزت۔ نیکنامی یا علم و فضل میں اپنی پہلی حالت سے ترقی کرکے اپنے ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنیٰ درجہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی پست حالت سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا چاہتے ہیں مگر نہیں بڑھ سکتے۔ اعلیٰ درجہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت و عزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت میں پیدا ہوئے مگر اس حالت سے ترقی کرنیکی ضرورت نہیں سمجھتے اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اس سے تنزل کرنیکا کچھ انسداد نہیں کرتے

حالی

بندِ اوّل

شکر اس نعمت کا یارب! کر سکے کیونکر زباں؟
تونے رکھا ہم کو یہاں فقر و غنا کے درمیاں
جب ہوئے بھوکے تو بخشی تونے نان و نانخورش
پر نہ اتنی۔ معدہ و احشا پہ جو گذرے گراں
جب ہوئے پیاسے تو بخشا آبِ شیریں اور خنک
پر نہ ایسا۔ ہو صراحی جس کی یاروں سے نہاں

دُعا مانگنا چاہا بدن جب ۔ تو دیا تو نے لباس
پر نہ ایسا ۔ جس کو حسرت سے تکیں خُرد و کلاں
کھانے پینے کو کئیے برتن ہمیں تو نے عطا
پر نہ ایسے ۔ ٹوٹنے سے جن کے ہو خوفِ زیاں
سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمیں
پر نہ ایسا ۔ جس سے اُٹھنا ہو طبیعت پر گراں
رہنے سہنے کو دیے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ
پر نہ ایسے ۔ ہو تعلق جن سے مثلِ جسم و جاں
آنے جانے کو دیے دو پاؤں یہاں تو نے ہمیں
جن سے ڈر ہے بھاگنے کا اور نہ گرنے کا گماں
راہ اور بے راہ یکساں جن کو ہنگامِ خرام
کوہ سدِّ راہ جن کا اور نہ خندق اور کواں
کی سواری بھی عطا اکثر ۔ جو پیش آیا سفر
پر نہ ایسی ۔ تختِ فرعونی کا ہو جس پر گماں
سیم و زر وقتِ ضرورت ہم کو تو دیتا رہا
پر نہ اتنا ۔ ہو نگہبانی ہی جس کی بیمِ جاں
آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز
پر نہ ایسی ۔ جس سے ہوں محسود ابنائے زماں
نعمتیں اکثر ہمیں بعد از مشقت تو نے دیں
تاکہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہم پر عیاں
راحتیں اکثر میسر آئیں تکلیفوں کے بعد

تاکہ کھو بیٹھیں نہ ہم اُن راحتوں کو رائگاں
وقت پر کرتا رہا بارانِ رحمت سے نہال
قحط اور طوفاں دونو سے بچایا بال بال

بند دوم

الحذر اُس فقر و ناداری سے سَو بار الحذر!
لومڑی جاتے ہیں بن - جس کی بدولت شیر نر
چاپلوسی جاکے کرتے ہیں سفیہوں کی فقیہ
ناکسوں کے نازِ بیجا سہتے ہیں اہلِ ہنر
وزن میں علم و فضیلت جن کے ہے ہم سنگِ کوہ
وہ سبک تر دانۂ خردل سے آتے ہیں نظر
فقر و حاجت میں نہ ہو انساں کو جب صبر و شکیب
پھر نہیں کوئی بُرائی فقر و حاجت سے بتر
بھیک منگوائے - جُوا کھلوائے یہ چوری کرائے
پت گنوائے - آبرو کھوئے - پھرائے دربدر
ہوسکے محتاج سے طاعت نہ یاد - اللہ کی
لے سکے محتاج جورد کی نہ بچوں کی خبر
گہ زباں آلودہ اُس کی - شکوۂ تقدیر سے
اور کبھی بوچھاڑ اُس کی آسمانِ پیر پر
گر بخیلوں کی مذمت پر کبھی آجائے وہ

ہو نہ شب و شتم سے سیری اُسے دو دو پہر
اُگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاقِ بزم تلخ
کھول دے غیبت کا دفتر اہلِ دولت کی اگر
گہ وبائے عام کی مانگے دعا اللہ سے
تاکہ دولتمند بھی کچھ دن رہیں آسیمہ گر
اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب
تاکہ ہو جائیں بلند اور پست سب زیر و زبر
بے حلاوت اُس کی دُنیا اور مذبذب اُسکا دیں
خوفناک اُس کا ارادہ۔ نیّت اُس کی پُرخطر
رات اُس کی حسرت آگیں اور دن اندوہگیں
شام اُس کی پُرنحوست اور شوم اُس کی سحر
گو کہ بدتر فقر سے یارب نہ تھی کوئی بلا
تھا۔ مگر ثروت میں اُس سے بھی زیادہ شور و شر
فقر سے تو نے بچایا۔ یہ بھی کم نعمت نہیں
پر نہ دی ثروت۔ سو اِس کے شکر کی طاقت نہیں

بندِ سوم

نشۂ دولت سے تھا پھر ہوش میں آنا محال
اِس مئے مرد آزما کی تھی بہت مشکل سنبھال
نفسِ امّارہ اور اُس پر چھیڑ مال و جاہ کی

ڈھیر ہے بارود کا۔ دیجیے چنگا جیسیں ڈال
بادِ صرصر آگ کو اس طرح بھڑکاتی نہیں
جس طرح جذباتِ نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال
ہضم کرنا اور پچانا مال و دولت کا ہے بس
نفسِ انساں میں اگر بالفرض ہے کوئی کمال
ورنہ مال و جاہ و مکنت کا جہاں آیا قدم
اور ہوئے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال
عقل ٹھیراتی ہے جو افعال انساں پر حرام
کر دیے اُس کے لیے سب مال و دولت نے حلال
فقر میں تھا نفسِ دوں واماندہ جس پرواز سے
آکے ثروت نے دیے پر واسطے اس کے نکال
خواہشیں یوں نفس میں اب دمبدم بڑھنے لگیں
مغز میں جس طرح دیوانہ کے گوناگوں خیال
آپ کو گننے لگا بالاتر از ابنائے جنس
چیونٹوں میں ایک نے گویا نکالے پر و بال
مسرف بے زر ہو جیسے قرضخواہوں میں گھرا
خواہشوں میں اس طرح جکڑا ہوا ہے بال بال
جھک پڑی طبع دنی گر بخل و خست کی طرف
ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اس کی وبال
اور اگر بھوت اُس کے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
پھر نہیں گنجینۂ قارون کچھ آگے اُس کے مال

آگیا غالب طبیعت پر گر استسقائے حرص
ہے سمندر سے بھی اُس کی پیاس کا بجھنا محال
باڑ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اس قدر
جس قدر ثروت میں ہے دشوار پاس اعتدال
گلشن دولت کے ہوں انگور میٹھے بھی اگر
دیکھ اے روباہ نفس دوں حذر انسے حذر

بند چہارم

ہے عجب دنیا میں نعمت درمیانی زندگی
فقر کی ذلت سے اور ثروت کے فتنہ سے بری
چین ہے دنیا میں گر کچھ تو اسی حالت میں ہے
یہ جو ہے برزخ میان مکنت و دست تہی
فقر و ثروت فی المثل ہوں دوزخ اور جنت اگر
مانگتے ہیں ہم حذر دوزخ سے اور جنت سے بھی
دخل شیطاں کا ہو جسمیں ایسی جنت کو سلام
منزل اعراف سو بار ایسی جنت سے بھلی
اس کٹھن منزل میں ہے بٹیا یہی ایک بے خطر
ہیں ادھر کھڈ اور چڑھائی ہے اُدھر البرز کی
رکھتے ہیں فقر و غنا میں جو کہ حالت بین بین
ہیں حسد اور کبر کے امراض مہلک سے بری

اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر آتا ہے رشک
دیکھ کر ادنیٰ کو کر لیتے ہیں اپنی دل دہی
سُن کے ہو جاتے ہیں سیدھے وہ بڑوں کا فخر و ناز
مِل کے چھوٹوں سے بہک جاتا ہے گرخنا کبھی
لذتِ فقر و غنا دونوں سے ہیں وہ آشنا
اغنیا میں ہیں فقیر اور ہیں فقیروں میں غنی
جو گذرتی ہے گدا پر۔ اُس سے ہیں وہ باخبر
کیونکہ حالت گاہ گاہ اُن پر بھی گذرتی ہے یہی
امتحاں دولت کے بھی ہیں کچھ نہ کچھ جھیلے ہوئے
کیونکہ ہے ہر گھونٹ میں اس مے کی بدمستی رہی
اِس لیے جب دیکھتے ہیں عسرتِ ابنائے جنس
جوشِ ہمدردی سے بیکل اُنکا ہو جاتا ہے جی
اور نہیں کرتے زبانِ طعن بیدردی سے وا
جبکہ سنتے ہیں کسی منعم کی از خود رفتگی
مست کی بے اختیاری۔ تشنگی مخمور کی
واردات ایک ایک کی ہے سر بسر اُن پر کھلی
جنت اور دوزخ ہے سب اعرافیوں پر جلوہ گر
گندم اور زقوم دونوں اُن کے ہیں پیشِ نظر

بند پنجم

دل توانا اور قوی یا مردوں کی ہمت اُن سے ہے

منتظم ہر قوم و ملت کی جماعت اِن سے ہے
مشکلیں اکثر انہیں سے قوم کی ہوتی ہیں حل
بھائیوں کے بازوؤں میں زور و طاقت انسے ہے
ہے انھیں کے دم سے۔ جو ہے گرمیٔ ہنگامہ آج
ساری قومی مجلسوں کی زیب و زینت انسے ہے
ہے جہاں دولت۔ یہی ہیں نظم دولت کے کفیل
ملک کی دولت میں ہے جو خیر و برکت۔ اِن سے ہے
ہاتھ میں ان کے ہیں۔ جتنے عقل و دانش کے ہیں کام
عقل و دانش میں ہے جن ملکوں کی شہرت۔ انسے ہے
ہیں گداؤں کے وسیلے اور شاہوں کے مشیر
شاہ ہوں یا ہوں گدا۔ دونوں کو قوت اِن سے ہے
آدمیّت سیکھتے ہیں ان سے سب چھوٹے بڑے
نوعِ انساں میں بقائے آدمیت اِن سے ہے
یہ نہ ہوں تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یہاں
رونقِ بازارِ جنسِ علم و حکمت اِن سے ہے
پاؤ گے انمیں طبیب۔ انمیں ادیب۔ انمیں خطیب
ہے اگر انساں کو حیواں پر فضیلت۔ اِن سے ہے
پاؤ گے انمیں مہندس۔ پاؤ گے اِن میں حکیم
آدمی مصداقِ رحمانی خلافت اِن سے ہے
کرتے ہیں اخلاق ادنیٰ اور اعلیٰ ان سے اخذ
آدمی سب ہیں۔ مگر انساں عبارت اِن سے ہے

اِن میں قوموں کے ہیں مصلح - انہیں ملکوں کے وکیل
آبروِ قوموں کی اور ملکوں کی عزت ان سے ہے
پھونکتے ہیں روحِ قومیت یہی افراد میں
ہے جہاں قوموں میں یکرنگی و وحدت یہ انسے ہے
دم سے ہے وابستہ اُن کے قوم کا سارا نظام
یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

بند ششم

گر نہ ہو ہر حال میں ان کی مصالح پر نظر
ہیں مفاسد گرد و پیش اُن کے فراہم سربسر
کھیلتی ہے جس طرح بتیس دانتوں میں زباں
ہے انہیں بھی شر سے یہاں بیچ بیچ کے رہنا عمر بھر
گھاٹیاں فقر و غنا کی اُن کے ہیں دونوں طرف
اور رستہ بیچ میں ہے بال سے باریک تر
ایک جانب پستیٔ فطرت ہے اور دُوں ہمتی
ایک جانب مستی و غفلت ہے اور کِبر و بَطَر
جھک پڑے گر اس طرف تو مفت کھو بیٹھے انہیں
وہ جو اُڑنے کے لیے حق نے دیے تھے بال و پر
ڈھل گئے گر اسطرف تو اس بلا میں پھنس گئے
جس میں پھنس جاتی ہے مکھی شہد میٹھا جان کر

برکتیں اللہ کی اُس قوم پر جس قوم میں
رہ سپرِ طبقۂ والا ہو سیدھی راہ پر
ہیں معطل اغنیار اور بے نوا کوتاہ دست
سب کی پڑتی ہے انہیں کے دست و بازو پر نظر
جو قوی اُن کو ملے ہیں کام میں لائیں انہیں
تاکہ زندوں کی طرح ہو زندگی اُن کی بسر
فرض ہیں جو اُن کے ذمہ خالق اور مخلوق کے
اُن میں سرگرداں رہیں دیوانہ وار آٹھوں پہر
قوم ہو گر ناتواں - تو تقویت بخشیں اُسے
کیونکہ اُن کے ضعف سے ہے اُنکی قوت کو ضرر
گو نجات انساں کو مکروہاتِ دنیا سے نہیں
جن سے بچنا گوشت سے ناخن چھٹانا ہے - مگر
کام دنیا میں سنوارے ہیں جنہوں نے قوم کے
تھے انکموں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر
سارے بھگتاتے تھے بائیں ہاتھ سے دُنیا کے کام
اور دائیں سے مُہمیں قوم کی کرتے تھے سر

جس طرح اِس انجمن کے رکن آئے ہیں تمام
قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

بندِ ہفتم

قوم کو ہے آس جس کی وہ جماعت ہے یہی

جس سے جان آتی ہے مُردوں میں وہ طاقت ہے یہی
اتفاقِ قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل
رائی کو کرتی ہے جو پربت۔ وہ قوت ہے یہی
مال و دولت نامبارک ہے۔ نہ ہو گر اتفاق
قوم میں دولت کی بھو کی ہے وہ دولت ہے یہی
یہاں وکیل ایک اک ہے شہر اور ملک کا قائم مقام
دانہ کو کرتی ہے تخم من وہ برکت ہے یہی
رائیگاں جائیگا یاروں کا نہ یہ رنج سفر
راحتیں جس کی طفیلی ہیں وہ زحمت ہے یہی
فرد فرد آتے ہیں جو۔ جاتے ہیں یہاں سے مجتمع
ملتے ہیں جسکی بدولت دل۔ وہ ملت ہے یہی
تم ہمارے کام آؤ۔ ہم تمہارے کام آئیں
جس سے کل چلتی ہے دنیا کی وہ حرکت ہے یہی
قوم کی خدمت میں ہے مضمر ربوبیت کی شان
جو کہ بنواتی ہے خادم کو۔ وہ خدمت ہے یہی
قوم کی ذلت کو سمجھیں ذلت اپنی سب عزیز
ننگ ہیں عزت سے اب رہنے کی صورت ہے یہی
یاں ٹھہر رہتا ہے نقش اس انجمن کا یادگار
جو کبھی برہم نہیں ہوتی وہ صحبت ہے یہی
کر رہا ہے قوم کے سر کل کو یہ مجمع وسیع
جز رسے افزوں ہے مد جسکا وہ رجعت ہے یہی

اتفاقاً گر کبھی ہو جاتا ہے یہ ہنگامہ سرد
ورنہ ہے اس کا تو دوامی قدرت ہے یہی
ہے کبھی افراط باراں اور کبھی ہے قحط آب
خیریت تو یہی تھا حیثیت در دیعت سے یہی
کال ہے گر اس برس - تو ہے سال اگلے برس
جو خبر دیتی ہے کثرت کی - وہ قلت سے یہی
دیکھ تو سکتے ہی یہ پیچھے کی دیکھیں آنکھ میں
پھر آیا آیا تو ہے ذہن میں غنیمت سے یہی

انجمن ہے قوم کی - ہنگامہ شادی نہیں
ایک دن کا کام کچھ دنیا کی آبادی نہیں

دہلی کا جلسہ کانفرنس

مرتبہ ۱۸۹۲ء

یہ ترکیب بند محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں بمقام دہلی پڑھا گیا تھا

بندِ اوّل

یہ خاک - آج جس پر ہیں جمع اہلِ آرا
یہاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا
اس باغ میں بہاریں جو جو گذر چکی ہیں
آنکھوں کے رو برو ہے گویا سماں وہ سارا
کل جشنِ فتح تھا یہاں - ہے آج جشنِ شادی
ہر دم عروج پر ہے اسلام کا ستارا
بلبن کے آج مہماں خاقاں ہیں اور سلاطیں
اصطبل ہے کہ دلّی - بلبن ہے یا کہ دارا
فیروز شہ کی ہے کل کھٹے سے آمد آمد
دولھا بنا ہوا ہے تزئین سے شہر سارا
تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل
بہرِ مدافعت ہے میدان میں صف آرا
مغلوں کے اُڑ رہے ہیں کل جشنِ فتح و نصرت
تیمور سے زمانہ ہے برسرِ مدارا

آثار ہے آج بابر لودی پہ فتح پاکر
ہیں شوقِ شہ کو میں پیر و جواں خود آرا
کل شور یوں ہیں ہر سو بجتے ہیں شادیانے
قبلوں کا آرہا ہے گردش میں کچھ ستارا
ہے جشنِ فتح پھر آج جھنڈا ہوں ہیں ہر سو سرپا
اقبال نے ہے گویا مغلوں سے قول ہارا
جس دھوم سے ہے گھر گھر جشنِ جلوسِ اکبر
ہے گرد اُس کے آگے جشنِ قبا دودارا
شاہِ جہاں خوشی سے پھولا نہیں سماتا
تعمیر ہوچکے ہیں شہر و فصیل و بارہ
تیاری اس خوشی میں جشنِ عظیم کی ہے
گویا کہ ہے جہاں میں جشنِ[1] سدہ دوبارا
اطرافِ ہند سے ہیں اعیانِ ملک آئے
پاکر حضورِ شہ سے سب جشن کا اشارا
ارکانِ سلطنت ہیں سب پائے تخت حاضر
بالائے تختِ طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا

وہ جشن کرنے والے گو خاک میں نہاں ہیں
پر جشن اُن کے اب تک سب زیبِ داستاں ہیں

[1] سدہ آگ کو کہتے ہیں جشنِ سدہ وہ جشن ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے اول جمشید نے پتھر میں سے آگ نکلنے کی خوشی میں بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا ۱۲ ذکائی؛

بند دوم

اے خاکِ پاکِ دلّی اے تختگاہِ شاہاں
پیشِ نظر ہیں تیرے سب اگلے ساز و ساماں
پہنچے ہیں اس زمیں پہ لاکھوں ہما یہم ہر سو
پر کوئی جشن ایسا آتا نہیں نظر یہاں
تقریبِ جشن جس میں ہو کچھ نہ جز اخوت
ملکوں سے جمع آ کر جس میں ہوئے ہوں اخواں
پایاں و صدر کا ہو جس میں نہ کچھ تفاوت
خرد و بزرگ کی ہو جس میں نشست یکساں
جن کو نہ ہو بلاوا حاکم کا اور نہ قدغن
لایا ہو کھینچ کر دل ان کو نہ حکمِ سلطاں
خادم ہوں جس قدر واں مخدوم قوم کے ہوں
خرد و بزرگ جتنے ہوں واں سب قوم پر ہوں قرباں
خاطر کسی سے چاہے کوئی نہ واں تواضع
ہوں خود ہی میزباں وہ اور خود ہی ہوں وہ مہماں
ٹھیرائیں جس کو چاہیں وہ آپ میرِ مجلس
چاہیں جنہیں بنائیں وہ آپ میرِ ساماں
آئے ہوں اس غرض سے سب مل کے تاکہ سوچیں
دنیا میں کس طرح ہوں سرسبز پھر مسلماں

ہندوستاں میں کیونکر باقی رہے نشانی
اُس قوم کی - کہ تھا کل جن کے وہ زیرِ فرماں
نکلیں تو کیونکر نکلیں ذلت سے وہ گھرانے
اعزاز نے تھا پالا ندھا جنکے بڑوں سے پیماں
اُن مدرسوں کا کیونکر جاری رہے افاضہ
جن کے سبب سے زندہ نام حدیث و قرآں
جو مسجدیں ہیں بہرِ ذکرِ خدائے واحد
محفوظ حادثوں سے کیونکر ہوں اُنکے ارکاں
جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیر میں - وہ سرپر
اپنی طرف سے لیکن ہے سعی فرضِ انساں
اے شہ نشینِ اسلام! اے معدنِ سلاطیں
اے پایۂ تختِ سادات! اے دارِ ملکِ مغلاں

تو جشن گاہِ شاہاں ہر عہد میں رہا ہے
ایسا بھی جشن کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے؟

بند سوم

شاہوں کے جشن تھے وہ - یہ جشن قوم کا ہے
شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑا ہے
دولت کے تھے وہ جلوے - ملت کا ہے یہ نقشہ
کاغذ کی تھیں وہ ناویں - بیڑا یہ نوح کا ہے

بے روح تھے وہ قالب - ہے اِسمیں روحِ خویشی
موجِ سراب تھے وہ - یہ چشمۂ بقا ہے
جیتے نہ وہ بچھڑتے - روح اُن میں گر یہ ہوتی
رہتا ہے آندھیوں میں روشن - یہ وہ دیا ہے
وہ دن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر
اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
بس سلطنت یہی ہے مل بیٹھنا ہمارا
یہ چھت نہ سمجھو سر پر - یہ سایۂ ہُما ہے
”گم گشتہ جنت“ جس کو پھرتے ہیں ڈھونڈتے ہم
لگتا ہے کچھ تو اُس کا لگتا یہیں پتا ہے
وہ مشکلیں کریں گے اب حل ہمیں تمھیں کچھ
جن مشکلوں کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے
ہم میں اگر مخالف کچھ ہوں اِس انجمن کے
معذور ہیں وہ - اُن سے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
فوجِ کمک کو اکثر - سمجھا ہے فوجِ دشمن
حملہ کمک پہ اپنی - اپنوں نے خود کیا ہے
نادم ہوئے ہیں لیکن - روشن ہوا ہے جب دن
اِنساں سے یہ ہمیشہ - ہوتی رہی خطا ہے
قدر ایسی مجلسوں کی مدت میں ہوگی ہم کو
اب تک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے
ہوتی ہے قدر ان کی - بنتی ہے جان پر جب

لاتے ہیں تب یہ ناویں جب بیڑا ڈوبتا ہووے
گو سب جہاز والے خطرے سے بے خبر ہیں
پر رنگ ناخدا کا کچھ فق سا ہو رہا ہے

آفاتِ بحر سے ہیں ناواقف آشنا سب
ہنستے ہیں ناخدا پر روتا ہے ناخدا جب

بندِ چہارم

گلشن میں فصلِ گل کے سب مٹ چکے نشاں ہیں
پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خواں ہیں
طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خراماں
اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچین و باغباں ہیں
غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی*
اِتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں
رستہ کدھر ہے اُن کا اور جا رہے کہاں ہیں
فضل و کمال اُن کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں
کھیتوں کو دے لو پانی۔ اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو! اُٹھتی جوانیاں ہیں
تم سے تھے تو تھا مو عزت کو قوم کی کچھ
اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یہاں ہیں

* سب طفل و کبیر بوڑھے ہیں یا جواں ہیں

اک خضرِ رہ نے رستہ سیدھا بتادیا ہے
رستے پہ دیکھیے چلتے اب کتنے کارواں ہیں
خدمت میں اُن کی حالی کہتا ہے یہ ادب سے
اس وقت رونق افزا یہاں جتنے مہرباں ہیں
دنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو
ورنہ بگڑنے کے یہاں آثار سب عیاں ہیں
عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں
قدرت کے قاعدے جو دنیا پہ حکمراں ہیں
جو اپنے ضعف کا کچھ کرتیں نہیں تدارک
قومیں وہ چند روزہ دنیا میں میہماں ہیں
گھڑیال اور مگرمچھ ہیں اُن کو نگلے جاتے
دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں
سنبھلو! وگرنہ رہنا یہاں اس طرح پڑیگا
بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بےنشاں ہیں
یہ غفلتیں مبادا اب روزِ بد دکھائیں
دھندلے سے کچھ نشاں ہیں ڈر ہے کہ مٹ نہ جائیں

شکریۂ والیٔ رامپور

مولانا نے یہ نظم آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چودھویں اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۰۰ء کے لیے جو رامپور میں ہوا تھا - تیار کرنی شروع کی تھی مگر چونکہ بعض موانع سے مکمل نہ ہو سکی اور اسی ناتمام حالت میں جلسہ میں پڑھی گئی ([illegible])

بندِ اوّل

صاحبو! سمجھو نہ اس جلسہ کو ہرگز سرسری
ہیں مرادیں اور امیدیں کوٹ کوٹ اس میں بھری
اب تلک اس جھاڑو کی سینکوں کا کوئی بندھن نہ تھا
جہل سے لڑنے کو تھی اک فوج - لیکن بے سری
اہلِ ملک و جاہ - جو ہیں قوم کی امیدگاہ
سب نظر آتے تھے ہمدردی کی تہمت سے بری
دور ہی دور ابرِ دریا دل برستا تھا سدا
قوم کی کھیتی نظر آتی نہ تھی ہوتی ہری
سر میں کچھ سودا تھا جن کے قوم کی تعلیم کا
تھیں فقط دینے کو ان کے پاس اسپیچیں نری
گو فصاحت اور بلاغت اُن کی تھی ضرب المثل
گو کہ اسپیچیں تھیں اُن کی سر بسر جادو بھری

سننے والوں پر مگر چلتا نہ تھا اُن کا فسوں
کوئی کافر جانتا تھا اُن کو۔ کوئی نیچری
قوم کی تعلیم کا عقدہ تھا لاینحل ہوا
پیش جاتی تھی نہ کچھ تدبیر کی کاریگری
جان و دل ”ہزہائنس حامد علی خاں“ پر نثار۔
جو ہوا ہے اک ستارۂ گلشن فخر کا مشتری
آج سے وہ سب مسلمانوں کے سر کا تاج ہے
دے رہی ہے یہ شہادت قوم کی مجلس بھری
جان لی ہے قوم کی اُس نے اگر درماندگی
مان لی ہے قوم نے بھی دل سے اُسکی سروری
پہلے سر جھکتے تھے در پر اُس کے اب دل جھک گئے
شہریاری ہے وہی۔ جس میں ہو شان دلبری
ایسے کچھ خوش خوش نظر آتے ہیں آج افرادِ قوم
پاگئی گویا سلیمانؑ کی انہیں انگشتری
آج کا جلسہ ہے حق میں قوم کے اک فالِ نیک
سچ نہ جس دل میں دیکھو۔ ہے امید بہتری
اتفاق اور ایسے پیش آجائیں گر دو چار اب
قوم کی تعلیم کا ہوتا ہے بیڑا پار اب

بند دوم

لی ہے کروٹ ایک مدت سے زمانہ نے بدل

راس تھا اگلوں کو جو موسم۔ گیا کب کا نکل
جو تمدن کی عمارت۔ تھیے گئے اسلاف چھوڑ
آ گیا اُس کی بنیاد دں میں سر تا سر خلل
کام کے ہیں اب نہ دنیا میں ہنر اُنکے نہ فن
اور بیکار آمد زمانہ میں ہے کس اُنکا نہ بل
ہیں نئی رسمیں۔ نئے آئیں۔ نئی ہے چال ڈھال
اور نئے علم و ہنر کا ہے جدھر دیکھو عمل
ہے نئی گویا زمیں۔ ہے آسماں گویا نیا
کینچلی گویا کہ لی ہے زالِ دُنیا نے بدل
بڑھ رہے ہیں۔ جو ہوا کا رُخ ہیں یہاں پہچانتے
مل رہے ہیں اپنی دوراندیشیوں کے اُنکو پھل
مٹ رہے ہیں۔ جو ہیں اپنی آن پر مچلے ہوئے
آج گذری خیریت سے۔ تو نہیں خیر اُن کی کل
ساتھ اُنہیں دینا پڑیگا یہاں زمانہ کا ضرور
ورنہ رہنا ہوگا دنیا میں بحالِ مبتذل
زندگی ہے قوم کی اب منحصر تعلیم پر
ورنہ سُن لو! قوم کی نزدیک آ پہنچی اجل
سلطنت ہو یا ریاست۔ قوم ہو یا خانداں
جو نہیں تعلیم پر مائل۔ وہ سب جائیں سنبھل
جس کو کہتے ہیں زمانہ۔ ہے وہ شانِ کبریا
اُس کے وعدے ہیں اٹ۔ اُسکی وعیدیں ہیں اٹل

جو چلے تھے ڈھنگ دنیا میں پر اُسکے خلاف
رفتہ رفتہ اس کی چالوں نے دیا اُن کو بدل
ہاتھ ملتی ہیں وہ قومیں اپنی نادانی پہ آج
ہاتھ سے جن کے گیا تعلیم کا پہلو نکل
جب یہ حالت ہے تو بتلاؤ کہ کیا کرنا ہے اب؟
ملک میں عزت سے جینا ہے کہ بس مرنا ہے اب؟

بندِ سوم

یاد ہے اے رام پور! اپنا تجھے عہدِ کہن
جبکہ تھا ایک اک جواں یہاں رشکِ گیو و تہمتن
خاک سے سالوتت اُگتے تھے تری اور سورما
تیری یہ "ہانسی" نہ تھی - گویا کہ تھا شیروں کا بن
معرکوں سے اُن کے رنگیں ہیں ورقِ تاریخ کے
یاد ہے جن کی بھلا سکتا نہیں حولِ زمن
پر وہ اب دم تھم رہا تجھ میں نہ وہ کس بل رہا
کر دیئے گردش نے دوراں کے نشے سارے ہرن
ملک سے رخصت ہوئے دن جنگ اور پیکار کے
لے لیا فتنوں سے ہجرت کا زمانہ نے بچن
شیر بکری آج کل پیتے ہیں پانی ایک گھاٹ
چین سے ہیں پاؤں سب پھیلا کے سوتے مرد و زن

عام ہے اس عہدِ فرخ فال میں امن واماں
شرق سے تا غرب اور اُتر سے لے کر تا دکن
پر دلیروں کے لیے میدان خالی ہیں بہت
گر سلف کا اُن کے دل گردوں میں کچھ باقی ہے کَن
اک قوی دشمن کا ہے درپیش اُن کو سامنا
جس کی روندن میں ہزاروں ہو گئے ویراں چمن
روکدی دریا کی رَو - حملے سے جو اُس کے بچا
کر دیا پربت کو رائی - جس نے جیتا اُس سے رَن
نام ہے اُسکا "تعصب" اور "جہالت" ہے لقب
کج روی کا ہے وہ رہبر - راستی کا راہزن
یہ وہ دشمن ہے کہ غالب آگیا جس قوم پر
ہوگئی وہ قوم آنکھوں دیکھتے زیر و زبر

بندِ چہارم

سہل مت سمجھو تعصب کو - بُری ہے یہ بلا
کر دیا ہے اس نے قوموں اور گھرانوں کو فنا
حکم ہے اس کا کہ فاقہ ہے تو فاقہ میں مرو
اور جو ذلت ہے تو ذلت پر رہو قانع سدا
حکم ہے اس کا کہ کوئی قوم جس حالت میں ہے
بس وہی ہے اُس کی عزت اور شرف کی انتہا

باپ دادا جو گئے ہیں چھوڑ یہاں رسم و رواج
ناخلف ہے ایک اِنچ اس سے اگر آگے بڑھا
آدمؑ و حوّا نے گر پتّوں سے ڈھانکا تھا بدن
نسل میں اُن کی وہی پوشش رہے جاری سدا
نوحؑ کی کشتی میں تختے تھے اگر اُن گھڑ لگے
ہوں جہاز اب بھی اسی کینڈے کے بے چون وچرا
آدمی کا گھر ہو ایسا ہی پرانی چال کا
لومڑی کا جیسے بھٹ ہے اور بیے کا گھونسلا
ایک کا نام آدمی ہو۔ ایک کا ہو جانور
آدمی اور جانور میں ہو نہ فرق اِسکے سوا
باپ دادا کے لیے بیٹھے ہو کیا رسم و رواج
وہ گئے اور دم کے ساتھ اُن کا دمامہ بھی گیا
دیکھو تم گرتے چلے جاتے ہو پستی کی طرف
آگے آتا ہے گڑھا۔ بعد اس کے ہے تحت الثریٰ

گر کرو زیر اپنے دشمن کو۔ تو ہے مردانگی
جو اُبھرنے کی نہیں دیتا تمہیں پروانگی

تحفۃ الاخوان

یہ مشہور اور بے نظیر نظم جس میں غیرت - ہمت اور جوش دلا کر قوم کو جہالت - پستی اور تنزل سے نکالنے کی کوشش کی گئی ہے - مولانا نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سولھویں جلسہ کے چھٹے اجلاس میں جو ۲ جنوری ۱۹۰۳ء کو بصدارت نواب احمد سعید خاں صاحب منعقد ہوا تھا - خود پڑھ کر سنائی تھی - وہ سماں بھی کانفرنس کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا جب مولانا قوم کا مرثیہ پڑھنے کھڑے ہوئے - ابھی دو تین ہی شعر پڑھے تھے کہ ساری محفل مجلسِ عزا بن گئی - حاضرین کے اندرونی بخارات آنسو ہو کر بہہ نکلے اور اس نظم سے ہمدردی قومی کا جوش اس قدر اٹھا کہ جو کچھ جس شخص کے پاس تھا اس نے دے ڈالا اور ایک آن کی آن میں دو ہزار روپیہ چندہ بلا مانگے ہو گیا جو تمام کا تمام اس نظم کے آنریبل کالج کو دیا گیا - نظم کے ختم ہونے کے بعد مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا مسودہ نظم نیلام ہونا شروع ہوا جو دو سو ایک روپیہ پر چھٹا (اسماعیل)

بندِ اوّل

دوستو! انکار اگر تم کو ہدایت کا نہیں
عالمِ اسباب ہے دنیا - اسے جانو یقیں
کاہ سے لے کوہ تک - ذرہ سے لے تا آفتاب
سب کو ہے جکڑے ہوئے اسباب کی حبل المتیں

ایک مرتب سلسلہ پاؤگے وہاں اسباب کا
دشت میں پتا کھڑکتا تم اگر دیکھو کہیں
یوں خدا چاہے تو لے اسباب کی تاثیر چھین
لیکن اُس قیوم بے ہمتا کی یہ عادت نہیں
بھاپ اُٹھے گی سمندر سے۔ تو اُمڈیگی گھٹا
آسماں برسے گا جب۔ اُگلے گی تب دولت زمیں
ہے یہ وہ قانونِ محکم۔ مالکِ مختار کا
جو کہ سطحِ خاک سے نافذ ہے تا چرخِ بریں
وہ یہی قانون ہے جس سے لگا لیتے ہیں کھوج
وقت سے پہلے ہر اک انجام کا انجام بیں
جان لیتے ہیں کہ آمد ہے خزاں کی باغمیں
ٹہنیوں سے خود بخود جب پتیاں جھڑنے لگیں
دیکھ لیتے ہیں کہ جس گھر کی ہے پانی پر بنا
کوئی دن میں وہ رہے گا ہو کے پیوندِ زمیں
بسکہ ہے اُن کو قوانینِ الٰہی پر وثوق
اس لیے رکھتے ہیں اپنی پیش گوئی پر یقیں

دیکھتے ہیں روشنی دن کی جب جاتی ہوئی
اُن کو آنکھوں سے نظر آتی ہے رات آتی ہوئی

بندِ دوم

جبکہ قانونِ الٰہی کا یہ ٹھیرا مقتضا

وہ رہے گا ہو کے - جو ہے مقتضا اسباب کا
دیکھنا یہ ہے کہ کیا اُس قوم کا ہونا ہے حال؟
شاہراہ عام سے جس کی پگڈنڈی ہے جدا
ساری قومیں دیرہی ہیں وقت کا ساتھ جگل
اور ان کی چڑھے وہ - جو وقت کا ہے مقتضا
ہیں رواں تیراک سب دریا کی رَو کے ساتھ ساتھ
اور انہیں کد ہے کہ دیں دریا کی رَو الٹی بہا
اَور - اپنے اپنے جوہر ہیں جہاں دکھلا رہے
یہ دکھاتے پھرتے ہیں جوہر سلف کے جا بجا
اور قومیں ہیں جہاں مالِ تجارت بیچتی
یہ وہاں گھر بار کے کرتے ہیں کوڑے برملا
جتنے اَوروں میں ہیں کھاؤ - اُتنے ہی یاں ہیں کماؤ
یہاں کماؤ ایک ہے - تو کھانے والا قافلا
اَور مفلس ہوں - تو روزی کو پھریں کرتے تلاش
یہ جو مفلس ہوں - تو قسمت کا پھریں کرتے گلا
اور ہیں سب سُود لیتے ہیں - یہ دیتے ہیں دلیر
اور ہیں سب لُوٹنے پر - یہ لُٹانے پر فدا
جب کوئی اَوروں میں ہو جاتا ہے دولت سے نہال
اپنی نسلوں میں وہ جڑ دولت کی جاتا ہے جما
یہاں گیا بلّی کے بھاگوں ٹوٹ اگر چھینکا کہیں
پڑ گئی پشتوں تلک وہاں فاقہ مستی کی بِنا

اور تنگی سے گذارا کرتے ہیں آج اس لیئے
تاکہ غیروں کی نہ کل کرنی پڑے کچھ التجا
یہاں کسی کو مل گیا گر آج تر لقمہ۔ تو پھر
اُسکو کچھ پروا نہیں اسکی۔ کہ کل کھائیں گے کیا؟

زندگی جس قوم کی دنیا میں گذرے اِس طرح
وہ رہے گی قوم دنیا میں بناؤ کس طرح؟

بندِ سوم

نیند غفلت کی ہے سرتا پا مسلط قوم پر
سب کی آنکھیں ہیں کھُلی۔ سوتے ہیں لیکن بیخبر
مصر کی ممیاں ہیں سب گویا۔ نہیں جنہیں حیات
گو کہ جیتے جاگتے آتے ہیں ظاہر میں نظر
خاندانوں کو رہا ہے میٹ۔ دَورِ روزگار
آج بگڑا یہ گھرانا۔ اور کل اُجڑا وہ گھر
پر۔ نگاہِ بد کی جو زد میں نہیں آئے ابھی
جانتے ہیں دَورِ گردوں کا نہیں ہم تک گذر
بھیڑیا نوبت بہ نوبت گو سفندوں کو شکار
کر رہا ہے۔ اور نہیں کچھ گوسفندوں کو خبر
ہم جو بنتے بھی ہیں تو اکثر بگڑنے کے لیے
گرتے ہیں بالشتوں۔ اُچھلتے ہیں اگر بالشت بھر

قوم کو اپنے تنزل سے اُبھرنے کی اُمید
اہلِ علم و اہلِ دولت سے بہت کچھ تھی۔ مگر
اہلِ دولت کا ہے اِس عَالَم سے اِک عَالَم جُدا
عَالَمِ بالا سے بھی ہے جو کئی منزل اُدھر
جن دُعاؤں کی پہنچ ہے عَالَمِ بالا تلک
اُن دعاؤں کا نہیں ڈیوڑھی تلک اُنکے گذر
اب رہے عالم۔ سو اتنا سوفتا اُن کو کہاں
دین کا پھر کون ہے؟ دنیا میں وہ اُلجھیں اگر
کون جاکر چین میں پھر دین کی دعوت کرے
کون گمراہوں کی لے جاپان میں جاکر خبر
حُجّتِ حق کون لندن میں کرے جاکر تمام
کون برلن میں کرے تبلیغِ قرآن و خبر
کون ہے اُن کے سوا اسلام کے فرقوں کو جو
مِلکے آپس میں نہ ہونے دے کبھی شِیر و شکر
اُن کی غفلت کا وہ عَالَم۔ اِن کی فرصت کا یہ حال
ہو یہ بیڑا کیوں نہ پھر منجدھار میں زیر و زبر

ہیں یہی گر قوم کے ساتھ آج بے پروائیاں
تو یہ سن لو غافلو! کل ہیں کھڑی رسوائیاں

بندِ چہارم

پڑ رہی ہے چار سُو دوڑو بڑھو کی یہاں پکار

نیند کے ماتو! نہیں اب وقتِ غفلت ہوشیار
ہو رہی ہے عرصۂ آفاق میں قوموں کی دوڑ
بڑھ رہے پیادوں سے پیادے ہیں سواروں سے سوار
تھوڑی تھوڑی غفلتوں پر ہر رہی ہیں بازیاں
چال چوکا۔ اور ہوئی گردن پہ ہار آکر سوار
پولو اور گھڑ دوڑ کی سمجھو نہ ہار اس ہار کو
جو یہاں ہارا۔ ہوئی ذلت گلے کا اُس کے ہار
قوم جو اِس دوڑ میں ہاری۔ اُسے سمجھو کہ وہ
ہو گئی زور آزمائی کا حریفوں کی شکار
سایہ میں برگد کے جیسے جل کے رہجاتی ہے گھاس
زور مندوں میں یونہیں ہوتی ہے مٹی اُس کی خوار
حق ہے غالب کا کہ کچلے اور دلے مغلوب کو
ہے یہی مغلوب ہونے کا مآل انجام کار
کرتے آئے ہیں سب اپنی اپنی باری میں یہی
اور یہی جاری رہے گا دور۔ تا روزِ شمار
قوم کا درجہ سے گر جانا ہے اپنے۔ وہ گناہ
مرتکب جسکا نہیں بچتا سزا سے زینہار
یاد رکھو دوستو! سنت ہے یہ اللہ کی
جو نہ بدلی ہے۔ نہ بدلے گی اِلیٰ یَوْمِ الْقَرَار

جو بڑھے گا۔ حوصلہ اُس کا بڑھایا جائے گا
جو گرے گا اپنے درجہ سے۔ گرایا جائے گا

بند پنجم

ایسے کچھ بیٹھے ہیں فارغ یارسب کھولے کمر
جو مہم در پیش تھی۔ وہ کرچکے گویا کہ سر
قوم میں تعلیم پھیلانی تھی سو پھیلا چکے
ہوگیا وہ بیج جو بویا تھا۔ نخل بارور
پر جو سچ پوچھو تو ہم اب تک اُسی منزل میں ہیں
باندھ کر اُٹھے تھے جس منزل سے احرام سفر
روشنی تعلیم کی کچھ کچھ جو یہاں پاتے ہو تم
سب یہ جگنو کے سے چمکارے ہیں اے اہل نظر
ہے جہالت کا اندھیرا ہم پہ جو چھایا ہوا
اِس اندھیرے ہی میں آتے ہیں یہ سب جلوے نظر
سارے ہوجاتے ہیں چمکارے ابھی کافور یہ
اِس اندھیرے سے ذرا نکلو اُجالے میں اگر
ہم نے یہ مانا۔ کہ تھے ہم جو زمیں پکڑے ہوئے
اُس سے آگے کچھ قدم ہم نے بڑھایا ہے۔ مگر
دیکھنا یہ ہے کہ اوروں سے ہے کیا نسبت ہمیں
اور بڑھتے ہیں گز وں۔ بڑھتے ہیں ہم گرانچ بھر
جبکہ ٹھیری ہم میں اور اوروں میں یہ نسبت۔ تو ہم
اُتنے ہی یہاں گھٹ رہے ہیں۔ بڑھ رہے ہیں جسقدر

پست ہے ہمسر ہے جو اپنے۔ یہ سمجھا دو اُسے
خاک ہے وہ۔ گو کہ ہے پہنچا ہوا افلاک پر
اپنی پستی کے نشاں پاتے ہیں ہر منزل میں ہم
کیا تجارت۔ کیا صناعت۔ اور کیا علم و ہنر؟
کُھل رہے ہیں جو کلوں کے کارخانے ملک میں
جن کے مالک ہیں وطن کے اہلِ ہمت سربسر
جو کہ ہیں ملکی ترقی کے لیے اِک فالِ نیک
جن میں اُمیدیں ہیں مثلِ روزِ روشن جلوہ گر
قوم کا حصّہ نہ وہاں پاؤ گے تم اس کے سوا
دن چھپے قلیوں کی اک فوج آئیگی تم کو نظر
کون سا پستی کا درجہ اب رہا ہے اس کے بعد
یہ وہ پستی ہے کہ بس تحت الثریٰ ہے اسکے بعد

بندِ ششم

ہم نے مانا۔ ہے موافق جن سے دورِ ماہ و سال
بھاگواں ایسے بھی ہیں اس قوم میں۔ پر خال خال
چند جانیں بچ رہی تھیں جو کہ قومِ نوحؑ میں
ساتھ ملیَن میں ہے وہ اِن بھاگوانوں کی مثال
اُن کی کیا عزت ہے یارو! قوم ہے جنکی ذلیل
اُن کو کیا راحت ہے۔ جنکی قوم ہے سب خستہ حال

ہے وہ ایسا۔ غول میں قلیوں کے جیسے ایک سیٹ
ہے ہزاروں مفلسوں میں ایک اگر آسودہ حال
شال۔ گدڑی سے ہے وہاں سو مرتبہ بدتر۔ جہاں
ہوں ہزاروں گدڑیاں۔ اور ایک کے کندھے پہ شال
یاد رکھو۔ ہے بہت دامن فراخ اسلام کا
دی ہے بنیادِ اُخوت اُس نے کُل اُمت میں ڈال
ہیں اسی اُمت میں جو ڈھوتے ہیں دن بھر ٹوکری
ہیں اسی اُمت میں جو ہیں دھونکتے دن رات کھال
ہیں انہیں میں جن کے سپنے میں نہیں آیا سماں
جب سے آنکھ اُنکی کھلی۔ دیکھا ہے گھر میں اپنے کال
ہیں انہیں میں جو کہ بہرِ نفقۂ فرزند و زن
سامنے ایک اک کے پھیلاتے ہیں دستِ سوال
ان عزیزوں کی اُخوت سے جنہیں آتا ہو ننگ
نام لیں فہرست سے اسلام کی اپنا نکال
ورنہ ذلت سے نکالیں ان کو۔ اور یہ جان لیں
ان کی ذلت میں اُنہیں عزت سے رہنا ہے محال
گھر میں اپنے بیٹھ کر جو چاہے سو بن لے کوئی
غیر قوموں میں نہیں حاصل اُسے جز انفعال
کہتے ہیں غیر اسکو ہم جنسوں میں اُجلا دیکھ کر
"یہ وہی کوا ہے لیکن ہنس کی چلتا ہے چال"

وہ یہی خطرہ ہے جس کے ڈر سے جان اور مال سب

کر رہے ہیں اپنی اپنی قوم پر قربان سب

بندِ ہفتم

وہ گئے دن۔ جبکہ تھے مختارِ مطلق حکمراں
قسمتوں کی قبضۂ قدرت میں تھی اُنکے عناں
ہاتھ میں غسّال کے مردہ ہو بے بس جسطرح
تھے جہانبانوں کے ہاتھ میں یونہیں اہلِ جہاں
تھا رعیّت کا کوئی ہمدرد تو تھا بادشاہ
اور مصلح تھا کوئی اُس کا تو تھا خود حکمراں
تھی نہ اہلِ ملک کو قومی مقاصد سے غرض
تھا نہ قومیّت کا قوموں میں کہیں باقی نشاں
خواہشیں سب کی جدا۔ اغراض تھیں سب کی الگ
اپنے اپنے راگ تھے۔ اور اپنی اپنی ڈفلیاں
قوم اپنی حد سے آگے کوئی بڑھ سکتی نہ تھی
پیش قدمی سے رُکے کب کے کھڑے تھے کارواں
بند تھے ناکے ترقی کے۔ کہ آخر غیب سے
آیا اک سیلاب آزادی کا ریلا ناگہاں
جس نے سب روکیں ہٹا کر دیا میدان صاف
غار یا ٹیلا رہا باقی نہ کوئی درمیاں
ایک قانونِ مُسلّم کی اطاعت کے سوا

ہو گئے ہر قید سے آزاد سب خورد و کلاں
کر دیئے انصاف نے ہموار سب پست و بلند
آ گئے سب ایک لیول پر۔ قوی اور ناتواں
اب نہ قوموں کی ترقی میں ہے کوئی سدِ راہ
اور نہ قوموں کے مدارج میں تفاوت درمیاں
سلطنت نے سبکو دے رکھے ہیں حق ڈنڈی کے تول
وزن میں پلڑا نہیں کوئی سُبک۔ کوئی گراں
جن کو دعویٰ ہے کہ ہم بیٹے بڑے باپوں کے ہیں
اُن کو کرنے ہوں گے اب۔ جوہر اصالت کے عیاں
ورنہ لینے ہوں گے واپس اپنے سب دعوے انہیں
اور بھلانی ہوگی سب دل سے بڑوں کی داستاں
وہ گئے دن۔ جبکہ کر دیتے تھے چھوٹوں کو بڑا
اِنقلاباتِ جہاں۔ یا اتفاقاتِ زماں
اب بڑائی کا ہے استحقاق پر سارا مدار
ہوگا جو "کرار"۔ اُسی کو مرحمت ہوگا نشاں
قسمتوں کی آزمائش کا زمانہ ہو چکا
ہے بس اب یہاں ہمتوں اور غیرتوں کا امتحاں
ہے تمہاری۔ اب تمہارے ہاتھ موت اور زندگی
ہو تمہیں اپنے مسیحا۔ اور تمہیں ہو جانستاں
یا کرو کوشش۔ کہ مردہ قوم میں پڑ جائے جان
اور دکھا دو خلق کو۔ اِس راکھ سے اُٹھتا دھواں

یا - رہو دُنیا میں بھنگوں اور پشّوں کیطرح
جن کا ہے دُنیا میں ہونا اور نہ ہونا ایکساں

قوم گنتی میں ہو گو مور و ملخ سے بھی سِوا
مرگئے جب قوم کے دل - قوم میں پھر کیا رہا؟

فلسفۂ ترقی

یہ اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ نظم جسمیں ترقی کے اسباب اور تنزل کے بواعث پر کمال خوبی اور عمدگی کے ساتھ بحث کیگئی ہے۔ مولانا نے ۱۳؍ دسمبر ۱۹۰۳ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سترھویں اجلاس میں جو مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا بمقام بمبئی خود پڑھ کر سنائی تھی۔ حسب امید اس نظم کا حاضرین کانفرنس پر بہت اثر پڑا اور صوبہ بمبئی نے جس ذوق و شوق کیساتھ مولانا کو کانفرنس کی شرکت کے لیے دعوت دی تھی اُس کی پوری داد ملی (اسماعیل)

بندِ اوّل

اے عزیزو! تم بھی ہو آخر بنی نوعِ بشر
غل ہے کیا نوعِ بشر میں کچھ تمہیں بھی ہے خبر؟
کر رہا ہے خاک کا پُتلا وہ جوہر آشکار
ہو رہی ہے جس سے شانِ کبریائی جلوہ گر
رفتہ رفتہ یہ غبارِ ناتواں پہنچا ہے وہاں
طائرِ وہم و تصوّر کے جہاں جلتے ہیں پر
اُس نے اِن کمزور ہاتھوں سے مسخر کر لیا
ابر و برق و باد سے تا بحر و بر و دشت و در

حق نے آدمؑ کو خلافت اپنی جو کی تھی عطا
دے رہے ہیں اُس خلافت پر گواہی بحر و بر
تھا ارسطو اور فلاطوں کو بہت کچھ فن پہ ناز
ہو گئے تقویم پارینہ وہ سب علم و ہنر
کل کی تحقیقات نظروں سے اُتر جاتی ہے آج
بڑھ رہا ہے دمبدم یوں آجکل علم بشر
قوتِ ایجاد نے اب یہاں تلک پکڑا ہے زور
شام کی ایجاد ہو جاتی ہے باسی تا سحر
ساز و ساماں جو نہ تھے کل بادشاہوں کو نصیب
کوڑیوں کے مول بکتے پھرتے ہیں وہ دربدر
کہتے ہیں مغرب سے جب ہوگا برآمد آفتاب
عرصۂ آفاق میں ہوگی قیامت جلوہ گر
دوستو! شاید وہ نازک وقت آ پہنچا قریب
آ رہی ہے روشنی مغرب سے اک اُٹھتی نظر
رَو ترقی کی چلی آتی ہے موجیں مارتی
اگلے وقتوں کے نشاں کرتی ہوئی زیر و زبر
دستکاری کو مٹاتی۔ صنعتوں کو روندتی
علم و حکمت کی پرانی بستیاں کرتی کھنڈر
ہوشیاروں کو کرشمے اپنے دکھلاتی ہوئی
غافلوں کو موت کا پیغام پہنچاتی ہوئی

بند دوم

ہند میں بھی یارو! آپہنچا ہے اس رَو کا قدم
جو ہیں ناقابل۔ اب اُنکا کُھلنے والا ہے بھرم
ہے ترقی۔ پر تنزل بھی ہے اس کے ساتھ ساتھ
یہ کسی کے حق میں امرت ہے۔ کسی کے حق میں سم
پست کو بالا یہ کر دیتی ہے اور بالا کو پست
کر دیا زیر و زبر اس نے۔ جہاں رکھا قدم
گُل کھلایا اِس نے جو اقصائے مشرق میں ابھی
اُس کے لکھتے وقت ہاتھوں میں لرزتے ہیں قلم
چین۔ جو وسعت میں کم اک برِاعظم سے نہ تھا
اِک جزیرہ کی لپٹ نے کر دیا اُسکو بھسم
دیکھنا پیچھے نہ ہم چشموں سے رہجانا کہیں
حق میں ہمسایہ کے ہمسایہ کا بڑھنا ہے ستم
جانتے ہوئے عزیزو! ہے تنزل چیز کیا؟
"اُس پہ کر لینا قناعت۔ مل گیا جو بیش و کم"
گو کہ ہے افراد کے حق میں یہ خصلت کیمیا
حق میں لیکن قوم کے یارو یہی خصلت ہے ستم
تن پہ تھا فاروقِ اعظم کے پھٹا کُرتا۔ مگر
قوم کی خاطر بھری نیت نہ لے کر ملکِ جم

جیتے ہیں وہ دنیا میں کیڑے مکوڑوں کی طرح
جن کو بڑھنے کی تمنا اور نہ کچھ گھٹنے کا غم
جس طرح موری کا کیڑا خوش ہے اپنے حال میں
گذرے جو حالت اسی میں بس مگن رہتے ہیں ہم
پر زمانہ کہہ رہا ہے یہ - بہ آوازِ بلند
یا قدم آگے بڑھاؤ - ورنہ لو راہِ عدم
بے ترقی ملک میں جینا ہے دشوار آج کل
وحشیوں کی موت ہے شائستہ قوموں کا عمل

بند سوم

ہو نہ ہمدردی کا عنصر قوم میں یارو جہاں
وہاں ترقی کے لیے سب کوششیں ہیں رائگاں
راس بیڑے کو ترقی کے نہیں کوئی ہوا
جوشِ ہمدردی سے ہوتا ہے جہاز اسکا رواں
قوم تھی یوناں کی دنیا میں ایک محدود قوم
ہوگئی حبِ وطن سے فخرِ اقوامِ جہاں
ایک کو کچھ ایک کی پروا نہ ہو جب قوم میں
ہے حماقت - قوم کی کثرت پہ ہونا شادماں
قوم کس گنتی میں ہے وہ - دل ہوں جسکے ملے
گو کہ وہ کثرت سے اپنی گھیر لے سارا جہاں

ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہوں جنکے دل وہ قوم کیا؟
ہے وہ اک مقتل۔ لہو روتا ہے جس پر آسماں
یاد رکھو! پڑگئی جس ملک یا ملت میں پھوٹ
ہیں وہ اس مہماں سرا میں کوئی دن کے میہماں
غزنوی۔ غوری۔ مغل۔ سادات۔ لودی اور غلام
رہ گئے نوبت بہ نوبت ہند پر جو حکمراں
دن برے جب آئے اور باہم لگے سر پھوڑنے
صفحۂ ہستی سے ان کا مٹ گیا نام و نشاں
دین[1] کہتے ہیں جسے۔ وہ خیر خواہی کا ہے نام
ہے مسلمانو! یہ ارشادِ رسولِ انس و جاں
ہیں نمازیں اور روزے اور حج بیکار سب
سوزِ امت کی نہ چنگاری ہو گر دل میں نہاں
جس کا تم بھرتے ہو کلمہ جس پہ پڑھتے ہو درود
نام پر جس کے عزیزو! تم فدا کرتے ہو جاں
جیتے جی امت کی تو۔ دل کو رہی اسکے لگی
وقتِ آخر امت امت اس کے تھا وردِ زباں
بھائی بھائی ہوگئے ہو دین کی برکت سے تم
ہے غضب گر بھائیوں پر ہوں نہ بھائی مہرباں
کھول[2] کر دیکھو کتاب اللہ کی۔ کہتی ہے کیا؟
"کلمہ پڑھ لینے سے کچھ حاصل نہیں بے امتحاں"

دین کا دعوی اور امت کی خبر لیتے نہیں

[1] آنحضرت صلعم کی حدیث ہے کہ الدین النصیحۃ ۱۲

[2] اس شعر میں آیۂ ذیل کی طرف اشارہ ہے احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون ۱۲

چاہتے ہو تم سند - اور امتحاں دیتے نہیں

بند چہارم

اُن سے کہدو - ہے مسلمانی کا جن کو اِدّعا
قوم کی خدمت میں ہے پوشیدہ بھید اسلام کا
وہ یہی خدمت یہی منصب ہے جس کے واسطے
آتے ہیں دنیا میں سب نوبت بہ نوبت انبیاء
قوم کی خدمت میں کردیں اپنی جب عمریں تمام
تب فرائض سے نبوّت کے ہوئے عہدہ برآ
وہ رسولِ ہاشمیؐ وہ رحمت اللعالمینؐ
پیروی کا جس کی دم بھرتے ہو تم صبح و مسا
جانتے ہو - قوم سے تھا اپنی کیا اُس کا سلوک؟
اُس طرف سے تھی جفا - اور اِس طرف سے تھی دُعا
کونسی تکلیف تھی جو قوم نے اُس کو نہ دی
پر کبھی چاہا نہ اُس نے - قوم کا اپنی بُرا
جب اُحد میں ہو گیا دندانِ پاک اُسکا شہید
قوم کے حق میں نہ نکلا منہ سے کچھ اس کے سوا
"کر ہدایت[1] قوم کو یا رب! کہ ہیں معذور یہ"
"اِن کی عقلوں پر ہے پردہ جہل و غفلت کا پڑا!"

[1] آنحضرت صلعم کے الفاظ یہ تھے اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْن ۱۲

قوم کے حملے رہے جبتک کہ اُس کی ذات پر
خندہ پیشانی سے سب اُن کے سہے جور و جفا
پر لگی جب قوم سب مل کر مٹانے نامِ حق
اور خدا کا پوجنا بندوں کو مشکل ہو گیا
غیرتِ حق نے نہ دی پھر مہلت صبر و شکیب
دین کی آخر حمایت پر کھڑا ہونا پڑا
لشکرِ حق سے مگر جب ہو گئی مغلوب قوم
پھر وہی شفقت۔ وہی رحمت۔ وہی احسان تھا
تھی یہی وہ قوم جس کے حق میں فرماتے تھے آپؐ
"ہے عرب کی دوستی جزِ دین اور ایمان کا"[۵۱]
تھی یہی وہ قوم۔ تھا جس کے لیے ارشاد یہ
"قوم کا خادم ہے آقا سب کا بے چون و چرا"[۵۲]
قوم کے خادم رہے اور دوست جب تک اہلِ دیں
دین اور دنیا میں بول اسلام کا بالا رہا
پر دیے۔ خود غرضیوں نے جبکہ دل اک اک کے پھاڑ
حکم جو مالک کا تھا بندوں کو وہ پورا ہوا

حکم تھا اُس کا کہ جھگڑوں سے رہو تم برکنار
ورنہ کھو بیٹھو گے سب اپنا وقار اور اعتبار

۵۱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حُبُّ الْعَرَبِ مِنَ الْاِیْمَانِ ۱۲
۵۲ فرمانِ نبوی ہے کہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ ۱۲

بندِ پنجم

سچ کسی دانا نے تھا قوم سے اپنی کہا
"جو کہ حامی قوم کے ہیں اُنکا حامی ہے خدا"
دیکھ لو! ممتاز دنیا میں وہی قومیں ہیں آج
قوم پر قرباں ہے جنکا ہر اک چھوٹا بڑا
یہاں تلک پھیلا ہے اب قوموں میں قومیت کا درد
اپنے ایک اک فرد پر قوموں کی جانیں ہیں فِدا
ملک سارا چھین کر بھی اُن کو چین آتا نہیں
اپنے اِک مقتول کا جب مانگتے ہیں خوں بہا
اختلافِ دین و مذہب۔ گھُل رہا تھا جسمیں زہر
جس نے ملکوں میں دیے تھے خون کے دریا بہا
دمبدم وہ اختلاف اب بن رہا ہے اتفاق
زہر میں ہونے کو ہے پیدا اثر تریاق کا
کر رہا ہے جوشِ ہمدردی کی صورتمیں ظہور
وہ تعصب جس نے باپوں سے کیے بیٹے جُدا
دیتے ہیں وہ۔ اپنے ذاتی فائدوں پر خاک ڈال
اپنے جب نقصان میں ہو قوم کا اُن کی بھلا
وہ ہملٹن کی جوانمردی سنی ہوگی۔ کہ جب
ہوگئی فرخ سیر کو ہاتھ سے اُس کے شِفا

قوم پر قرباں کر دیں اپنی اُمیدیں تمام
آپ کچھ لینا نہ چاہا اپنی خدمت کا صلا
ہے اُسی حُبِّ وطن کا اُس کے یہ سارا ظہور
ہند پر ہے آج جو "برطانیہ" فرمانروا
ایک ماماں جس کو دس ملتے ہیں ہفتہ میں شلنگ
جس کے کنبے کا سب اِس تنخواہ پر ہے آسرا
جا کے دے آتی ہے خوش خوش ایک ہفتہ کی طلب
قوم کی خاطر کہیں سنتی ہے جب چندہ کھلا
ہے غرض چندہ کی کیا؟ اِس سے نہیں کچھ اُسکو کام
قوم کا نام آیا اور قابو سے دل باہر ہوا
حق کو ہونا ہے جنہیں دنیا میں کرنا سربلند
خصلتیں یہ برگزیدہ اُن کو ہوتی ہیں عطا
اُن کے مفلس، قوم کیخاطر وہ کر جاتے ہیں کام
پست قوموں میں نہیں کر سکتے جو کام اغنیا
ہے انہیں ہمدردیوں کا اُنکی یہ ثمرہ کہ آج
اِس کرہ کے گرد ہیں وہ چھائی ہوئی مثل ہوا

لوہا مقناطیس کی جانب ہے کھنچتا جس طرح
اُس طرف کھنچتی چلی جاتی ہے دنیا اس طرح

بند ششم

ہے یہ قوموں کی ترقی اور تنزل سے عیاں

خود تنزل میں ہے سرچشمہ ترقی کا نہاں
ایک کا ہے جو تنزل۔ دوسرے کا ہے عروج
اس کا بکتا ہے مکاں۔ تب اُسکی چلتی ہے دوکاں
کوئی یہاں بنتا نہیں۔ جبتک نہ بگڑے دوسرا
گھانس کھد جاتی ہے جب۔ پڑتی ہے تب کھیتی میں جاں
ہوتے ہوتے خشک۔ جب دریا میں خاک اُڑنے لگی
تب ہوئے نہروں سے جنگل غیرتِ باغِ جناں
چہچہے مُرغِ چمن کو تب ہوئے جا کر نصیب
کر چکا کیڑے مکوڑے جب ہزاروں نوشِ جاں
جان لو۔ قسمت کسی کی جاگنے والی ہے اب
جب سنو یارو! بگڑتا کوئی گھر یا خانداں
آسماں سے بن کے خوان آتا نہیں اقبال کا
ہے وہی اک چیز۔ کل مہماں یہاں تھی۔ آج وہاں
میزباں کی دیکھتی ہے آنکھ جب بدلی ہوئی
وہاں سے اُٹھ کر دوسرا جا ڈھونڈتی ہے میزباں
جانے والا ہے مقرر اُن کا گھر۔ غیروں کے پاس
جو کمر باندھے ہوئے بیٹھے ہیں گھر کھونے پہ یہاں
قصر و ایواں ہوں مبارک تم کو اے محنت کشو
عیش کے بندے بہت ہونیکو ہیں بے خانماں
یاد رکھو! ہوں گے اب حقدار۔ اُن کے جانشین
ہاتھ سے حق کھو دیے اپنے جنھوں نے رائگاں

بن گئے مزدور اور کمیرے اُن کے اب قائم مقام
پھرتے ہیں بیکار جن کے کودک و پیر و جواں
اے مسلمانو! فلک کی گردشوں سے غافلو!
تم کو رخصت ہے۔ لٹا وقت و دولت رائگاں
دیکھو جب غیروں کو تم بڑھتا۔ کرو اپنے پہ ناز
ہیں تمہارے عیش و غفلت کی یہ سب فیاضیاں
مت کرو شکوہ مشیت کا۔ خدا ظالم نہیں
بلکہ ظالم ہیں تمہاری اپنی بد اعمالیاں
ہے یہ قانون الٰہی جو کبھی ٹلتا نہیں
گو جگہ سے اپنی ٹل جائیں زمین و آسماں
چھٹتی جائیں گی وہ قومیں جو بگڑتی جائیں گی
ٹہنیاں جو سوکھتی جائیں گی جھڑتی جائیں گی

مسٹر آرنلڈ
کی
روانگی ولایت

یہ ترکیب بند ۲۵ فروری سنہ ۱۹۰۴ء کو مسٹر آرنلڈ پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ کی رخصت کے وقت جبکہ وہ ہندوستان سے قطع تعلق کر کے مع اہل وعیال انگلستان جانے والے تھے۔ علیگڈھ میں بمقام سٹریچی ہال خود مولانا نے پڑھا تھا (اسمٰعیل)

بندِ اوّل

دوست ۔ اور پھر دوست بھی سچا ۔ عجب نعمت ہے یہاں
ہو نہیں سکتا بدل اک دوست کا سارا جہاں
دوست کو دنیا میں سمجھو اِک درختِ باردار
پھول جسکے خوشنما ۔ اور پھل غذائے جسم وجاں
جس کے شاخ وبرگ گوناگوں فوائد سے بھرے
جس کا سایہ راہرو کے حق میں اک دارالاماں
دوست کے ملنے میں ہے جو لطف ۔ ظاہر ہے ۔ مگر
ہے بچھڑنے میں بھی اُس کے ۔ اِک عجب لذت نہاں
ہجر میں جیتے ہیں اُس کے وصل کی اُمید پر
اِس لیے مہجور بھی رہتے ہیں اُس کے شادماں

آنکھ سے اوجھل نہیں ہوتا کبھی اُسکا خیال
دوستوں کے سامنے ہے وہ۔ رہے جاکر جہاں
اُس کی رخصت سے قلق ہوتا ہے گو دل کو۔ مگر
یاد رہتا ہے سدا۔ وہ وقتِ رخصت کا سماں
چُپ کھڑا ہے کوئی ۔ بڑھکر گلے ملتا کوئی
ایک کا اُمڈا ہے دل۔ ہے ایک کے آنسو رواں
ہے یہ گو غم کا سماں۔ لیکن مبارک ہے وہ غم
جس سے ظاہر ہوں محبت اور صداقت کے نشاں

جسم سے انساں کے ۔ ہو جان رخصت جس طرح
ملکے پردیسی سے چلے پردیسیوں سے اسطرح

بند دوم

آج ہم اُس دوست سے افسوس۔ ہوتے ہیں جدا
دوستی پر جس کی ہم کو۔ فخر کرنا ہے بجا
قوم کا ایک اینگلو سکسن ۔ یہ دل سے خیر خواہ
ہند کی ایک خستہ۔ درماندہ۔ شکستہ قوم کا
دین کا پکا مسیحی ۔ پر مسلمانوں کا دوست
جس نے ہم کو وہ زمانہ یاد پھر دلوا دیا
جبکہ ہم کو دی گئی تھی یہ خبر قرآن میں
"پاؤ گے عیسائیوں کو دوست تم سب سے سوا"[1]

[1] ذٰلک بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لا یستکبرون
مودۃ للذین اٰمنوا الذین قالوا انا نصٰرٰی [مائدہ ۵/۸۲]

دین جس کا غیر اور بیگانہ جس کی نسل و قوم
گھر سمندر پار جسکا۔ اور زباں ناآشنا
خیر خواہی میں ہماری اُس نے سب ایکبارگی
تفرقے یہ عارضی دل سے دیے اپنے مٹا
جس قدر یہاں پیش آئیں ہم کو قومی مشکلات
حاضر و غائب ہمارا اُن میں ساتھ اُس نے دیا
کر دکھایا اُس نے وہ۔ جو حکم تھا انجیل میں
"تم پرائوں کا بھی اپنوں کی طرح چاہو بھلا"
ہے جدائی شاق اُس کی۔ پر نہیں جب اختیار
ہے وہی مرضی ہماری جو کہ ہے اُس کی رضا
ٹھان لی ہے اُس نے گو ہم سے جدائی کی۔ مگر
ہم تو جب جانیں۔ ہمارے دل سے ہو جائے جدا
قصہ کوتاہ ہم سے اب چھٹتا ہے پیارا آرنل
فخر سے ہم جس کو کہتے تھے "ہمارا آرنل"

بند سوم

کہتے ہیں دوری میں ہو جاتی ہے اکثر یاد کم
پر کریں گے اُس کو دوری میں زیادہ یاد ہم
ہند میں رہتی تھی اکثر اُس کے ملنے کی اُمید
اِس لیے اُس کی جدائی کا بتا رہنا تھا غم

پر نظاہر ہے اب اُس کی یاد ہی اُس کا بدل
اِس لیے یہ پھانس اب کھٹکا کریگی دمبدم
ایسے غمخواروں کو کوئی کسطرح دل سے بھلائے
آکے جو پردیس میں کھاتے ہیں بیگانوں کا غم
زندگی ہے جب تلک باقی۔ نہ بھولیں گے کبھی
آرنل کے۔ مارسن کے۔ بک کے احسانات ہم
مرحلے دشوار جو یہاں ہم کو پیش آتے رہے
وہ رہے ہمدم ہمارے ہر جگہ اور ہمقدم
جن جوانمردوں کے یہ برتاؤ ہوں غیروں کے ساتھ
کیوں نہ ہو قوم اُن کی عالَم کی نظر میں محترم
ہندیوں سے یہ ہیں گر اخلاق انگلش قوم کے
تو یہ سمجھو بک گئے ہاتھ اُنکے ہندی بے درم
جس عَلَم کی ہے دلوں میں خلق کے بوڑی گڑی
تا قیامت سرنگوں وہ ہو نہیں سکتا عَلَم
ہے محبت ہی کہ وحشی جس سے ہو جاتے ہیں رام
جس کے آگے گردنیں ٹیڑھوں کی ہو جاتی ہیں خم
جو ہے ناسوروں کو بھر دیتا وہ مرہم ہے یہی
جس سے جن تسخیر ہوتے تھے وہ خاتم ہے یہی

بند چہارم

ہے محبت کی کہانی میں بھی کیا دل بستگی

ختم پھر ہوتی نہیں یہ داستاں جب چھڑ گئی
آرنلڈ کی مہر و الفت کے بیاں نے یکقلم
یاد سے عظمت بھلا دی اُس کے علم و فضل کی
ذکر اُس کا ہو۔ نہ جس میں علم کا اُس کے بیاں
حدِ ناقص ہے۔ نہ قیدِ فصل ہو جسمیں لگی
علم میں جو اُس کا درجہ ہے وہ ہو کیونکر بیاں
منہ سے چھوٹا نی المثل۔ اور بات ہے یار و بڑی
کارنامہ اُس کا ہے جو "دعوتِ اسلام" پر
اُس کے علم و فضل پر بُرہان کافی ہے یہی
مشرق و مغرب میں صدیوں تک رہیگی یادگار
اُس نے جو تاریخ پر ڈالی ہے آکر روشنی
دعوتِ اسلام پر مدت سے تھا چھایا ہوا
اک اندھیرا جسمیں تھی ظلمت پہ ظلمت پڑ رہی
ہو رہے تھے سب مسیحی بدگماں اسلام سے
جبر پر سمجھے ہوئے تھے جو بنا ر اسلام کی
دونوں فرقوں کے دلوںمیں تھا بڑھا یہانتک غبار
ہوگئی تھی بیچ میں دیوار اک گویا کھڑی
اک مدت تک رہا تاریخ پر پردہ پڑا
شاہدِ حق نے نہ جلوہ اپنا دکھلایا کبھی
سب سے پہلے خود مسلمانوں کو لازم تھا کہ وہ
جبر کے الزام سے اسلام کو کرتے بری

پھر مناسب تھا مسیحی کرتے اس کی چھان بین
نکلی کوشش سے ہیں جن کی غلطیاں اکثر دبی
پر نہ کوئی کر سکا سر یہ مہم جز آرنلڈ
نام پر گویا اسی کے فتح تھی اُس کی لکھی
اُس نے جو لکھا۔ اُسے منوا دیا بے چون وچند
مذہب اور تاریخ دونو اُس کے ہیں احسانمند

بند پنجم

توڑنے والی تھی یہ تصنیف ہمت کی کمر
کامیابی غیر ممکن اس میں آتی تھی نظر
تھی مصنف کو ضرورت اس میں جس سامان کی
جستجو میں اُس کی طے کرنے تھے اس کو بحر و بر
مشکلوں کا تھا اُسے ہر ہر قدم پر سامنا
ایک مشکل سے تھی مشکل دوسری دشوار تر
ڈھونڈنے تھے اس کو شرق اور غرب کے وہ واقعات
جن سے تھی تاریخ ساکت۔ اور مورخ بے خبر
قافلہ کا کھوج وہاں اُسکو لگانا تھا جہاں
نقشِ پا تھے اور نہ آوازِ درا تھی راہبر
ہو رہا ہے نظم میں اِن مشکلوں کا جو بیاں
بے سرو پا سمجھیں ایسا ہی اُسے اہلِ نظر

جیسے ایک گونگا اشاروں میں کرے آ کر بیاں
سامنے اہلِ وطن کے اپنی رودادِ سفر
جز مصنف کوئی درد اس کا سمجھ سکتا نہیں
جھیلتے ہیں جو یہ کڑیاں۔ بس انہیں کو ہے خبر
آرنل کا مذہبی دنیا پہ جو احسان ہے
ہو نہیں سکتا ادا شکر اس کا ۔ قصّہ مختصر!
اب دعا یہ ہے کہ پردیسی مسافر خیر سے
برکتوں کے سایہ ہی سایہ میں سب جا پہنچیں وطن گھر
آرنل۔ مس آرنل۔ مسز آرنل سب کے لیے
یہ سفر فتح و ظفر کا ہو وسیلہ سربسر
آرنل سے فتحِ علمی جو ہوئی ہے آشکار
ہوں فتوحات آشکار اس سے ایسے بے شمار

انجمن حمایت اسلام لاہور
اور اُس کے کام

یہ نظم اپریل ۱۹۲۲ء میں "انجمن حمایت اسلام لاہور" کے سالانہ جلسہ میں پڑھی گئی

بند اوّل

دے خدا برکت جماعت میں تری اے انجمن
کر دیا تو نے نیا اسلام کا عہدِ کہن
جس طرح اسلام کی دُنیا دغربت میں پڑی
تو نے بھی غربت میں جھیلے مدتوں رنج و محن
جیسے گذرے سخت پہلے چند سال اسلام پر
ایسی ہی گذری ہیں پہلی منزلیں تیری کٹھن
اول اول جیسے یاور تھے قلیل اسلام کے
تیرے یاور بھی یونہیں تھے ابتدا میں چند تن
بدگماں اسلام سے جیسے رہے اول قریش
تیری نسبت بھی بہت کچھ تھے دلوں میں سُوءِ ظن
سلطنت پر یا رئیسوں پر۔ نہ تھا تکیہ تجھے
جز خدا کوئی نہ تھا سر پر ترے سایہ فگن
تیری کوشش کی تھی بارانی زراعت کی مثال
ہو جیسے ہر دم لگی تائید غیبی کی لگن

باغبانوں کے پسینے کے سوا رکھتا نہ تھا
آبیاری کا کہیں سے آسرا تیرا چمن
پر۔ رہا دل تیرا ایسا اپنی ہمت سے قوی
گویا لشکر تھا خدا کا تیرے ساتھ اے انجمن
فتح پائی تو نے آخر اپنے استقلال سے
بج گیا ڈنکا ترا کابل سے لے کر تا دکن
سانچ کو جب تک نہیں اے انجمن دنیا میں آنچ
تیری پشتی پر رہے تائید ربِّ ذوالمنن
تجھ سے اُمیدیں ہیں وابستہ بہت احباب کی
قوم کی دایہ ہے تو۔ اور ماں ہے تو پنجاب کی

بند دوم

تو نے لی جب وقت لاوارث یتیموں کی خبر
قوم میں کوئی شفیق اُن کا نہ آتا تھا نظر
کہہ رہی تھی بیکسی اُن کی۔ زبانِ حال سے
"دین پر تھی اپنے جو نازاں وہ اُمّت ہے کدھر؟
ہو رہی ہے پود کب سے پائمال اسلام کی
اور کوئی کلمہ گو لیتا نہیں اُس کی خبر
بھائیوں کے دل پہ اُس سے مَیل تک آتا نہیں
جو مصیبت دیکھ کر غیروں کا جی آتا ہے بھر

کر رہے ہیں قحط کے دورے قیامت آشکار
چھٹ رہی ہیں بیٹیاں ماؤں سے۔ باپوں سے پسر
ڈالتی ہیں کھیتوں پر ٹڈیاں جس طرح لوٹ
قحط سالی میں یونہیں پڑتی ہے لوٹ اسلام پر
ناج آٹے کے عوض بکتا ہے یوں دینِ مبیں
جس طرح بکتی ہے بازاروں میں جنس کس مخر
سب سے پہلے بیکسوں کی یہ صدا تو نے سنی
دل گیا تیرا لرز۔ ان کی تباہی دیکھ کر
تھا قساوت کا مسلمانوں پہ جو دھبا۔ اسے
تو نے دھویا۔ دھل سکا ہاتھوں سے تیرے جس قدر
پر یہ دھبا قوم کے دامن سے چھٹ سکتا نہیں
ہاتھ بٹوایا نہ مل کر قوم نے تیرا اگر
تک رہے ہیں تیری جانب قوم کے لاکھوں یتیم
دور سے سن کر ترے "دار الیتامیٰ" کی خبر
ایک انار اور اسکو تکتے سینکڑوں بیمار ہیں
لے گی کس کس کی خبر تو۔ قوم غافل ہے اگر
پائیں گے ڈھونڈے نہ پھر اسلام کی دنیا میں یہ
قحط کے دورے گئے دو چار اگر ان پر گذر
ہو گئے خالی ہزاروں گھر۔ جو تھے اسلام سے
گونجتی رہتی تھیں تکبیریں جہاں شام و سحر
قوم کو پروا نہیں ان کی تو سن اے انجمن

بے پدران لاوارثوں کا ملجا و ماویٰ نشیمن

بند سوم

پرورش میں اُنکی جاں کھپاتے ہیں جہاں
اُن کو شفقت سے کھلاتے اور پہناتے ہیں جہاں
عادتیں دیتے ہیں سب اُنکی جہاں جاتے ہیں ڈھال
جانور سے آدمی اُن کو بناتے ہیں جہاں
رکھتے ہیں ماں باپ سے بڑھکر جہاں اُنکا خیال
لاڈلوں کی طرح ناز اُن کے اُٹھاتے ہیں جہاں
کرتے ہیں لائق انہیں دنیا میں رہنے کے لیے
صنعت و علم و ہنر اُن کو سکھاتے ہیں جہاں
مینہ برستا ہے جہاں دولت کا اُنکے واسطے
رات دن امداد کے پیغام آتے ہیں جہاں
شیر خواروں کو جہاں رکھتے ہیں ماؤں کیطرح
نرم نرم اُن کو بچھونوں پر سلاتے ہیں جہاں
اُن کی خدمت کے لیے - اُن کی حفاظت کیلئے
مانیاں - انائیں - مامائیں - بلاتے ہیں جہاں
اُن کو جھولوں میں جھلاتے ہیں جہاں شام و سحر
مثل فرزندوں کے اُن کو رکھ دکھاتے ہیں جہاں
قوم میں پرسش نہیں اُنکی تو وہاں پہنچیں گے وہ

پتلیوں پر اُن کو آنکھوں کی بٹھاتے ہیں جہاں
اب کہو حقدار اُن کا ہے یتیم یا انجمن
سال بھر میں تین دن بے دیکھے آتے ہیں جہاں
جبکہ آ کر انجمن کی سنتے ہیں روداد ہم
پھر کبھی کرتے نہیں بھولے سے اسکو یاد ہم

بند چہارم

اِس سے بڑھ کر ہوگی کیا اے قوم عبرت کیجگہ؟
ہو یتیم۔ اسلام کے پودوں کی خدمت کیجگہ
دل نہ اپنوں کا پسیجے۔ اور کڑھے غیروں کا جی
ہے مسلمانو! یہ غیرت اور حمیت کی جگہ
کیا قیامت ہے کہ حامی جن کے بیکانے بنیں
وہ نہ پائیں قوم میں اپنی حمایت کی جگہ
کیا غضب ہے۔ غیر آسائش کے ہوں جنکے کفیل
اُن کو اپنوں میں ملے ڈھونڈی نہ راحت کیجگہ
ہمسری غیروں کی گر دولت میں کر سکتے نہیں
دین کی غیرت تو تم رکھتے ہو دولت کی جگہ
بیکسوں کا دین بھی جس سے بچے اور جان بھی
اِس سے بڑھ کر کونسی ہوگی اعانت کیجگہ؟
اِدّعا ہے تم کو اسلامی حمیت کا اگر

اس سے بڑھ کر کونسی ہوگی حمیت کیجگہ؟
اپنے بچوں کو مشن میں دیکھیں اور ہم رہ جائیں
کون سی اس سے زیادہ ہوگی ذلت کیجگہ؟
اب سوا اس کے کہ ہم اپنے پہ خود نفریں کریں
رہ گئی ہے کونسی باقی ملامت کی جگہ؟
قحط نے یارو! لیا ہے دیکھ گھر اسلام کا
گھر کو رکھنا ہے اگر؟ تو ہے یہ بندا ہمت کیجگہ

لوٹ سے قحطوں کی کچھ دن اور اگر غفلت رہی
گود خالی ایک دن ہو جائے گی اسلام کی

بند پنجم

وہ گیا دورہ کہ تھے خلقت کے جتنے کاروبار
سب کا سلطانی اعانت پر تھا بس دار و مدار
راج کے ذمہ تھی پرجا کی ہر ایک بہبود و سود
آدمی اپنے فرائض کے نہ تھے خود ذمہ دار
اب زمانہ وہ ہے جس میں جز نظام مملکت
راج کے ذمے نہیں پرجا کا کوئی بوجھ بار
کر رہی ہیں اپنے اپنے بل پہ اب قومیں وہ کام
جو نہیں کر سکتے شاہنشاہ و شاہ و شہریار
پڑ رہا ہے آج دنیا میں یہی غل چار سو

تو دو خبر قوم کی - گر قوم کے ہو شرمسار
دین کو اگر درد ہے تم کو - تو دو اُس کو فروغ
اور کرو ہر نیک و بد پر حجت حق آشکار
بھیجو دین کی درسگاہیں ملک میں قائم کرو
بھائیوں کی گر جہالت دل پہ گذرے ناگوار
دیکھ کر حالت یتیموں کی - اگر کڑھتا ہے جی
مال و دولت مل کے سب اُن پر کرو یارو نثار
انجمن کو سمجھو اپنے حق میں ایک انعام حق
کر رہی ہے جو ادا - قومی فرائض بیشمار
انجمن کوشش کی چاہے کہ ہے ہر دم فروغ
دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں اُسکے کاروبار
ہے تمنا یہ - ترقی اُس کی روز افزوں رہے
اس ترقی سے مگر رہنا عزیزو! ہوشیار
ہو رہی ہے جو عمارت دمبدم یارو بلند
اُس کو خطرہ ہے - اگر بنیاد ہے نا استوار

اس سے کیا حاصل کہ تم نے جوت لی میلوں زمیں
آب پاشی کی بھی کچھ تدبیر کی ہے یا نہیں؟

بند ششم

اب نہیں وہ دن کہ کھو کر مال و دولت رائگاں
چند نااہلوں میں ہوں مشہور فیاض زماں

نام روشن باپ دادا کا کریں لے لے کے قرض
بیچ بیچ اسلاف کا ترکہ ۔ رچائیں شادیاں
ایک سونڈن یا کہ بسم اللہ کی تقریب میں
ہوں بہت ممنون ۔ گر رکھ لے کوئی گروی مکاں
لیں نہ کچھ اسکی خبر ۔ مفلس کوئی بھائی ہو گر
پر ہوں دستر خوان پر دس بیس حاضر میہماں
در سے خالی ہاتھ کوئی مانگنے والا نہ جائے
گو کہ فاقہ سے ہوں ہمسایہ کے بچے نیم جاں
ساری یہ فیاضیاں نبھ سکتی تھیں بار وجھی
قوم کے سر پر نہ تھا جب قوم کا بارِ گراں
اب عزیزو! جز رسی اور کفایت کا ہے وقت
ہے تمہارا میہماں ۔ لوٹا ہوا اِک کارواں
آجکل ہے بس یونہیں امداد کی محتاج قوم
قحط میں پانی کی بھوکی جیسی یاروا کھیتیاں
اغنیا غافل ہیں اور ماوَشما سب تنگدست
پونجیاں ادچھی ہیں اور درپیش ہے خرچ گراں
نادان ہاتھوں سے اُس اُمّت کی کھینی ہے تمہیں
تھا کھویا جس کے بیڑے کا رسولِ انس و جاںؐ

جس کی عزت در حقیقت عزتِ اسلام ہے
جس کی ذلت خود تمہاری ذلتوں کا نام ہے

چپ کی داد

یہ نظم اردو کی بے نظیر نظم ہے جس میں نہایت سچی اور واقعی تعریف فرقہ نسواں کے اوصاف صبر و حیا اور مہر و وفا کی دلآویز طریقہ پر بیان کی گئی ہے۔ مولانا نے ۱۹۰۵ء میں تصنیف کی تھی۔ بلحاظ اپنے اثر اور شہرت کے یہ نظم مولانا کی مقبول ترین نظموں میں سے ہے۔ مولانا کو خود بھی اس پر بہت فخر و ناز تھا (اسمٰعیل)

بند اوّل

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمہیں۔ قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں۔ شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں۔ دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے
تم ہو تو غربت ہے وطن۔ تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس۔ جینے کی حلاوت تم سے ہے
نیکی کی تم تصویر ہو۔ عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں۔ ایماں سلامت تم سے ہے
فطرت تمہاری ہے حیا۔ طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا۔ انساں عبارت تم سے ہے
مردوں میں ہمت والے تھے جو۔ سست بیٹھے اپنا کب کا کھو

دنیا میں اے ستونتیو! ہے دست کے اب تست تم سے ہے
مونس ہو خاوندوں کی تم - غمخوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب - گھر گھر میں برکت تم سے ہے
تم آس ہو بیمار کی - ڈھارس ہو تم بیکار کی
دولت ہو تم نادار کی - عسرت میں عشرت تم سے ہے
آتی ہو اکثر بے طلب - دنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سے اپنی یہاں - گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

بند دوم

میکے میں سارے گھر کی تھیں - گو مالک و مختار تم
پر سارے کنبے کی رہیں - بچپن سے خدمتگار تم
ماں باپ کے حکموں پہ پتلی کی طرح پھرتی رہیں
غمخوار باپوں کی رہیں - ماؤں کی تابعدار تم
دن بھر پکانا - ریندھنا - سینا - پرونا - ٹانکنا
بیٹھیں نہ گھر پر باپ کے - خالی کبھی زنہار تم
راتوں کو چھوٹے بھائی بہنوں کی خبر اٹھ اٹھ کے لی
بچہ کوئی سوتے میں رویا - اور ہوئیں بیدار تم
سسرال میں پہنچیں تو وہاں - اک دوسرا دیکھا جہاں
جا اتریں گویا دیس سے - پردیس میں اک بار تم
وہاں فکر تھی ہر دم یہی - ناخوش نہ ہو تم سے کوئی

اپنے سے رنجش کے کبھی۔ پاؤ نہ واں آثار تم
بدلے نہ شوہر کی نظر۔ سسرے کا دل میلا نہ ہو
آنکھوں میں ساس اور نند کی کھٹکو نہ مثلِ خار تم
پالا پڑوں سے گر پڑے۔ بدخو ہوں جب شوہر کے پڑے
چتون پہ میل آنے نہ دو۔ گو لاکھ ہی ہو بیزار تم
غم کو غلط کرتی رہو۔ سسرال میں ہنس بول کر
شربت کے گھونٹوں کی طرح۔ پیتی رہو خونِ جگر

بند سوم

شادی کے بعد ایک ٹک کو۔ تھی آرزو اولاد کی
تم پھنس گئیں جنجال میں۔ خالق نے جب اولاد دی
دردوں کے دکھ تم نے سہے۔ جاپے کی جھیلیں سختیاں
جب موت کا کھٹکا مٹا۔ تب تم کو یہ دولت ملی
میکے ہوا اور سسرال میں۔ سب کے ہوئے دل باغ باغ
گھر میں اجالا تو ہوا۔ پر تم پہ بپتا پڑ گئی
کھانا۔ پہننا۔ اوڑھنا۔ اپنا گئیں سب بھول تم
بچوں کے دھندے میں تمھیں اپنی نہ کچھ سدھ بدھ رہی
تب تک بھی سمجھو خیر تھی۔ جب تک بھلے چنگے تھے سب
پر سامنا آفت کا تھا۔ گر ہو گیا ماندہ کوئی
سولی پہ دن کٹنے لگے۔ راتوں کو نیندیں اڑ گئیں

اِک اِک برس کی ہو گئی - اِک اِک پل - اِک اِک گھڑی
بچوں کی سیوا میں تمہیں - گذرے ہیں جیسے دس برس
قدر اُسکی جانیگا وہی - دم پر ہو بول جس کے بنی
کی ہے مہم جو تم نے سر - مردوں کو اُس کی کیا خبر
جانے پرائی پیڑ وہ - جس کی بُرائی ہو پھٹی
تھا پالنا اولاد کا - مردوں کے بوتے سے سوا
آخر یہ اے دکھیا ریو! خدمت تمہارے سر پڑی
پیدا اگر ہوتیں نہ تم - بیڑا نہ ہوتا پار یہ
چیخ اُٹھتے دو دن میں - اگر مردوں پہ پڑتا بار یہ

بند چہارم

لیتیں خبر اولاد کی - مائیں نہ گر چھپن میں یہاں
خالی کبھی کا نسل سے آدم کی ہو جاتا جہاں
یہ گوشت کا اِک لوتھڑا - پروان چڑھتا کسطرح
چھاتی سے لپٹائے نہ ہر دم رکھتی گر بچے کو ماں
وہ دین اور دنیا کے مصلح - جن کے وعظ اور پند سے
ظلمت میں باطل کی ہوا - دنیا میں نورِ حق عیاں
وہ علم اور حکمت کے بانی - جن کی تحقیقات سے
ظاہر ہوئے عالم میں اسرارِ زمین و آسماں
وہ شاہ کشور گیر اسکندر - کہ جس کی دھاک سے

تھے بید کی مانند لرزاں۔ تاجداران جہاں
وہ فخر شاہان عجم کسریٰ۔ کہ جس کے عدل کی
مشرق سے تا مغرب زبانوں پر ہے جاری داستاں
کیا پھول پھل یہ سب۔ انہیں کمزور پودے نہ تھے
سینچا تھا ماؤں نے جنھیں۔ خون جگر سے اپنے یہاں
کیا صوفیان باصفا۔ کیا عارفان باخدا
کیا انبیاء۔ کیا اولیاء۔ کیا غوث۔ کیا قطب زماں
سرکار سے مالک کی جتنے پاک بندے ہیں بڑے
وہ ماؤں کی گودوں کے زینے سے ہیں سب اوپر چڑھے

بند پنجم

افسوس! دنیا میں بہت تم پر ہوئے جور و جفا
حق تلفیاں تم نے سہیں۔ بے مہریاں جھیلیں سدا
اکثر تمہارے قتل پر۔ قوموں نے باندھی ہے کمر
دیں تا کہ تم کو یک قلم۔ خود لوح ہستی سے مٹا
گاڑی گئیں تم تہ توں۔ مٹی میں جیتی جاگتی
حامی تمہارا تھا نہ یاور۔ کوئی جز ذات خدا
زندہ سدا جلتی رہیں۔ تم مردہ خاوندوں کے ساتھ
اور چین سے عالم رہا۔ یہ سب تماشے دیکھتا
بیاہی گئیں اس وقت تم۔ جب بیاہ سے ناواقف تھیں

جو عمر بھر کا عہد تھا۔ وہ کچے دھاگے سے بندھا
بیاہا تمھیں ماں باپ نے۔ اے بے زبانو اس طرح
جیسے کسی تقصیر پر۔ مجرم کو دیتے ہیں سزا
گزری امید و بیم میں۔ جب تک رہا باقی سہاگ
بیوہ ہوئیں تو عمر بھر۔ پھر چین قسمت میں نہ تھا
تم سخت سے سخت امتحاں دیتی رہیں۔ پر سالہا
کیں تم نے جانیں تک فدا۔ کہلائیں لیکن بیوفا
گو صبر کا اپنے نہ کچھ۔ تم کو ملا انعام یہاں
پر جو فرشتے سے نہ ہو۔ وہ کر گئیں تم کام یہاں

بند ششم

کی تم نے اس دار المحن میں جس تحمل سے گزر
زیبا ہے گر کہیے تمھیں۔ فخر بنی نوع البشر
جو سنگدل۔ سفاک پیاسے تھے تمھارے خون کے
اُن کی تو ہیں برچھیاں مشہور عالم میں۔ مگر
تم نے تو جن اپنے خریداروں سے کبھی پایا نہ کچھ
شوہر ہوں اسکے یا پدر۔ یا ہو برادر یا پسر
اُلفت تمھاری کر گئی گھر دل میں جس بے دید کے
وہ بدگماں تم سے رہا۔ اے بے نصیبو! عمر بھر
گو نیک مرد اکثر تمھارے نام کے عاشق رہے

پر نیک ہوں یا بد۔ رہے سب متفق اس رائے پر
جب تک جیو تم۔ علم و دانش سے رہو محروم یہاں
آئی ہو جیسی بے خبر۔ ویسی ہی جاؤ بے خبر
تم اس طرح مجہول اور گمنام دنیا میں رہو
ہو تم کو دنیا کی۔ نہ دنیا کو تمہاری ہو خبر
جو علم مردوں کے لیے سمجھا گیا آب حیات
ٹھیرا تمہارے حق میں وہ زہر ہلاہل سربسر
آتا ہے وقت انصاف کا۔ نزدیک ہے یوم الحساب
دنیا کو دینا ہوگا۔ ان حق تلفیوں کا واں جواب

بند ہفتم

گذرے تمھیں جگ تم پہ۔ کہ ہمہ روئی تھی تم سے کہیں
تھا منحرف تم سے فلک۔ برگشتہ تھی تم سے زمیں
دنیا کے دانا اور حکیم۔ اس خوف سے لرزاں تھے سب
تم پہ مبادا۔ علم کی پڑ جائے پرچھائیں کہیں
ایسا نہ ہو مرد اور عورت میں رہے باقی نہ فرق
تعلیم پاکر آدمی بننا تمہیں زیبا نہیں
یہاں تک تمہاری ہجو کے گائے گئے دنیا میں راگ
تم کو بھی دنیا کی کہن کا آگیا آخر یقیں
علم و ہنر سے رفتہ رفتہ ہوگئیں مایوس تم

سمجھا لیا دل کو کہ ہم - خود علم کے قابل نہ تھیں
جو ذلتیں لازم ہیں دنیا میں جہالت کے لیے
وہ ذلتیں سب نفس پر اپنے گوارا تم نے کیں
سمجھا نہ تم کو ایک دن - مردوں نے قابل بات کے
تم بیویاں کہلائیں - لیکن لونڈیاں بن کر رہیں
آخر تمہاری "چپ" دلوں میں اہل دل کے چبھ گئی
سچ ہے کہ چپ کی داد "آخر بے ملے رہتی نہیں
بارے زمانہ نیند کے ماتوں کو لایا ہوش میں
آیا تمہارے صبر پہ دریائے رحمت جوش میں

بند ہشتم

نوبت تمہاری حق رسی کی بعد مدت آئی ہے
انصاف نے دھندلی سی اک اپنی جھلک دکھلائی ہے
گو ہے تمہارے حامیوں کو مشکلوں کا سامنا
پر حل ہر اک مشکل یونہی - دنیا میں ہوتی آئی ہے
اٹکے ہیں روڑے چلتی گاڑی میں سچائی کے سدا
پر فتح جب پائی - سچائی ہی نے آخر پائی ہے

(خطاب بہ حامیانِ تعلیم نسواں)

اے بے زبانوں کی زبانو! بے بسوں کے بازوؤ!
تعلیم نسواں کی مہم - جو تم کو اب پیش آئی ہے
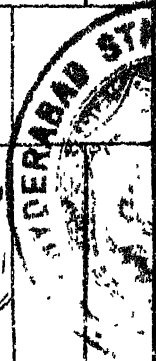
یہ مرحلہ آیا ہے پہلے تم سے جن قوموں کو پیش
منزل پہ گھاٹی آن کی - استقلال نے پہنچائی ہے
ہے راہ کٹھن پربت - اگر دل میں نہیں عزم درست
یہ ٹھان لی سب جی میں پھر یہ پربت بھی ہو تو رائی ہے
یہ بیت کہا کہ ہے کہ خود حق ہے تمہاری پشت پر
جو حق پہ منہ آیا ہے آخر اس نے منہ کی کھائی ہے
"جو حق کے جانبدار ہیں - بس ان کے بیڑے پار ہیں"
بھوپال کی جانب سے یہ - ہاتف کی آواز آئی ہے

ہے جو مہم در پیش - دستِ غیب ہے اس میں نہاں
تائیدِ حق کا ہے نشاں - امداد "سلطانِ جہاں"

۸ رجون سنہ ۱۹۲۹ء بروز جمعہ

فہرست کتب حالی بکڈپو

۱ - اصول و اخلاقِ اسلام - دینیات کا یہ مختصر لیکن نہایت جامع رسالہ آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب کی تصنیف ہے جسکو جناب مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب نے بہت سی ترمیم و توضیح کے بعد حال ہی میں تیسری مرتبہ شائع کیا ہے - اس میں نہایت آسان اور سلیس زبان میں چھوٹے بچوں کے لیے دینیات کے تمام موٹے موٹے اور ضروری مسائل (جن کا جاننا ہر مسلمان بچے کا سب سے پہلا فرض ہے) نہایت جامعیت اور عمدگی کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ دینیات کے اب تک جتنے ابتدائی رسالے اردو میں لکھے گئے ہیں یہ رسالہ یقیناً ان سب سے بہتر ہے - ناپسند ہو تو بلا تامل واپس فرما دیں - قیمت مجلد ۲ر بلا تجلید [illegible]

۲ - پھولوں کی ڈالی - چھوٹے بچوں کے لیے نہایت دلچسپ اور آسان خالص اخلاقی نظموں کا نہایت خوبصورت مجموعہ - پنجاب کی سکول لائبریریوں کے لیے سرکاری طور پر منظور شدہ قیمت ۲ر

۳ - اسلامی کہانیاں - نہایت آسان اور سلیس زبان میں تمام تاریخ اسلام کا خلاصہ چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی شکل میں - بچوں کے لیے بڑی مفید اور بے انتہا دلچسپ کتاب ہے - قیمت ۵ر

۴ - علمی ڈائرکٹری - علم دوست حضرات کے لیے یہ نہایت ہی مفید اور کارآمد کتاب ہے اسمیں اول تمام ہندوستان کے اخبارات و رسائل کے مفصل حالات اور ان کی فہرست دینے کے بعد ہر قسم کی انجمنوں، ہزاروں اہل علم اشخاص اور سینکڑوں تعلیم یافتہ مستورات کے پورے پتے بہت تلاش سے جمع کر کے درج کیے گئے ہیں۔ اردو لٹریچر میں نئی چیز ہے - قیمت [illegible]

۵ - جنت کے پھول - نہایت دلچسپ مذہبی نظموں کا مجموعہ - قیمت دو پیسے

۶ - سیر المصنفین - ابتدا سے ہر دور کے نثر مصنفین اردو کے حالات - زبانِ اردو کی عہد بعہد کی تصانیف کی مسلسل تاریخ - قیمت [illegible]

ان کتابوں کے علاوہ مولانا حالی کی تمام نظم و نثر تصانیف ہم سے منگائیں -

پتہ - مینجر حالی بک ڈپو پانی پت

مطبع آرٹ پریس
دی سی
آگرہ